تواریخ کی ۴۱ مستند کتابوں سے معلومات کا ذخیرہ

تاریخ کے بکھرے موتی

مؤلف
مولانا محمد اصغر کرنالوی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
ناظم اعلیٰ معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

تقریظ
حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل موسیٰ صاحب
مہتمم الجامعۃ المحمودیۃ ساؤتھ افریقہ

زمزم پبلشرز

تواریخ کی ۴۱ مستند کتابوں سے معلومات کا ذخیرہ

مؤلف

مولانا محمد اصغر کرنالوی

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
ناظم اعلیٰ معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل موسیٰ صاحب

مہتمم الجامعۃ المحمودیۃ ساؤتھ افریقہ

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ــــ تاریخ کے بکھرے موتی

تاریخ اشاعت ــــ جنوری ۲۰۱۱ء

صفحات ــــ ۵۲۸

باہتمام ــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

- **Madrasah Arabia Islamia**
  1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
  Azaadville 1750 South Africa
  Tel : 00(27)114132786
- **Azhar Academy Ltd.**
  54-68 Little Ilford Lane
  Manor Park London E12 5QA
  Phone: 020-8911-9797
- **ISLAMIC BOOK CENTRE**
  119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
  U.K
  Tel/Fax : 01204-389080

فہرست

دوسرا حصہ

انتساب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی فتوحات اور تاریخ اسلام کو محفوظ رکھنے والے شہرۂ آفاق مؤرخین کے نام جنہوں نے دیانت داری کے ساتھ چودہ سو سالہ تاریخ اور دنیا کے نصف حصے پر درخشندہ و تابندہ رہنے والے عہد ساز ادوار کی داستان مرتب کر کے عالم اسلام پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ آج ہر انسان بالخصوص مسلمان تاریخ کا مطالعہ کر کے حقائق کو جاننے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کی سیر بھی کر لیتا ہے۔

رب العلمین ان کو بھی اور ہم کو بھی فردوس بریں کا حقدار بنائے آمین۔

محمد اصغر کرنالوی بن قطب الدینؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کیلئے ہیں جس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا، اوران گنت درود و سلام خاتم النبیین ﷺ پر جس نے بار امانت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

تاریخ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، اگر چہ بعض دانشوروں کے نزدیک تاریخ ایک غیر مستند موضوع ہے مگر حقیقت سے آگاہی رکھنے والے انسان سمجھتے ہیں کہ سابقہ دور کے حالات جاننے کیلئے، فتوحات و شکست کو دیکھنے کیلئے، بدر واحد جیسے بڑے بڑے معرکوں کو پرکھنے کیلئے اور اہل اسلام کی آدھی دنیا پر حکومت کرنے کے حالات کی پڑتال کرنے کیلئے تاریخ سے ہرگز روگردانی نہیں کی جاسکتی۔ البتہ تاریخ کے مصنف کو پرکھنے کیلئے ان کے حالات زندگی کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس درجہ کا مؤرخ ہے، یعنی مستند ہے یا غیر مستند۔

بہر کیف اسلام کے شاندار ماضی سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اسلامی تاریخ کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے، اس لئے کہ تاریخ ایک آئینہ ہے جس میں کسی قوم کے عروج و زوال کا عکس صاف اور واضح نظر آتا ہے۔ چونکہ جنگی معرکے اور تاریخی کارنامے تاریخ کے مطالعہ ہی سے عیاں ہوتے ہیں۔ مطالعہ کے بعد انسان کو بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ

مؤرخ نے کس قدر محنت و مشقت سے حالات دنیا لوگوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ میں (مؤلف) خود تاریخ کو ایک خشک موضوع تصور کرتا تھا مگر جب بتوفیق ایزدی اس کتاب پر کام کرنا شروع کیا تو یہ حال ہوگیا کہ کسی کتاب کو شروع کرنے کے بعد مکمل کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

مقصد بیان یہ ہے کہ تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے، اس سے ہم کو دنیا کی تمام نئی اور پرانی قوموں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کا قول ہے کہ دلیری اور بے باکی سے اعلان حق کرنا مسلمانوں کی سیرت کا اک نمایاں پہلو تھا مگر افسوس کہ عصر حاضر کے تمام مسلمان تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

تاریخ کی اہمیت جاننے کے بعد یہ وضاحت ہو جائے کہ بندۂ عاجز نہ تاریخ کا طالب علم ہے اور نہ ہی زیر نظر کتاب کو تاریخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے یعنی یہ مستقل تاریخی کتاب نہیں بلکہ دلچسپ تاریخی واقعات، تاریخی تقاریر، تاریخی خطوط، تاریخی نصیحتیں، تاریخی خواب، تاریخی فیصلے، تاریخی فتوحات اور تاریخی جنگوں کے ''مختصر مگر پر اثر'' حالات کا حسین گلدستہ ہے۔ جسے میں نے اکتالیس کتب تواریخ سے انتخاب کیا ہے، اس سے میرا مقصد اہل اسلام کو مطالعۂ تاریخ کی طرف راغب کرنا ہے تاکہ ایک انسان اپنے بزرگوں کے حالات و واقعات کو پڑھ کر اپنے اندر تبدیلی لائے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب ''تاریخ کے بکھرے موتی'' میری پہلی کتاب ''قرآن کے بکھرے موتی'' کی طرز پر تیار کی گئی ہے، تاکہ ایک کتاب پڑھنے سے کئی کتابوں کا مطالعہ ہو جائے۔

اس کتاب کی تیاری میں تاریخ کی معتبر اور مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور ان کتابوں کو ترجیح دی ہے جن سے عام طور پر ہمارے اکابرین استفادہ کرتے رہے، اور اپنی کتابوں میں بوقت ضرورت حوالہ دیتے رہے ہیں، جن میں مندرجہ ذیل کتابیں

خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔

تاریخ ابن خلدون ، تاریخ ابن خلکان ، تاریخ ابن کثیر ، تاریخ طبری ، تاریخ الخلفاء، طبقات ابن سعد، تاریخ فرشتہ، تاریخ ملت، تاریخ دعوت وعزیمت، تاریخ اسلام ،فتوح الشام، علاوہ ازیں باقی تواریخ پر بھی گہری نظر ڈالی ہے اور پوری کتاب میں ماخذ کے حوالے دیئے ہیں۔ الحمدللہ اسقدر مطالعہ سے نہ صرف چودہ سوسالہ دور کی سیر ہوگئی بلکہ ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک کے سرسری حالات سے بھی واقفیت حاصل ہوگئی

قارئین کرام! یہ بات حقیقت ہے کہ جس طرح تاریخ کا مرتب کرنا بے حد دشوار اور مشکل کام ہے اسی طرح تاریخ کا مطالعہ کرنا اور اس مطالعہ سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانا بھی کوئی آسان کام نہیں، بہرحال رب لم یزل کے خاص فضل وکرم سے تاریخ کے اوراق سے چند قیمتی جواہرات اور بکھرے موتی پیش کیے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں کیلئے خصوصاً ان کیلئے جو قلیل وقت میں کثیر تاریخی واقعات جاننا چاہتے ہیں مفید ثابت ہوگی۔

آخر میں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے فقط یہ کہوں گا کہ بے عیب ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے، انسانی کاوشوں میں بہرحال غلطی کا امکان رہتا ہے، اہل علم اور ارباب فکر ونظر سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ زیر نظر کتاب میں کسی بھی حوالے سے غلطی پائیں تو مؤلف یا ناشر کو مطلع فرمادیں، یہ قارئین کا ہم پر احسان ہوگا، باقی دعاؤں کا ہر انسان طلبگار ہے ان ہی میں ایک بندۂ گناہ گار بھی ہے۔

لہٰذا دست بدعا ہوں کہ فاطر سمٰوٰت والارض اس کتاب کو شرف قبولیت بخش کر مفید عام بنادے اور ذریعہ نجات بنادے۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ اس محتاج دعاء کو اور والدین، شریک حیات، اساتذہ کرام اور مخلصین دین کو اپنی جلوت وخلوت،

سفر و حضر کی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی خشیت و معرفت اور اخلاص نصیب فرمائے۔

آمین۔

محمد اصغر کرنالوی بن قطب الدین رحمہ اللہ

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی مہاجر مکی مسجد صدر کراچی

خطیب: مبارک مسجد F-2-X سائٹ ایریا کراچی

فون! 021-2788551-موبائل 03003992260

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل موسیٰ صاحب
مہتمم: الجامعہ المحمودیہ ساؤتھ افریقہ

نحمده ونصلّی علیٰ رسوله الکریم .

قال الله جل شانه: قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین.

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور میں انسان کا حال اس کے ماضی کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے اور اسی کی مطابقت میں اس کا مستقبل بھی ڈھلتا ہے۔ انسان اپنی تاریخ کی معلومات حاصل کر کے اسکی خوبیوں کو بہتر سے بہتر انداز میں اپناتا ہے، اور اس کی غلطیوں سے آگاہ ہو کر اصلاح کر کے اپنے حال اور مستقبل کو روشن کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ انسانی زندگی کا ایک غیر منفک شعبہ ہے، جس کو کسی بھی طریقہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام میں یہ بات اس لئے بھی مزید حقیقت رکھتی ہے کہ اس کی تاریخ عہد صحابہ ﷺ سے لیکر دور حاضر تک ایسے شہ پاروں سے بھرپور ہے کہ ان میں سے ہر شخص بذات خود ایک جاندار تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے زندہ دلی، بیدار مغزی، جفاکشی، بے لوث قربانی، اخلاص اور ثابت قدمی سے تاریخ میں روح پھونک دی کہ رہتی دنیا تک انکا نام جگمگاتا رہے گا۔ وہ ایسی انمول اور مثالی زندگی گزار گئے کہ ہر

فرد ان میں سے منارتھا جس پر اسلام کو کما حقہ فخر ہے۔

اسلامی تاریخ اس لئے بھی اپنا امتیاز رکھتی ہے کہ اس کی باتیں مستند اور معتبر ہیں، رطب و یابس اور من گھڑت باتوں سے پاک ہیں، جبکہ اہل دنیا اور باطل کی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے، حق بات کو مسخ کرنا اور صحیح صورت حال کو اپنے مفاد کی خاطر پیش کرنا مؤلف کی امانت داری کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسلامی تاریخ میں ایسی شخصیات گزری ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی اقتداء کرنے سے دنیا کو شر سے خیر کی طرف دوبارہ متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی کی تعبیر فرمائی تھی اللہ کے نبی لوط علیہ السلام نے کہ " ولا تفسدوا فی الأرض بعد اِصلاحها" (زمین کو اسکی اصلاح کے بعد مت بگاڑو) اس کی اصلاح کیلئے تاریخ میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام اور کروڑوں انسانوں کی جانیں کھپی ہیں۔ اسکے احیاء کیلئے دوبارہ اگر دور حاضر کے مسلمان بلکہ انسان گامزن ہو جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ آدمی اپنی آدمیت کے اصول پر آجائے اور ہمارے خدا کی بنائی ہوئی دنیا دوبارہ سکون کا گہوارہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ..... مؤلف مولانا محمد اصغر کرنالوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بکھرے ہوئے تاریخی جواہر اور مواد جمع فرما کر ہمیں تاریخ کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے اور ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے کہ زندگی ایسی گزارنی چاہئے۔ چونکہ تاریخی شخصیات ہماری طرح انسان ہی تو تھے، فرشتے تو نہیں تھے، اگر وہ اپنی جانی اور مالی قربانیوں کا تاریخ کے صفحات پر اپنا نقش چھوڑ گئے تو کیا مشکل ہے کہ ہم بھی انکی نقالی میں اپنا اسلامی اور ایمانی کردار ادا کریں۔

احقر اسمٰعیل موسیٰ عفی عنہ

۱۲/۴/۲۰۰۸ء

نبی آخرالزماں ﷺ کی تاریخی تقریر

غزوۂ حنین میں کافر بے شمار مال واسباب چھوڑ کر بھاگے تھے۔رسول اکرم ﷺ نے اس غنیمت کا سارا حصہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جو نئے مسلمان ہوئے تھے تا کہ ان کا دل خوش ہو جائے۔انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ امتیاز اچھا معلوم نہ ہوا اور انہوں نے آپس میں کہا۔تعجب ہے کہ حضور ﷺ قریش کو تو مال غنیمت دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے رنگی ہوئی ہیں۔

کسی طرح رسول مقبول ﷺ کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو آپ نے انہیں الگ ایک جگہ جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور کہا:

''اے انصار! میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے،خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور تم لوگ تنگدست تھے،خدا نے میری وجہ سے تمہیں آسودہ کیا۔تم لوگ آپس میں دشمن تھے۔خدا نے میرے ہاتھوں تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملایا۔اب تم دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر دل میں میل لاتے ہو۔اے انصار! تم لوگ تو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے۔یہ قریش نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں مال غنیمت دے دیا۔ اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔خدا کی قسم! مجھے تو تم سے اتنی محبت ہے کہ اگر مہاجر نہ ہوتا تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کرتے تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ تقریر سن کر انصار بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان

کی ڈارھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور پھر آنسو پونچھ کر کہنے لگے۔

''ہمیں مال غنیمت کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کافی ہیں۔''

(تاریخ ملت ج ا ص ۷۴۔۷۵)

دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نبی ﷺ وصدیق رضی اللہ عنہ کا تاریخی سفر

کفار مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور مجبور ہو کر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام ''برک الغماد'' میں پہنچے تو قارہ کے سردار ''ابن الدغنہ'' سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا۔ ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے۔ کسی دوسرے ملک جارہا ہوں جہاں آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کرسکوں۔'' ابن الدغنہ نے کہا۔'' ابوبکر! تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو، مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کی مہمانداری کرتے ہو، میں تمہیں اپنی ذمہ داری پر واپس لے چلوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس چلے آئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کردیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میری پناہ میں ہیں انہیں کوئی نہ ستائے۔

کافروں نے کہا ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے یہ کہہ دو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کرلیا کریں۔

کچھ دن تک تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر اس کی آزاد طبیعت اعلان حق پر اس پابندی کو گوارہ نہ کرسکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغ فرائض ادا کرنے شروع کردیئے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہہ دیا کہ'' مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔''

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ

اس روشنی کو بجھانے کا پکا ارادہ کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے خداوندی ارشاد کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔

دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں آپ نے اپنے رفیق وغمگسار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں تیار ہو جاؤ۔

حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ میں نے اسی دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔''

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابوبکر ؓ کے گھر ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سامان سفر درست کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا پٹکا کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور ''ذوالنطاقین'' کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکر ؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے اور حضرت ابوبکر ؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غار ثور میں چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔

ان انتظامات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو عزیز ترین اور قدیم ترین رفیقوں میں سے ایک (حضرت علیؓ) کو اپنے بستر پر لٹا کر اور دوسرے (حضرت ابوبکرؓ) کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے اندھیری رات میں چپکے سے باہر نکلے اور غار ثور پر جا کر پہلی منزل کی۔ جب کافروں کو معلوم ہوا کہ ان کی سازش ناکام رہی ہے تو جھنجھلا اٹھے اور آپ ﷺ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر ؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ حضور ﷺ نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر

ان الفاظ میں کیا ہے۔

''اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی) اللہ نے اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اسے کافروں نے اس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔'' اس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے یار غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور تاریخ اسلام میں فتح صداقت اور غلبہ حق کے باب کا آغاز ہوا۔

(تاریخ ملت ج ا ص ۱۲۶-۱۲۷)

تین جلیل القدر صحابہ ؓ کو قتل کرنے کی تاریخی سازش

واقعہ نہروان کے بعد تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی مکہ معظمہ میں ملے۔ یہ تینوں عالم اسلام کی خانہ جنگی اور بدنظمی کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر انہوں نے مقتولین نہروان کی یاد میں آنسو بہائے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی موت کے بعد زندگی میں ہمارے لئے کچھ لطف نہیں رہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم علی، معاویہ اور عمرو بن عاص کو ٹھکانے لگا دیں تا کہ ایک طرف عالم اسلام اس خون خرابے سے نجات پائے اور دوسری طرف ہم اپنے بھائیوں کا انتقام لے لیں۔ آخر طے یہ پایا کہ عبدالرحمٰن حضرت علی ؓ کو، برک حضرت معاویہ ؓ کو اور عمرو، عمرو بن عاص ؓ کو شہید کرے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی تاریخ اس کام کو انجام دینے کے لئے تجویز ہوئی۔

حسب قرارداد ابن ملجم کوفہ آیا اور یہاں خاندان بنی رباب سے جو خارجی عقیدہ رکھتا تھا تعلقات پیدا کئے۔ اس خاندان میں ایک حسین وجمیل عورت تھی جس کا نام قطام تھا۔ ابن ملجم اس کا گرویدہ ہو گیا اور شادی کا پیغام دیا۔ قطام نے کہا کہ مجھے تمہارا پیغام منظور ہے، مگر مہر وہ ہو گا جو میں تجویز کروں۔ ابن ملجم نے کہا تم کیا مہر تجویز کرتی ہو؟

قطام نے جواب دیا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی، اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے کہا، مجھے بسر وچشم منظور ہے۔ علی کے سر کیلئے ہی تو میں کوفہ آیا ہوں۔ غرض ابن ملجم اور قطام کی شادی ہوگئی اور دونوں مل کر اس مقصد کی تکمیل کی تدبیریں کرنے لگے۔ ابن ملجم اور قطام ہی کی کوششوں سے شبیب بن نجدہ حروری اور وردان دو اور خارجی بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو تینوں جامع کوفہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ فجر کے وقت حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حسب معمول سونے والوں کو نماز کے لئے جگانا شروع کیا۔ شبیب کمین گاہ سے نکلا اور حضرت علیؓ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ محراب میں گر پڑے۔ اب ابن ملجم آگے بڑھا اور حضرت امیر کے سر مبارک پر وار کیا۔ حضرت کی داڑھی خون میں تر بتر ہوگئی۔ آپ نے پکار کر کہا میرے قاتل کو پکڑو۔ وردان اور شبیب دونوں بھاگ نکلے۔ لیکن ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔

حضرت علیؓ کو آپ کے مکان پر لایا گیا اور ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:

"اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور زندہ رہا تو جو سزا مناسب سمجھوں گا دے دوں گا۔"

جب امید حیات منقطع ہوگئی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور انہیں تقویٰ، حسن عمل اور خدمت دین کی وصیت فرمائی۔ کسی نے پوچھا۔ "یا حضرت آپ کے بعد ہم حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔" آپ نے جواب دیا۔ "نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ جیسا مناسب سمجھو کرنا۔"

آخر کار اسی دن رات کو آسمان رسالت کا یہ ستارہ درخشندہ غروب ہو گیا۔ رحلت کے وقت یہ آیت کریمہ ورد زبان تھی۔

" فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ"
"جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا اس کی سزا پائیگا۔"

آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی اور تقریباً چار سال نو مہینے مسند خلافت پر متمکن رہے۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور ابن کثیر کی مرجع روایت کے مطابق دار الخلافہ کوفہ کے اندرونی حصے میں دفن کیا گیا۔

حضرت امیر کے وصال کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کو بلایا۔ ابن ملجم نے کہا کہ میں علی کی طرح معاویہ کے قتل کا بھی عہد کر چکا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس فرض کو بھی ادا کرلوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہا تو ضرور حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کی اس درخواست کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو قتل کا حکم دیا۔

ابن ملجم کو اپنے عقیدہ باطل پر اس قدر یقین تھا کہ وہ قتل کے وقت سورۂ اقرأ کی تلاوت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس وقت اپنی زبان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرنا چاہتا۔

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور اس نے بھی اسی دن، اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جب کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے حملہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معمولی زخم آیا جو جلد اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے مسجد میں مقصورہ بنوالیا اور ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو نماز کے وقت ان کی حفاظت کرتا تھا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکر مصر پہنچا اور اس نے بھی وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی۔ حسن اتفاق سے اس روز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیماری کی وجہ سے

مسجد نہ آسکے اوران کی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے امامت کی۔عمرو بن بکر نے خارجہ کوعمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کیا اور انہیں قتل کردیا۔عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کردیا گیا۔ (تاریخ ملت ج اص ۲۹۴۔۲۹۵)

دولت کے انبار اور سادگی کی انتہاء پر چند تاریخی مثالیں

عرب فارس وروم تک فاتحانہ پہنچے۔اور جس ملک و دولت کا خدا نے ان سے وعدہ کیا تھا اس کے مالک ہوئے، بڑی بڑی سلطنتیں ان کے قبضے میں آئیں۔ دنیا اوراس کی دولت نے چاروں طرف سے گھیرلیا۔اس وقت ان میں بھی تمول وتکلف کے آثار ظاہر ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک ایک سوار کوایک غزوہ میں ۳۰،۳۰ ہزار اشرفیاں ملنے لگیں۔اوراس فتوح غیبی سے اس قدر دولت ان کے ہاتھ لگی کہ کوئی انتہاء نہ رہی۔ لیکن قرون اولی میں باوجود اس دولت وثروت کے بھی مسلمان ویسی ہی سادگی کے دلدادہ اور خشونت پسند رہے۔

چنانچہ عمرؓ اپنے کپڑوں میں کھال کے پیوند لگاتے اور علیؓ فرماتے یاصفرآء یابیضاء غری غیری،ابوموسیٰ مرغ کا گوشت نہیں کھاتے تھے کیونکہ عرب میں مرغ کم ہونے کی وجہ سے وہ اس کے خوگر نہ تھے۔اور تو کیا ہوگا عرب میں چھلنی بھی نہ تھی سب بغیر چھنا آٹا کھایا کرتے تھے۔

ادھر تو یہ سادگی اور بے تکلفی تھی ادھران کے مکان سب اموال دنیا کے دولت مندوں کا مقابلہ کررہے تھے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ عثمانؓ کے زمانہ میں صحابہ جاگیروں اور بہت کچھ نقد کے مالک ہوگئے تھے۔خود عثمان کی شہادت کے بعدان کے خزانے میں ایک لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم موجود تھے۔اور وادی قری وحنین وغیرہ میں بھی آپ کی جاگیرایک لاکھ دینار سے کم نہ تھی۔اس کے علاوہ بہت سے اونٹ اور گھوڑے آپ نے چھوڑے تھے۔زبیرؓ کی وفات کے بعدان کے ترکہ کی قیمت ۵۰

ہزار دینار تھی، اس کے علاوہ گھوڑے اور ہزار لونڈیاں اور تھیں۔ طلحہ ﷺ کی غلہ عراق کی یومیہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی۔ اور ناحیہ سراۃ کے غلہ کی آمدنی اس سے بھی زیادہ بیان کی گئی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کے اصطبل میں ہزار گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں موجود تھیں اور انتقال کے بعد ان کا ترکہ ۸۴ ہزار معلوم ہوا۔ زید بن ثابت ﷺ نے ایک لاکھ دینار کی جاگیر اور بہت کچھ نقد چھوڑا۔ اور چاندی سونے کی اینٹیں اس کے علاوہ تھیں۔ زبیر ﷺ نے بصرہ، مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں بڑے بڑے مکانات بنوائے تھے۔ اسی طرح طلحہ ﷺ نے بھی کوفہ میں اپنے لئے ایک عمارت بنوائی۔ اور مدینہ میں اپنا گھر ازسرنو چونہ ساج اور اینٹ سے تعمیر کرایا۔ اور سعد بن ابی وقاص ﷺ نے اپنا گھر سنگ سرخ سے بہت عالی شان اور بلند بنوایا اور اس میں معقول صحن اور جابجا عمارت میں جھروکے رکھے تھے۔ اور مقداد ﷺ نے مدینہ میں اپنے گھر کی عمارت بنوائی جس میں اندر باہر چونے سے جڑائی ہوئی تھی۔ یعلی ابن منبہ نے پچاس ہزار دینار نقد اور جاگیریں چھوڑیں۔ جس کی قیمت تین لاکھ درہم اندازہ کی گئی تھی۔ ان تھوڑی سی مثالوں سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس زمانہ میں دفعتاً مسلمانوں کی آمدنی کس قدر بڑھ گئی تھی اور کیا کچھ دنیا میں انہیں حاصل ہوئی۔

ان مثالوں کے پیش کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ معلوم ہوجائے کہ قرون (اولیٰ) خیر میں مسلمانوں کی دولت وثروت کس حد تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن دین ومذہب کے حکم سے یہ سب کچھ ممنوع ومحظور نہ تھا۔ کیونکہ یہ دولت حلال غنائم وغیرہ سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ اور چونکہ اس دولت کا مصرف ہی بجائے اسراف بے جا کے اعتدال واقتصاد کے ساتھ تھا اس لئے اس تمول سے صحابہ کی شان میں کسی قسم کا قدح وذم لازم نہ آیا۔

خلاصہ یہ کہ دنیا اور اس کی دولت کو اسی حالت میں قبیح اور مذموم کہہ سکتے ہیں جب

کہ اس کے ساتھ اسراف بے جا، ترک حق، ضلالت وگمراہی ہو، اور اگر دنیا والے دولت جائز طریقہ سے حاصل کریں اور پھر اس دولت کو سبیل حق اور امور خیر میں صرف کریں تو اسی حالت میں وہی دولت اقامت حق اور اکتساب آخرت کے لئے ان کی مددگار ہو جاتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۰۴۔۳۰۵)

ابن الذبیحین (ﷺ) کی ولادت کا حیرت انگیز تاریخی واقعہ

جب مطلب کا یمن میں رومان کے مقام پر انتقال ہوگیا تو اس کے بعد عبدالمطلب نے بنو ہاشم کے معاملات کو سنبھالا اور حاجیوں کی خدمت اور پانی پلانے کی خدمت اسی خوبی کے ساتھ انجام دی جس خوبی سے اس کام کو اس سے پہلے سرانجام دیا جاتا تھا۔ وہ یمن اور حبشہ کے بادشاہوں کے درباروں میں اپنی قوم کا نمائندہ بن گیا۔

جب عبدالمطلب نے ایک خواب کی بنا پر زم زم کے کنویں کو بھی کھودنے کا حکم دیا تو قریش نے اس کے ارادہ کی مخالفت کی۔ اس پر عبدالمطلب نے منت مانی کہ جب میرے ہاں دس بیٹے ہوں گے اور جوان ہو کر میری حفاظت اور حمایت کے قابل ہو جائیں گے تو میں ان میں ایک بیٹے کو کعبہ میں لے جا کر اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا۔ چنانچہ جب اس کے ہاں پورے دس بیٹے پیدا ہو گئے تو انہوں نے ہبل بت کے پاس جا کر قرعہ ڈالا۔ وہ بڑا بت تھا جو کعبہ کے اندر اس گڑھے کے اوپر نصب تھا جس گڑھے میں نذرانے جمع کئے جاتے تھے۔ قرعہ ان کے بیٹے عبداللہ کے نام پر نکلا جو رسول اللہ ﷺ کے والد تھے۔ عبدالمطلب حیرت میں پڑھ گئے۔

ان کی قوم نے انہیں عبداللہ کی قربانی سے روکا اور مغیرہ بن عبداللہ مخزومی نے اسے مشورہ دیا کہ عرافہ سے اس بارے میں سوال کیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ عرافہ سے خیبر کے مقام پر جا کر ملے۔ انہوں نے یہ تدبیر بتائی کہ عبداللہ کو دس اونٹوں کے مقابلے

پر رکھو اور قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ اونٹوں پر نکلے تو اونٹوں کو ذبح کر دو ورنہ اونٹوں کی تعداد زیادہ کرتے جاؤ یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے۔ تب اونٹوں کو ذبح کر ڈالو۔ یہ عبداللہ کا فدیہ ہوگا اور تمہارا رب بھی راضی ہو جائے گا جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا تو اونٹوں کو ذبح کر ڈالا۔

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے معجزات میں شمار ہوتا ہے اور ایک اور حدیث میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

"انا ابن الذبیحین"

اس حدیث میں ذبیحین سے مراد آپ کے والد عبداللہ اور جد امجد اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ ان دونوں حضرات کو قربان کرنے کی تیاریاں ہو چکیں تھیں مگر اس کے بعد ان کے فدیہ میں جانور ذبح کئے گئے۔

(ابن خلدون ج ۲ ص ۵۴۱۔۵۴۲)

بچپن کے زمانے میں نبوت کی تاریخی نشانیاں

محمد بن صالح بن دینار عبداللہ بن جعفر الزہری اور داؤد بن اللاسین کہتے ہیں کہ ابو طالب جب ملک شام کو چلے تو رسول اللہ ﷺ ساتھ تھے یہ پہلی مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت بارہ برس کے تھے۔ شام کے شہر بصرہ میں جب اترے تو وہاں ایک راہب تھا جسے بحیرا کہتے تھے وہ اپنے ایک صومعہ (عبادت خانے میں) رہتا تھا جس میں علمائے نصاریٰ رہا کرتے تھے اور موروثی طور پر رہتے آئے تھے یہاں ایک کتاب کا درس بھی دیتے تھے۔

قافلے والے بحیرا کے پاس اترے بحیرا کی یہ حالت تھی کہ اکثر قافلے والے وہاں سے گزرتے تھے مگر وہ ان سے ہم کلام بھی نہیں ہوتا تھا، اس سال نوبت آئی تو حسب

معمول اس کے صومعہ کے پاس اترے کہ پہلے جب بھی ادھر سے گزرے تھے تو یہیں اترا کرتے تھے، بحیرا نے اب کی مرتبہ ان کے لئے کھانا پکوایا اور سب کو دعوت دی، دعوت دینے کا سبب یہ ہوا کہ قافلہ جب پہنچا تو بحیرا نے دیکھا کہ ایک بادل ہے جو تمام لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے ایک محمد ﷺ پر سایا کئے ہوئے ہے، لوگ درخت کے نیچے اترے تو دیکھا کہ وہی بادل درخت پر سایا کئے ہوئے ہے، رسول اکرم ﷺ اس کے سائے میں آئے تو شاخیں سرسبز ہو گئیں۔

بحیرا نے جب دیکھا تو کھانا منگوایا اور پیغام بھیجا۔

اے جماعت قریش میں نے تم لوگوں کے لئے کھانا تیار کرایا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم سب اس میں شریک ہو، چھوٹے بڑے آزاد غلام کوئی بھی نہ رہ جائے اس سے میری عزت ہو گی۔

ایک شخص نے کہا بحیرا تیری یہ خاص بات ہے کہ تو ہمارے لئے ایسا نہیں کرتا تھا آج کیا ہے۔

بحیرا نے کہا میں تمہاری بزرگزاشت کرنا چاہتا ہوں اور تم اس کے مستحق ہو۔ سب لوگ آئے مگر کم سنی کی وجہ سے آپ ﷺ نہ آئے کیونکہ وہ سب سے چھوٹے تھے۔

قافلے کا سامان درخت کے نیچے تھا اس لئے آپ ﷺ بھی وہیں بیٹھے رہے۔

بحیرا نے ان لوگوں کو دیکھا تو جس کیفیت کو وہ جانتا پہچانتا تھا کسی میں نہ پائی اور کہیں نظر نہ آئی اور بادل بھی سر پر دکھائی نہیں دیا بلکہ دیکھا کہ وہیں رسول اکرم ﷺ کے سر پر رہ گیا، بحیرا نے یہ دیکھ کر کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ ہو کہ میرے ہاں کھانا کھانے سے رہ جائے۔

لوگوں نے کہا کہ بحیرا ایک لڑکا ہے، سب سے کم سن وہی ہے اور اسباب کے پاس کوئی دوسرا نہیں رہا۔ بحیرا نے کہا اسے بھی بلاؤ کہ میرے کھانے میں شریک ہو، یہ کتنی

بری بات ہے کہ تم سب تو آؤ اور ایک شخص رہ جائے میں ایک وصف کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ وہ بھی تم لوگوں میں سے ہے۔

لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم وہ سب سے شریف النسب ہے وہ اس شخص یعنی ابو طالب کا بھتیجا اور عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہے۔

حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف نے کہا کہ خدا کی قسم ہمارے لئے یہ قابل ملامت معاملہ تھا کہ عبدالمطلب کا لڑکا ہم میں نہ ہو اور پیچھے رہ جائے۔

حارث یہ کہہ کر اٹھے آنحضرت ﷺ کو گود میں لیا اور لا کر کھانے پر بٹھا دیا، بادل اس وقت بھی آپ ﷺ کے سر پر حیاتِ افروز حسن جمال تھا، بحیرا سخت غور وفکر کے ساتھ آپ ﷺ کو دیکھنے لگا جسم کی چیزیں دیکھنی شروع کیں جن کی علامتیں آنحضرت ﷺ کے اوصاف کی نسبت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود تھیں۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس آ کر اس راہب نے کہا کہ اے لڑکے تجھے لات وعزیٰ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ جو کچھ تجھ سے پوچھوں اس کا جواب دے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لات وعزیٰ کا واسطہ دلا کر مجھ سے نہ پوچھ، خدا کی قسم میں جتنا ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں اس قدر اور کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا۔ راہب نے کہا میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو کچھ تجھ سے پوچھوں اس کا جواب دے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو تیرے جی میں آئے پوچھ لے۔

آنحضرت ﷺ کے حالات کی نسبت راہب نے سوالات شروع کئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سونے کی کیفیت بھی دریافت کی، رسول اکرم ﷺ جواب دیتے جاتے تھے جو خود اس کی معلومات کے مطابق اتر رہے تھے، راہب نے پھر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کے درمیان نظر کی پھر آپ ﷺ کی پیٹھ کھول کر مہر نبوت دیکھی ان دونوں مونڈھوں کے درمیان اس طرح نمایاں تھی جس طرح صفت وکیفیت راہب کے پاس

مرقوم تھی، یہ سب دیکھ کر مہر نبوت جہاں تھی اس کو چوم لیا۔

قریش کی جماعت میں چرچے ہوئے کہ اس راہب کے نزدیک محمد ﷺ کی کس قدر عزت ہے۔

راہب کا برتاؤ دیکھ کر ابو طالب اپنے بھتیجے آنحضرت ﷺ کی نسبت خوف کھا رہے تھے ابو طالب سے اس نے پوچھا کہ یہ لڑکا تیرا کون ہے۔

ابو طالب نے کہا کہ میرا بیٹا ہے، راہب نے کہا کہ وہ تیرا بیٹا نہیں ہے اس لڑکے کے لائق و مناسب نہیں کہ اس کا باپ زندہ ہو۔

ابو طالب نے کہا کہ میرا بھتیجا ہے، راہب نے کہا کہ اس کا باپ کیا ہوا؟

ابو طالب نے کہا وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس کا باپ مر گیا، راہب نے پوچھا کہ اس کی ماں کیا ہوئی؟

ابو طالب نے کہا کہ تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ انتقال کر گئیں۔

راہب نے کہا کہ تو نے سچ کہا، اپنے بھتیجے کو لے کر اس شہر و دیار میں واپس پہنچا دے یہودیوں سے بچائے رکھنا۔ خدا کی قسم اگر اسے دیکھ لیا اور جو کچھ میں ان کی نسبت جانتا ہوں وہ بھی جان گئے تو اسے تکلیف پہنچانا چاہیں گے، تیرے اس بھتیجے کی بڑی شان ہونے والی ہے جو ہماری کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے اور ہم اپنے آباؤ اجداد سے اس کی روایت کرتے چلے آرہے ہیں، یہ بھی جان لے کہ میں نے تیری خیر خواہی کی ہے اور نصیحت کا فرض ادا کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۲۔۱۶۳)

نسل انسانی سے متعلق قیمتی اور تاریخی معلومات

ہم مسلمانوں کا عقیدہ تو ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں کوئی آدم خاکی پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کے دور سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے۔ دنیا کی مدت قیام کو لاکھوں برس سے بھی زیادہ بتانا ہمارے نزدیک غلط

ہے۔اور ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست ہے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے آباد ہوا۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے تینوں بیٹوں یعنی سام، یافث، اور حام کو ازرو ئے کھیتی باڑی اور کاروبار کا حکم دے کر دنیا کے چاروں اطراف میں روانہ کیا۔

سام حضرت نوح علیہ السلام کے دو بڑے بیٹے اور جانشین تھے۔ان کے فرزند وں کی تعداد ننانوے (۹۹) تھی۔جن میں ارشد، ارفخشد، کیئے، نود، یود، ارم، قبطہ، عاد اور قحطان مشہور ہیں۔اور عرب کے تمام قبیلے انہیں کی نسل سے ہیں۔حضرت ہود، صالح، اور ابراہیم علیہم السلام اپنا سلسلہ نسب ارفخشد تک پہنچاتے ہیں۔ارفخشد کا دوسرا بیٹا کیمورث شاہان عجم کا مورث اعلیٰ ہے، کیمورث کے چھ بیٹے تھے۔سیامک، عراق، فارس، شام، تورا اور دمغان۔بڑا بیٹا سیامک باپ کا جانشین ہوا۔اور باقی بیٹے جس جس جگہ گئے۔وہ جگہ انہیں کے نام سے موسوم ہوئی۔اور وہاں انہیں کی اولاد آباد ہوئی۔بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام عجم تھا۔اور عجم کے سب رہنے والے اسی کی اولاد میں سے ہیں۔سیامک کے بڑے بیٹے کا نام ہوشنگ تھا۔عجم کے تمام بادشاہ ''یزدجرد'' تک اسی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے بیٹے یافث اپنے والد محترم کے ایما پر مشرق اور شمال کی طرف گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔اس کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے زیادہ مشہور بیٹا ترک نام کا ہے۔ترکستان کی تمام قومیں یعنی مغل، ازبک، ترکمانی اور ایران کے وردما کے ترکمانی اسی کی اولاد میں ہیں۔یافث کے دوسرے مشہور بیٹے کا نام چین تھا۔ملک چین کا نام اسی کے نام پر ہے، تیسرے بیٹے کا نام آردیس ہے۔اس کی اولاد شمالی ملکوں کی سرحد پر بحر ظلمات تک آباد ہوئی، اہل تاجک، غور وسقلاب اسکی نسل سے ہیں۔

حضرت نوح کا تیسرا بیٹا حام اپنے عالی قدر والد کے حکم سے دنیا کے جنوبی حصے کی طرف گیا اور اس کو آباد و خوشحال کیا۔ حام کے چھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں ۔ ہند، سندھ، حبش، افرنج، ہرمز، اور بوبیہ۔ ان سب بیٹوں کے نام پر ایک ایک شہر آباد ہوا۔ حام کے سب سے زیادہ مشہور بیٹے ہند نے ملک ہندوستان کو اپنایا اور اسے خوب آباد و سرسبز و شاداب کیا۔ اس کے دوسرے بھائی سندھ نے ملک سندھ میں قیام کیا۔ اور تھت (ٹھٹھ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا۔ ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ پورب۔ بنگ، دکن، نہروال۔ جو ملک اور شہر آج کل ان ناموں سے مشہور ہیں وہ انہی کے آباد کیے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ ہند کے بیٹے دکن کے گھر تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مرہٹ اور دوسرے کا کنہڑا اور تیسرے کا تلنگ تھا۔ دکن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کیا۔ آج کل دکن میں جو ان ناموں کی تین مشہور قومیں ہیں وہ انہی تینوں کی نسل سے ہیں۔ ہند کے بیٹے نہروال کے بھی تین بیٹے تھے جن کے نام بھروج، کنباج، اور مالراج ہیں۔ ان تینوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے۔ اور ان شہروں میں ان کی اولادیں آج تک آباد ہیں۔ ۔۔۔۔ ہند کے تیسرے بیٹے بنگ کے گھر میں بہت سی اولاد ہوئی۔ جنھوں نے ملک بنگالہ آباد کیا۔ چوتھے بیٹے پورب کے ہاں جو ہند کا سب سے بڑا بیٹا تھا بیالیس بیٹے ہوئے اور کچھ عرصے میں ان کی اولاد اس قدر بڑھی کہ انہوں نے ملک کے انتظام کے لئے اپنے خاندان میں سے ایک شخص کشن نامی کو اپنا سردار اور فرمانروا بنایا۔

ملک ہندوستان میں جس شخص نے سب سے پہلے اپنی حکومت قائم کی وہ کشن تھا۔ یہ کشن وہ مشہور سری کرشن نہیں ہے کہ جس کے متعلق ہندوستان والوں نے طرح طرح کے عجیب و غریب قصے اور خلاف عقل روایات و حکایات اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ اور اسے خدا کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ بلکہ یہ کشن سمجھدار اور عقیل شخص تھا کہ جس کو

ہندوستان والوں نے اس کی بہادری اور مردانگی کے پیش نظر اپنا فرماں روا منتخب کیا تھا۔ یہ شخص بہت بھاری جسم کا تھا۔ اس کا وزن اس قدر تھا کہ گھوڑا اس کی سواری کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ لہذا اس نے حکم دیا تھا کہ جنگلی ہاتھیوں کو حسن تدبیر سے رام کیا جائے تا کہ وہ ان پر سواری کرے۔۔۔۔ راجہ کشن کے زمانے میں ہند کے بیٹے بنگ کی نسل سے ایک دانشور اور عاقل برہمن پیدا ہوا۔ جسے کشن نے اپنا وزیر بنایا۔ ہندوستان کی بعض صنعتیں اسی برہمن کے حسن تدبیر سے رائج ہوئیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج بھی اسی دانشور برہمن کی فکر عالی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں پہلا شہر جو آباد ہوا وہ اودھ ہے۔ کشن نے چار سو (۴۰۰) سال کی زندگی پائی۔ یہ راجہ طہمورث کا ہم عصر تھا۔ اور اس کے عہد میں تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) گاؤں اور قصبے آباد ہوئے۔ اس کے سینتیس بیٹے تھے۔ جن میں سب سے بڑا جسکا نام مہاراج تھا۔ باپ کے بعد مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ (تاریخ فرشتہ ج ا ص ۵۹ تا ۶۱)

عزم وہمت کے پہاڑ نے کشتیاں جلانے کے بعد تاریخی خطبہ دیا

راڈرک (ظالم حکمران) اور طارق ابن زیاد رحمہ اللہ کے لشکر جب وادی لکہ کے مقام پر آمنے سامنے ہوئے تو طارق نے وہ تاریخی خطبہ دیا جو آج بھی عربی ادب اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور جس کے ایک ایک لفظ سے طارق کے عزم، حوصلے اور سرفروشی کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

لوگو! تمہارے لئے بھاگنے کی جگہ ہی کہاں ہے؟ تمہارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن۔ لہذا خدا کی قسم تمہارے لئے اسکے سوا کوئی راستہ نہیں کہ تم خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں سچے اترو اور صبر سے کام لو، یاد رکھو کہ اس جزیرے میں تم ان یتیموں سے زیادہ بے آسرا ہو جو کسی کنجوس کے دستر خوان پر بیٹھے ہوں۔ دشمن تمہارے مقابلے کیلئے اپنا پورا لاؤ لشکر اور اسلحہ لے کر آیا ہے۔ اس کے پاس وافر مقدار میں غذائی سامان بھی

ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری تلواروں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں، تمہارے پاس کوئی غذائی سامان اس کے سوا نہیں جو تم اپنے دشمن سے چھین کر حاصل کر سکو۔ اگر زیادہ وقت اس حالت میں گزر گیا کہ تم فقر و فاقہ کی حالت میں رہے اور کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ابھی تک تمہارا جو رعب دلوں پر چھایا ہوا ہے، اس کے بدلے دشمن کے دل میں تمہارے خلاف جرأت و جسارت پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا اس برے انجام کو اپنے آپ سے دور کرنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ تم پوری ثابت قدمی سے اس سرکش بادشاہ کا مقابلہ کرو، جو اس کے محفوظ شہر نے تمہارے سامنے لا کر ڈال دیا ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو موت کے لئے تیار کر لو تو اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔ اور میں نے تمہیں کسی ایسے انجام سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود بچا ہوا ہوں، نہ میں تمہیں کسی ایسے کام پر آمادہ کر رہا ہوں جس میں سب سے سستی پونجی انسان کی جان ہوتی ہے۔ اور جس کا آغاز میں خود اپنے آپ سے نہ کر رہا ہوں، یاد رکھو! اگر آج کی مشقت پر تم نے صبر کر لیا، تو طویل مدت تک لذت و راحت سے لطف اندوز ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارا یہ عمل دنیا و آخرت دونوں میں تمہاری یادگار رہے گا۔ اور یاد رکھو کہ جس بات کی دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں اس پر پہلا لبیک کہنے والا میں خود ہوں۔ جب دونوں لشکر ٹکرائیں گے تو میرا عزم یہ ہے کہ میرا حملہ اس قوم کے سرکش ترین فرد راڈرک پر ہوگا، اور انشاء اللہ میں اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کروں گا۔ تم میرے ساتھ حملہ کرو، اگر میں راڈرک کی ہلاکت کے بعد ہلاک ہوا تو راڈرک کے فرض سے تمہیں سبکدوش کر چکا ہوں گا، اور تم میں ایسے بہادر اور ذی عقل افراد کی کمی نہیں جن کو تم اپنی سربراہی سونپ سکو، اور اگر میں راڈرک تک پہنچنے سے پہلے ہی کام آ گیا تو میرے اس عزم کی تکمیل میں میری نیابت کرنا تمہارا فرض ہوگا، تم

سب مل کر حملہ جاری رکھنا، اور پورے جزیرے کی فتح کا غم کھانے کے بجائے اس ایک شخص کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لینا تمہارے لئے کافی ہوگا کیونکہ دشمن اس کے بعد ہمت ہار بیٹھے گا۔

طارق کے رفقاء پہلے ہی جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے۔ طارق کے اس خطبے نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، وہ وادی لکہ کے معرکے میں اپنے جسم و جان کو فراموش کر کے لڑے۔ یہ جنگ متواتر آٹھ دن تک جاری رہی، کشتوں کے پشتے لگ گئے، اور بالآخر فتح و نصرت مسلمانوں کے حصے میں آئی، راڈرک کا لشکر بری طرح پسپا ہوا، اور خود راڈرک بھی اس تاریخی معرکہ میں کام آیا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خود طارق بن زیاد نے قتل کیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا خالی گھوڑا دریا کے کنارے پایا گیا جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہوا۔ (دنیا مرے آگے ص۲۰، تا ۲۲)

رئیس الملائکہ اور سلطان الارض (ابلیس) کا تاریخی لقب

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اس ابلیس کا نام پہلے عزازیل تھا اور وہ چار پیروں والا بازو رکھنے والے فرشتوں میں افضل سمجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد حجاج، ابن جریج اور ابن عباس ﷺ سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لئے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور پہلے آسمان کی سلطنت اس کی حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے سپرد تھی اور وہ سلطان الارض کہلاتا تھا۔

توامہ کے غلام صالح ابن عباس ﷺ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض و سما کے مابین وسوسوں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلاً ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قتادہ سعید بن مسیتب رحمہ اللہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی ''طرفۃ العین'' نہیں کیونکہ وہ ''اصل الجن'' ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے تھے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتادیے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ابن جریر کی روایت ہے۔

ایسی بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام ''عزازیل'' تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آدم کے نائب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں پر بھی برتری حاصل ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آدم کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو عزازیل بے حد حسد میں مبتلا ہو گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی فطرتاً ناری تھا اس لئے سرکش ہو گیا۔ لہٰذا اب وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدولی کی وجہ سے بے کار ہو گئی اور وہ طوق لعنت میں گرفتار ہو گیا جب اس نے یہ کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی اور اس سے قبل اسے فرشتوں پر مشابہت تھی بلکہ ان پر جو مرتبت حاصل تھی وہ آناً فاناً صلب کر لی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لئے اس کی فطرت میں سرکشی شامل تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو

حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں" فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الاابلیس استکبر و کان من الکافرین "اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا" واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھم لکم عدو بئس للظالمین بدلا "

ان آیات مقدسہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو سجدہ سے انکار کیا اور اسی طرح ارتکاب کفر کیا۔ نیز یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہونا تھا۔ (تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۷۸۔۷۹)

خلفاء کی تاریخی اولیات

علماء کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے باپ کی زندگی میں خلافت کا متولی ہوا وہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ ہیں۔ انہوں نے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور سب سے پہلے بیت المال قائم کیا اور قرآن شریف کو مصحف کا خطاب دیا۔

وہ شخص جو سب سے پہلے امیر المومنین کہلایا، اور درہ ایجاد کیا، سنہ ہجری جاری کیا، تراویح پڑھنے کا حکم دیا، دیوان خانہ تعمیر کرایا حضرت عمر فاروق ﷛ ہیں۔

جس نے سب سے پہلے چراہ گاہیں تعمیر کیں۔ جاگیریں خوب دیں۔ جمعہ میں پہلی اذان پڑھوائی، مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، خطبہ پر کپکپی کی وجہ سے قادر نہ ہو سکے، پولیس مقرر کی، وہ حضرت عثمان غنی ﷛ ہیں۔

جس نے سب سے پہلے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا اور اپنی خدمت کے لئے خواجہ سرار کھے وہ حضرت معاویہ ﷛ ہیں۔

جس کے دربار میں سب سے پہلے دشمن کا سر کٹ کر آیا وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

جس نے سب سے پہلے اپنا نام کا سکہ درج کرایا۔ عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ ہے۔

جس شخص نے سب سے پہلے اپنا نام لے کر پکارنے کو منع کیا۔ ولید بن عبدالملک رحمہ اللہ ہے۔

جنہوں نے سب سے پہلے القاب کا اختراع کیا۔ وہ خلفاء بنی عباس ہیں۔

ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ بنی عباس کی طرح بنوامیہ نے بھی القاب مقرر کر رکھے تھے۔ میں (امام سیوطی) کہتا ہوں کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لقب الناصر لدین اللہ اور یزید کا المستنصر اور معاویہ بن یزید کا الراجع اور مروان کا المؤتمن باللہ ہے۔ اسی طرح عبدالملک کا الموفق لامر اللہ۔ اس کے بیٹے ولید کا المنتقم باللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا المعصوم باللہ۔ یزید بن عبدالملک کا القادر بصنع اللہ اور یزید ناقص کا الشاکر لانعم اللہ تھا۔

جس نے سب سے پہلے نجومیوں کو بلایا اور ان کے کہنے پر عمل کیا اپنے غلاموں کو حاکم بنایا اور ان عرب والوں سے مقدم کیا وہ منصور ہے۔

جس نے سب سے پہلے غیر مذاہب کے رد میں کتابیں لکھوائیں وہ مہدی ہے۔

جو سب سے پہلے جلوس میں تلواریں اور نیزے وغیرہ لے کر سپاہیوں کے ساتھ چلا وہ ہادی ہے۔

جس نے سب سے پہلے گیند بلا یعنی چوگان کھیلا وہ مامون رشید ہے۔

جس خلیفہ کو سب سے پہلے لقب کے ساتھ پکارا گیا اور جو سب سے پہلے لقب کے ساتھ لکھا گیا وہ امین ہے۔

جس نے سب سے پہلے ترکوں کو دیوان میں جگہ دی وہ معتصم ہے۔

جس نے سب سے پہلے ذمی کافروں کا لباس خاص مقرر کیا وہ متوکل ہے۔

جس کو سب سے پہلے ترکوں نے جبراً شہید کیا متوکل ہے اور اسی واقعہ کی تصدیق اس حدیث سے ظاہر ہوئی جس کو طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ترکوں کو اس سے پہلے چھوڑ دو کہ وہ تم کو چھوڑ دیں کیونکہ سب سے پہلے وہی ہوں گے جو میری امت کی بادشاہی اور خدا ہی نعمتیں چھین لیں گے۔

جس نے سب سے پہلے چوڑی آستین اور چھوٹی ٹوپیاں استعمال کیں وہ مستعین ہے۔

جس نے سب سے پہلے گھوڑوں کو سونے کا زیور پہنایا وہ معتز ہے۔

جس پر سب سے پہلے جبر وقہر کیا گیا معتمد ہے۔ اسکے تمام تصرفات کو روک دیا گیا تھا اور پہرہ دار مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جو سب سے پہلے بچپن میں خلیفہ بنایا گیا وہ مقتدر ہے۔

سب سے آخری خلیفہ جو تدبیر لشکر اور اموال سے الگ کیا گیا راضی ہے۔ یہی آخری خلیفہ ہے جس کے شعر لکھے ہوئے موجود ہیں، اسی نے خطبہ پڑھا اور ہمیشہ لوگوں کو نماز پڑھاتا رہا، اور یہی وہ خلیفہ ہے جس نے اپنے ہم نشینوں اور ندیموں کو اپنے سامنے بیٹھایا، اور یہی وہ آخر خلیفہ ہے جس کا وظیفہ جاگیر، خدام، کنیزیں، خزانہ، مطبخ، کھانا، پینا، مجلس اور نگہبان پہلے خلفائے راشدین کی طرح تھا۔ یہی وہ آخر خلیفہ ہے جس نے خلفائے راشدین کی وضع میں سفر کیا۔

سب سے پہلے جس کے نام سے القاب مکرر ہوئے وہ مستنصر ہے جو مستعصم کے بعد خلیفہ ہوا۔ اوائل عسکری میں ہے کہ جو شخص سب سے پہلے اپنی والدہ مکرمہ کی حیات

میں خلیفہ ہوا وہ حضرت عثمان غنی ؓ ہیں۔ پھر ہادی، رشید، امین، متوکل، مستنصر، مستعین، معتز، معتضد، مطیع ہیں۔ کوئی خلیفہ بھی سوائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور الطائع کے اپنے والد کی زندگی میں تخت نشین نہیں ہوا۔

صولی کہتے ہیں کہ کوئی عورت سوائے والدہ ولید وسلیمان پسران عبدالملک کے اور شاہین والدہ یزید ناقص وابراہیم کے اور خیزران والدہ ہادی ورشید کے ایسی نہیں ہوئی جس کے بطن سے دو خلیفہ پیدا ہوئے ہوں مگر میں (امام سیوطی) کہتا ہوں کہ اسی میں والدہ عباس وحمزہ اور والدہ داؤد وسلیمان کو بھی شامل کرنا چاہئے۔ وہ داؤد وسلیمان جو متوکل اخیر کی اولاد سے تھے۔

۱۔ عبیدیوں میں خلافت سے ملقب چودہ اشخاص ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین آدمی مہدی، قائم اور منصور مغرب میں اور گیارہ آدمی یعنی معز، عزیز، حاکم، طاہر، مستنصر، مستعلی، الامر، حافظ، ظافر، فائز، عاضد، مصر میں۔ ابتداء سلطنت ان کی ۲۹۰ھ کے کچھ بعد ہوئی اور زوال سلطنت ۵۶۷ھ میں ہوگیا۔

۲۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ان کی سلطنت گویا مجوسیوں اور یہودیوں کی سلطنت تھی نہ علویوں کی اور باطنیہ چونکہ فاطمیہ نہ تھے اس لئے ان کی سلطنت کو بھی خلافت نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ مغرب میں بنوامیہ میں سے جنہوں نے خلافت کی وہ عبیدیوں سے شریعت وسنت، عدل وفضل، علم وجہاد وغیرہ میں بدرجہا بہتر تھے، یہ لوگ بکثرت ہوئے حتیٰ کہ ان میں سے چھ شخص ایک ہی وقت میں اندلس کے خلیفہ کے لقب سے مخاطب تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۱ تا ۲۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ۸ لاکھ ۶۰ ہزار افراد پر مشتمل تاریخی جنازہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بہت بڑے امام بنے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کو ایک کروڑ احادیث مبارکہ یاد تھیں۔ آپ سے متعلق ایک اہم واقعہ:

آپ کے جنازے میں شامل ہونے والے مردوں کا اندازہ لگایا گیا ہے، وہ آٹھ لاکھ تھے، اور عورتیں ساٹھ ہزار تھیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی وفات کے روز نصاریٰ، یہود اور مجوس میں سے بیس ہزار لوگ مسلمان ہوئے، اور ابو الفرج بن الجوزی نے اپنی کتاب جسے آپ نے بشر بن الحارث الحافی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے، چھیالیسویں باب میں بیان کیا ہے کہ ابراہیم الحربی نے بیان کیا ہے کہ میں نے بشر بن الحارث الحافی کو خواب میں دیکھا گویا وہ الرصافہ کی مسجد سے باہر نکل رہے ہیں اور آپ کی آستین میں کوئی چیز حرکت کر رہی ہے، میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھے بخش دیا اور میری عزت کی ہے، میں نے پوچھا یہ آپ کے آستین میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا گذشتہ شب احمد بن حنبل کی روح ہمارے پاس آئی تو اس پر موتی اور یاقوت نچھاور کیے گئے اور یہ وہ موتی اور یاقوت ہیں جو میں نے چنے ہیں، میں نے پوچھا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ان دونوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ انہوں نے رب العالمین کی زیارت کی ہے اور ان دونوں کے لئے دستر خوان لگائے گئے ہیں، میں نے پوچھا آپ نے ان دونوں کے ساتھ کیوں نہیں کھایا؟ آپ نے فرمایا اس نے معلوم کر لیا کہ کھانا مجھ پر ہیچ ہے، تو اس نے میرے لئے اپنے چہرے کی طرف دیکھنا مباح

کر دیا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۶۸)

حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر ﷺ کی تاریخی تقریر

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کی تو اس قافلہ میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، چنانچہ جب یہ خدائی کنبہ حبشہ پہنچا تو ....۔ کفار کو خبر ہوگئی...... کہ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور وہ ان کے ساتھ شرافت اور نیکی سے پیش آتا ہے اور ان کے مذہب میں رخنہ اندازی نہیں کرتا تو انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے تحائف دے کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید رضی اللہ عنہما کو وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

ان لوگوں نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے کہا'' اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان لوگ آپ کے ملک میں آ بسے ہیں۔ یہ لوگ خطرناک ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی اس نئے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے ملک میں پناہ نہ دیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں۔

نجاشی نے کہا۔ میں جب تک ان لوگوں کو بلا کر ان کا جواب نہ سن لوں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے وفد کے الزامات کا جواب دینے کے لئے کہا۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر ﷺ آگے بڑھے اور انہوں نے تقریر کی:

'' اے بادشاہ! ہم پہلے جہالت میں پھنسے ہوئے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ اور کمزوروں کو ستاتے تھے کہ

اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا۔
ہم اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کی شرافت، سچائی، ایمانداری اور پارسائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو، بتوں کی پوجا نہ کرو، سچ بولو، آپس میں میل ملاپ سے رہو، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ فساد نہ پھیلاؤ، بے حیائی اختیار نہ کرو، بدکلامی سے بچو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو، صدقہ دو اور حج کرو۔ اے بادشاہ! ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کی اس تعلیم کو قبول کر لیا اور ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس یہ ہمارا سارا قصور ہے۔
نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ تمہارے نبی پر خدا کا جو پیغام اترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے موقع کی مناسبت سے سورۂ مریم کا کچھ حصہ سنایا۔ قرآن کریم کی یہ سورت سن کر نجاشی نے کہا۔ ''یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کی دو روشنیاں ہیں۔ اور مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۴۱)

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تاریخی واقعہ

قریش مکہ عداوت نبوی میں دیوانے ہو رہے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ کوہ صفا پر یا اس کے دامن میں بیٹھے تھے کہ ابو جہل اس طرف آنکلا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اول تو بہت سخت وسست اور ناپسندیدہ الفاظ کہے۔ آپ ﷺ نے جب اس کی بیہودہ سرائی کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے ایک پتھر اٹھا کر مارا جس سے آپ ﷺ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا۔ آپ ﷺ خاموش اپنے گھر چلے آئے۔ ابو جہل صحن کعبہ میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے آ بیٹھا۔ حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ ان کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ ابھی تک شرک پر قائم مشرکوں کے شریک حال تھے۔ ان کی عادت تھی کہ تیر کمان لے کر صبح جنگل کی طرف نکل جاتے۔

دن بھر شکار مارتے اور شکار کی تلاش میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آ کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے پھر اپنے گھر جاتے۔ وہ حسب معمول جب شکار سے واپس آئے تو اول راستے میں ابوجہل کی لونڈی ملی۔ اس نے ابوجہل کا آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینا اور پتھر مارنا اور آپ ﷺ کا صبر وشکر کے ساتھ خاموش رہنا سب بیان کر دیا۔

حضرت حمزہ آنحضرت ﷺ کے چچا ہونے کے علاوہ رضائی بھائی بھی تھے۔ خون اور دودھ کے جوش نے ان کو ازخود رفتہ کر دیا، وہ اول خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں طواف سے فارغ ہو کر سیدھے اس مجمع کی طرف متوجہ ہوئے جہاں ابوجہل بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے پہلوان، جنگجو اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے جاتے ہی ابوجہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، پھر کہا کہ میں بھی محمد ﷺ کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو اب میرے سامنے بول۔ ابوجہل کے ساتھیوں کو غصہ آیا اور اس کی حمایت میں اٹھے مگر ابوجہل حضرت حمزہ کی بہادری سے اس قدر متاثر ومرعوب تھا کہ اس نے خود ہی اپنے حمایتیوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ واقعی مجھ ہی سے زیادتی ہوگئی تھی۔ اگر حمزہ مجھ سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لیتے تو بے حمیت شمار ہوتے۔ غالباً ابوجہل کو حضرت امیر حمزہ کا کلام سن کر یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں یہ اس طیش وغضب کی وجہ سے ضد میں آ کر مسلمان ہی نہ ہو جائیں اور اسی لئے اس نے ایسی بات حضرت حمزہ کو سنانے کے لئے کہی کہ بات یہیں ختم ہو کر رہ جائے اور حمزہ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کی مزاج پرسی کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ”بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔

ہاں آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھ کو بڑی خوشی حاصل ہو۔'' یہ سن کر حضرت حمزہ نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی آفت رسیدہ جمعیت کو بڑی قوت اور امداد حاصل ہوئی یہ نبوت کے چھٹے سال کا واقعہ ہے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ دارارقم میں تھے۔ قریش مکہ آنحضرت کی شان میں بہت ہی گستاخ اور بے باک ہوگئے تھے۔ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے نے انکو کسی قدر محتاط اور مؤدب بنا دیا اور لوگ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے میں کچھ تامل کرنے لگے۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۱ ص ۹۲)

نبوت ﷺ کا مدبرانہ تاریخی فیصلہ

سرکار نامدار ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پرانی ہوگئی تھی نئے سرے سے بنایا۔ عمارت تو خیر بن گئی، مگر جب حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخر اسے حاصل ہو۔ آخر کار طے ہوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔

دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے سرکار نامدار ﷺ تھے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر ایک قبیلہ کا ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مل جل کر اس کو اٹھائیں۔

حضور ﷺ کے اس فیصلہ سے سب خوش ہوگئے۔ سب نے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اسے مل جل کر اٹھایا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے چادر میں اٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا۔ (تاریخ ملت ج ۱ ص ۳۶۔۳۷)

دیوار پھٹی اور حور ظاہر ہوگئی انوکھا تاریخی واقعہ

ابو العباس احمد بن علی قسطلانی نے ذوالحجہ ۶۱۰ھ میں فرمایا کہ میں نے شیخ

ابو عبداللہ قرشی کو بیان کرتے سنا کہ میں شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن طریف کے پاس حاضر تھا کہ ایک آدمی نے آپ کے پاس آ کر آپ سے پوچھا، کیا آدمی کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے نفس سے ایسا معاہدہ کرے جو اس کے مطلوب کے حصول کے سوا اسے آزاد نہ کرتا ہو؟ شیخ نے کہا ہاں، اور اس نے حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو بنی نضیر کے واقعہ میں وارد ہے استدلال کیا اور وہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے بخشش کی طلب کرتا۔ لیکن جب اس نے یہ خود ہی کرلیا ہے تو اسے چھوڑ دو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسکے بارے میں فیصلہ کرے۔

آپ کا بیان ہے کہ میں نے یہ مسئلہ سنا تو میں نے اپنے نفس سے معاہدہ کیا کہ میں کسی چیز کو اس قدر و قیمت کے اظہار کے بغیر نہ لوں گا۔ پس میں تین دن ٹھہرا اور اس وقت میں دوکان میں اپنے پیشے کا کام کرتا تھا، اسی دوران کہ میں کرسی پر بیٹھا تھا کہ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اس کے ہاتھ میں برتن میں کوئی چیز تھی اس نے مجھے کہا، عشا تک صبر کرو تم اس سے کھاؤ گے، پھر وہ مجھ سے اوجھل ہوگیا، اسی اثناء میں مغرب و عشا کے درمیان اپنے گھر میں تھا کہ دیوار پھٹ گئی، اور میرے لئے ایک حور ظاہر ہوئی جس کے ہاتھ میں وہ برتن تھا، جو اس شخص کے ہاتھ میں تھا، اور اس میں شہد کی مانند کوئی چیز تھی، وہ میری طرف بڑھی اور اس نے اس سے مجھے تین بار چٹایا، تو میں بے ہوش ہوگیا۔ پھر مجھے ہوش آیا تو وہ چلی گئی، اس کے بعد مجھے کھانا اچھا نہیں لگا اور وہ صورت میرے دل میں گھر کر گئی، اور اس کے بعد میں نے کسی شخص کو اچھا نہیں سمجھا، اور نہ میں مخلوق کے کلام کے سننے کی قدرت رکھتا ہوں۔ (ابن خلکان ج ا ص ۱۹۱۔۱۹۲)

قسطنطیہ کی یادگار منانے کا دلچسپ تاریخی طریقہ

اتاترک ذہنیت نے اس بات کا خصوصی اہتمام کیا تھا کہ ترکی کو اس کے اسلامی

ماضی سے کاٹ کر رکھا جائے، چنانچہ اسلامی تاریخ کے کسی واقعے کو سرکاری سطح پر اہمیت دینا قابل تصور نہیں تھا۔ لیکن رفاہ پارٹی کے بلدیاتی نمائندوں نے اپنی بساط کی حد تک اسلامی تاریخ کی بہت سی یادگاروں کو زندہ کیا ہے۔ ابھی ۱۷ مئی (۱۹۹۵ء) کو انہوں نے استنبول میں پہلی بار سلطان محمد فاتح کی فتح قسطنطنیہ کی یادگار بڑے دلچسپ طریقے سے منائی، انہوں نے باسفورس کے مغربی ساحل کے اس مقام سے جو دولما باچا کہلاتا ہے، ستر کشتیوں کا ایک جلوس نکالا، جو محمد فاتح کی کشتیوں کی طرح خشکی پر چلائی گئیں، ان کشتیوں کو چلانے والے عثمانی فوج کی وردی میں ملبوس تھے، اور ان کی قیادت ایک ایسے صاحب کر رہے تھے جو شکل وصورت میں محمد فاتح کے مشابہ تھے، اور انہوں نے عثمانی خلیفہ جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ کشتیوں کا یہ جلوس دولما باچا سے شروع ہوا، اور وسط کے مصروف ترین علاقے تقسیم وغیرہ سے گزرتا ہوا قاسم پاشا کے اس مقام پر ختم ہوا جہاں سے سلطان محمد فاتح نے اپنی کشتیاں گولڈن ہارن کے پانی میں ڈالی تھیں۔ دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ عوام نے اس جلوس کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا، اور اس سے لوگوں میں ایک نیا ولولہ پیدا ہوا۔ (دنیا مرے آگے ص۔۱۴۰۔۱۴۱)

یونیورسٹی کی باپردہ طالبہ کی تاریخی جرأت

احیاء اسلام کی تحریک میں ملک کے ہر طبقۂ خیال کے لوگ، خاص طور پر نوجوان بڑے جذبے کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں، چنانچہ نوجوان طلبہ اور طالبات میں اسلامی شعائر کا اہتمام واضح طور پر ترقی کر رہا ہے، جہاں اتاترک نے (العیاذ باللہ) قرآن کریم کا نسخہ شیخ الاسلام پر دے مارا تھا، وہاں قرآن کریم کی تعلیم کے سینکڑوں ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ جہاں عربی اذان پر پابندی لگائی گئی تھی، وہاں پورا شہر نہ صرف اذانوں سے گونج رہا ہے۔ بلکہ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی ہیں، جہاں خواتین کے لئے پردہ جرم قرار دے دیا گیا تھا، وہاں نوجوان طالبات پردے کا اہتمام کر رہی ہیں۔

ترکی کے ایک شہر سیواس کی ایک میڈیکل یونیورسٹی میں اس سال پوزیشن جس طالبہ نے حاصل کی، وہ پردے کی پابند ہے، میرے ترکی پہنچنے سے چند روز پہلے اس یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا تھا یونیورسٹی کی روایت کے مطابق پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی طالبہ کو اجتماع سے خطاب کرنا چاہئے تھا لیکن یونیورسٹی کے سربراہ نے اس طالبہ کو پردے کی وجہ سے کنووکیشن میں مدعو نہیں کیا، اس کے باوجود وہ لڑکی پردے کی حالت میں ازخود اسٹیج تک پہنچ گئی، اور مطالبہ کیا کہ اسے روایت کے مطابق خطاب کا موقع دیا جائے، اس پر یونیورسٹی کے سربراہ نے غصے میں آکر اس کے سر سے وہ مخصوص سرپوش اتار دیا جو اس موقع پر پہنا جاتا ہے۔ اتفاق سے یہ منظر ٹی وی پر دکھایا جارہا تھا، اور اسے دیکھ کر پورے ترکی میں آگ لگ گئی، ہر طرف سے مطالبہ شروع ہوا کہ یونیورسٹی کے اس سربراہ کو معزول کیا جائے، چنانچہ اس واقعے کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ معزول ہو چکا تھا، اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ ازمیر میں بھی پیش آیا۔ (ایضاً)

فرنگیوں کے خلاف اہل وطن کے نام تاریخی خط

یہاں پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو ظاہر کرنا مقصد ہے تاکہ ہمارا ایمان بھی تازہ ہو جائے۔ چنانچہ بغاوت کے رہنماؤں نے پورے ملک میں دورے کئے، پوسٹر شائع کئے، سازشوں اور خفیہ تنظیموں کے جال بچھا دیئے چنانچہ مدراس میں جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک پوسٹر نکلا جس کے بارے میں خیال ہے کہ مولانا احمد اللہؒ نے شائع کیا۔

ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔۔

”برادران وطن اور مذہب کے خیر خواہو۔۔۔!

اٹھو۔۔اٹھو، متحد ہو کر اٹھو، فرنگیوں کو وطن سے نکالنے کے لئے اٹھو جنہوں نے انصاف کو روند ڈالا اور ہمارا ملک چھین لیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک ہی علاج

ہے کہ ہندوستان کو فرنگیوں کے ظلم وستم سے آزاد کیا جائے ان سے خون ریز جنگ کی جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ آزادی کے لئے جہاد ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ انصاف اور حق کے لئے جنگ ہے۔

(تاریخ جنگ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء ص ۵۱)

ہندوستان کے مدبر اعظم کی مسائل کائنات پر تاریخی گفتگو

ہندوستان کے اولین سات حکماء کی آراء میں تضاد ہونے کے باوجود پانی سے ابتداء کائنات کے سلسلے میں سب کے سب متفق ہیں۔قدیم حکمائے ہند کی رائے میں دنیا کی قدیم ترین سرزمین ہند ہے جہاں سے کوہ صحرا جنگلات اور جملہ حیوانات کی ابتدا ہوتی ہے۔کائناتی علوم پر تحقیق وکاوشیں قابل غور وفکر ضرور ہیں۔ان کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلی بار انہیں کی زمین پر اترے تھے۔ان کے خیال میں علمی قدامت کے لحاظ سے ارض ہند قدیم ترین ہے۔وہیں کی کانوں سے لوہا اور جوہرات نکلے ہیں۔

ہندوستان کی قدیم ترین نسل برہمن نسل ہے۔ہندوستان کا سب سے پہلا عظیم ترین بادشاہ اسی نسل سے ہوا ہے۔اسی کے زمانے میں کانوں سے لوہا نکالا گیا جس سے تلواریں، خنجر اور دوسرے آلات حرب تیار کیے گئے۔اسی کے زمانے میں منادر تعمیر کیے گئے جنہیں چمکتے دمکتے مشرقی جواہرات سے سجایا گیا۔ان منادر میں کواکب کے بارہ برجوں کے نقشے اور انسانی وحیوانی مجسمے تیار کر کے رکھے گئے اور دیواروں پر ان کے نقش ونگار ابھارے گئے۔اہل ہند کا مدبر اعظم شمس نامی ایک شخص تھا جس نے مسائل کائنات پر اپنی کتاب میں کچھ عام فہم اور کچھ خواص کے لئے علمی زبان میں بحث کی ہے۔حکمائے ہند نے اسی کے زمانے میں اجتماعی طور پر کتاب ''السند ہند'' اور اس کی شرح دہر الدھور لکھی ہے۔اسی زمانے میں مجسطی کی کتاب ''الارجہید الارکند'' اور کتاب

بطلیموس کی طرز پر دوسری کتابیں لکھی گئیں۔ انہیں دو کتابوں سے اہل ہند میں علم ہندسہ اور ریاضی کے ان نو قاعدوں کی ابتدا ہوئی جو ہندوستان سے مخصوص ہیں۔ ہندوستان کا پہلا شخص شمس ہی تھا جس نے آفتاب کی بلندی کی نشاندہی کی اور یہ بتایا کہ سورج اپنے ہر برج میں تین ہزار سال رہتا ہے اور پورے آسمان کی مسافت ۳۶ ہزار سال میں طے کرتا ہے۔ اسکے حساب کے مطابق ہمارے زمانے میں اس وقت یعنی ۳۳۲ ہجری میں سورج کا قیام برج ثور میں ہے۔ اس کا سفر آسمان میں جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کی طرف ہوتا ہے اس نے عناصر اور ان کے ضعف و توانائی پر بھی گفتگو کی ہے جس کے باقی عالمی ممالک سے قطع نظر اہل ہند پوری طرح قائل ہیں۔

(تاریخ المسعودی ج ۱ ص ۹۲۔۹۳)

سپہ سالار رستم کا ایک تاریخی جملہ

جب رستم سپہ سالار ایرانی مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھتا تو کہتا کہ عمر رضی اللہ عنہ کس بلا کا آدمی ہے عرب جیسے جاہلوں کو باادب کر رہا ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

فن حرب کے شائقین کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخی وصیتیں

جنگ صفین کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو وصیتیں اپنے اصحاب کو کیں وہ فن حرب کے شائقین کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ اور ان سے بہت سے نکتے علم جنگ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں آپ سے زیادہ فن حرب کا ماہر کون تھا۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ فوج کی صفیں اس طرح قائم کرو کہ گویا وہ مضبوط

دیواریں ہیں۔اورزرہ پوشوں کو آگے کرواور جن کے پاس زرہ نہ ہوں انہیں پیچھے رکھو۔ اور دانتوں کو بھینچ لو کہ سر پر تلوار پڑے گی۔تو فوراً چٹ جائے گی۔اوراپنے نیزوں کے اوپر جھک جاؤ۔اسلئے کہ نیزے محفوظ اور ٹوٹنے سے بچے رہیں گے اورلڑتے وقت آنکھیں بند کرلو کہ دل جگہ پر ثابت رہے گا اور گھبراہٹ پیدا نہ ہوگی۔اورشایان وقار بھی یہی ہے۔اوراپنے رائیت وعلم کو سیدھا بلند رکھواور جھکاؤ نہیں اور سوائے دلاوروں کے علم بھی اور کسی کے ہاتھ میں نہ دواورلڑتے وقت صدق وصبر سے مدد چاہو کیونکہ نصرت بمقدارصبر نازل ہوتی ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۳۹۲)

فتنۂ ارتداد جیسے واقعات سے تاریخی سبق

اس مضمون کے ماقبل والے صفحات میں فتنۂ ارتداد سے متعلق چند واقعات لکھے ہوئے ہیں ان کا خلاصہ اورلب لباب یہ ہے کہ.........رسول کریم ﷺ کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو آندھیاں چلیں وہ ایسی خوفناک تھیں کہ آفتاب اسلام کی روشنی کے چھپ جانے میں کسر نہ رہی تھی۔مگر حضرت ابو بکر ؓ کے عزم راسخ اوررائے ثاقب سے مطلع اسلام پھر بے غبار ہوگیا۔درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے بعداسلام کی حفاظت واشاعت میں حضرت ابوبکر ؓ کا ہی مسلمانوں پر سب سے بڑااحسان ہے۔

ان واقعات سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی شان نہیں کہ وہ مخالفت کی شدت اور دشمنوں کی کثرت سے گھبرائے۔مسلمان تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوسکتے۔ہاں ایمان کی کمزوری کے سبب مغلوب ہوسکتے ہیں۔

خلافت صدیقی کے اس ابتدائی دور میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے

اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ:

(ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

(پ۲۶ ع۵)

''اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے ڈگمگاتے قدموں کو جمادے گا۔'')

پورا فرمایا۔ کافروں اور مرتدوں کے سر اسلامی عظمت کے سامنے جھک گئے اور اسلام کا جھنڈا پوری آن بان کے ساتھ لہرانے لگا۔ (تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۴۰)

قاضی ایاس رحمہ اللہ کی فراست کے چند اہم تاریخی واقعات

قاضی ایاس رحمہ اللہ بن معاویہ فصیح و بلیغ تیز فہم اور اہل فصاحت وحلم کے سرخیل تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آپ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ۱۲۰ھ یا ۱۲۱ھ میں ۷۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے بہت سے واقعات ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا، اور آپ کے باپ دادا ایاس کو رسول کریم ﷺ کی صحبت حاصل تھی۔ اور ایاس کے والد معاویہ بن قرۃ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا بیٹا آپ کے لئے کیسا ہے؟ آپ نے کہا، کیا ہی اچھا بیٹا ہے جس نے مجھے میرے دنیاوی امور میں کفایت کی ہے اور مجھے میری آخرت کے لئے فارغ کر دیا ہے۔ اور ایاس ایک عاقل، فاضل اور زیرک آدمی تھے، اور آپ کی زیرکی کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک جگہ پر تھے کہ وہاں ایک واقعہ ہوا، جس نے

خوف پیدا کر دیا۔ وہاں تین عورتیں تھیں جنہیں آپ جانتے نہ تھے۔ آپ نے کہا، یہ حاملہ ہونی چاہئے۔ اور یہ مرضعہ اور یہ باکرہ، اس کی تحقیق کی گئی تو جیسے آپ نے سمجھا تھا ویسے ہی تھا، آپ سے دریافت کیا گیا آپ کو یہ بات کہاں سے حاصل ہوئی؟ آپ نے فرمایا، خوف کے وقت انسان اپنا ہاتھ اپنی سب سے پیاری چیز پر رکھتا ہے اور اس کے متعلق خوفزدہ ہوتا ہے۔ میں نے حاملہ کو دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ پس میں نے اس سے اس کے حمل پر استدلال کیا، اور میں نے مرضعہ کو اپنا ہاتھ اپنے پستانوں پر رکھے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ مرضعہ ہے، اور باکرہ نے اپنا ہاتھ اپنے فرج پر رکھا ہوا تھا مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ باکرہ ہے۔

(۲) ایاس بن معاویہ نے ایک یہودی کو کہتے سنا کہ مسلمان کس قدر احمق ہیں، ان کا خیال ہے کہ اہل جنت کھانا کھائیں گے اور پاخانہ نہیں کریں گے، ایاس نے اس سے پوچھا، کیا سب جو تو کھاتا ہے اسے پاخانہ کر دیتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسے غذا بنا دیتا ہے، آپ نے اسے کہا، تو اس بات سے کیوں انکار کرتا ہے کہ اہل جنت جو سب کھائیں گے، اللہ تعالیٰ اسے غذا بنا دے گا۔

(۳) ایک روز آپ نے زمین میں شگاف دیکھا تو فرمایا کہ اس شگاف میں جانور ہے۔ انہوں نے دیکھا تو اس میں جانور تھا۔ انہوں نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ زمین صرف جانور یا پودے سے پھٹتی ہے۔

جاحظ نے بیان کیا ہے کہ جب انسان ہموار زمین میں پھٹی ہوئی جگہ دیکھے تو اسے غور سے دیکھے، پس اگر وہ اسے گرنے سے پھٹا دیکھے، اور اس کا پھٹنا برابر ہو تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کھمبی ہے۔ اور اگر پھٹنے اور حرکت میں خلط ملط ہو تو اسے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ وہ جانور ہے۔

(۴) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اموی نے اپنے دور خلافت میں اپنے نائب عراق عدی

بن ارطاۃ کو لکھا کہ ایاس بن معاویہ اور قاسم بن ربیعہ کو اکٹھا کر، اور ان دونوں میں سے جو زیادہ جری اور تیز ہو، اسے بصرہ کا قاضی بنادے، اس نے دونوں کو اکٹھا کیا، تو ایاس نے اس سے کہا، اے امیر، میرے اور قاسم کے متعلق فقیہان مصر حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمھما اللہ سے دریافت کیجئے۔ قاسم ان دونوں کے پاس آتا تھا۔ اور ایاس ان کے پاس نہیں آتا تھا۔ قاسم کو معلوم ہوگیا کہ اگر اس نے ان دونوں سے پوچھا تو وہ دونوں اس کا تعارف کرائیں گے۔ اس نے امیر سے کہا، میرے اور اس کے بارے میں دریافت نہ کیجئے۔ اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بلاشبہ ایاس بن معاویہ مجھ سے بڑے فقیہہ اور فضاء کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ جھوٹے ہونے کی صورت میں آپ مجھے قاضی مقرر کریں۔ اور اگر میں سچا ہوں تو آپ کو میری بات قبول کر لینی چاہئے۔ اور ایاس نے اس سے کہا، تو نے ایک شخص کو لاکر جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا ہے۔ اور اس نے جھوٹی قسم سے اپنے آپ کو بچا لیا ہے۔ وہ اس کے بارے میں اللہ سے استغفار کرے گا، اور جس سے ڈرتا ہے اس سے بچ جائے گا۔

(ابن خلکان ج ا ص ۲۴۸۔۲۴۹)

۲۸ تا ۶۳ ہجری کا زمانہ تاریخ کی روشنی میں

ہندوستان میں سب سے پہلے جس مسلمان نے قدم رکھا اور اہل ہندوستان سے معرکہ آرائیاں کیں وہ مہلب بن ابی صفرہ تھا، اس اجمال کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ہجرت نبوی کے اٹھائیسویں (۲۸) سال امیر المومنین حضرت عثمان غنی ؓ کے عہد خلافت میں بصرے کے حاکم "عبداللہ بن عامر" نے فارس پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں کو جنہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کی وفات کے بعد بدعہدی کی

تھی، شکست دی اور واپس بصرہ آیا۔ ہجرت کے تیسویں (۳۰) سال امیر المومنین حضرت عثمان غنی ﷺ نے ولید بن عتبہ کو جو کوفے کا حاکم تھا۔ اس وجہ سے معزول کر دیا کہ اسے شراب خوری کی عادت تھی اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مقرر کر دیا۔ سعید اسی سال طبرستان کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت امام حسن و امام حسین ﷺ بھی اس کے ساتھ اس معرکے میں شریک ہوئے۔ استرآباد کے دارالسلطنت جرجان کو حضرات حسنین ﷺ کے قدموں کی برکت سے فتح کر لیا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے دولاکھ دینا رسالانہ دینا منظور کیے۔ اہل جرجان اسلام لے آئے اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

ہجرت نبوی کے اکتیسویں (۳۱) سال حضرت عثمان غنی ﷺ نے عبداللہ بن عامر کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ ایک لشکر جرار کو ہمراہ لے کر کرمان کے راستے سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر کے مقدمتہ الجیش حنیف بن قیس تھے۔ غازیان اسلام کا یہ لشکر جرار سیستان، قہستان، اور نیشاپور کو زیر کرتا ہوا اور اپنے محکوم کو اطاعت گزار بناتا ہوا طوس پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کی اور مسلمانوں کے لشکر نے سرخس، ہرات، بادغیس، غرجستان، مرو، طالقان اور بلخ کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ چونکہ عبداللہ بن عامر کو تھوڑے سے عرصے میں مکمل طور پر فتح حاصل ہوگئی۔ لہٰذا انہوں نے خراسان کا حاکم قیس بن ہاشم کو مقرر کیا۔ مرو، طالقان نیشاپور میں حنیف بن قیس کو اور ہرات، غور اور غرجستان میں خالد بن عبداللہ کو حاکم مقرر کیا اور خود حج کا احرام باندھ کر کعبے کی طرف روانہ ہو گئے ــــــــ ہجرت نبوی کے بتیسویں (۳۲) سال حضرت عثمان ﷺ کے حکم سے عبداللہ بن عامر بلخ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن متعدد مخالف اسباب کی بنا پر امیر لشکر اور بہت سے مسلمان لشکری اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اور بقیہ لشکر پر

یشان ہو کر بھاگا۔ یہ مسلمان سپاہی جرجان، اور جیلان میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔ اسی سال عبداللہ بن عامر حرمین شریفین کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ ایک ایرانی سردار جس کا نام قارون تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خراسان اس وقت بہادران اسلام سے خالی ہے تو اس نے طبس، ہرات، بادغیس، قہستان اور غور وغیرہ کے چالیس ہزار باشندوں کو جمع کیا اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن حازم نے جو حنیف بن قیس کیساتھ نیشا پور میں مقیم تھا۔ چالیس ہزار لشکریوں کی مدد سے اس فتنے کو دبایا اور اس کے صلے میں وہ خراسان کا حاکم بنا دیا گیا۔

۴۴ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ، خراسان، اور سیستان کا حاکم مقرر کیا اور اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے کابل کو فتح کیا اور اہل کابل کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ کابل کی فتح کے کچھ ہی عرصے بعد ایک نامور عرب امیر مہلب بن ابی صفرہ مرو کے راستے سے کابل وزابل آئے اور ہندوستان پہنچ کر انہوں نے جہاد کیا اور دس یا بارہ ہزار کنیز وغلام اسیر کئے، ان میں کچھ لوگ توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔

۵۳ھ میں زیاد بن ابیہ کی انگلی پر طاعون کی پھنسی نکلی اور اس سے اس نے وفات پائی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے عبداللہ کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ کچھ عرصے بعد عبداللہ نے ماوراء النہر کا عزم کیا اور اس ملک کے بہت سے شہروں کو فتح کر کے واپس آیا۔ اس فتح کے صلے میں اسے بصرے کی حکومت ملی۔ لیکن اس نے اسلم بن زراعہ کو اپنی طرف سے خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود کوفہ میں ہی مقیم رہا۔

۵۰ھ میں خراسان کی حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن عثمان غنیؓ کے سپرد کی۔

۶۳ھ میں یزید بن معاویہ نے مسلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم متعین

کیا۔ جن لوگوں کو یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا تھا انہیں میں ایک مہلب بن ابی صفر بھی تھا۔ مسلم نے اپنے چھوٹے بھائی یزید کو سیستان کی حکومت سپرد کی۔ جب یزید بن زیاد نے یہ سنا۔ کہ کابل کے بادشاہ نے سرکشی کر کے مسلمانوں کے حاکم عبداللہ بن زیاد کو قید کر لیا ہے تو اس نے ایک لشکر جرار جمع کر کے اہل کابل سے جنگ کی۔ ایک زبردست اور شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں یزید کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا۔

جب مسلم بن زیاد کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ بن حنیف جو "طلحة الطلحات" کے نام سے مشہور ہے۔ کابل روانہ کیا۔ کابل پہنچ کر طلحہ نے پانچ لاکھ درہم ادا کر کے ابو عبداللہ کو شاہ کابل کی قید سے آزاد کروایا۔ بعدازاں مسلم نے سیستان کی حکومت طلحہ کو سونپی اور غور و بادغیس کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے کابل روانہ کیا اور اہل کابل کو زبردستی اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا اور خالد بن عبداللہ کو جسے بعض لوگ حضرت خالد ﷺ کی اولاد سے اور بعض ابوجہل کی اولاد سے بتاتے ہیں، حاکم کابل مقرر کیا۔

جب خالد بن عبداللہ کابل کی حکمرانی سے معزول ہوا تو اس نے عراق و عرب کی طرف واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ نئے حاکم کے خوف سے کابل میں قیام کرنا بھی مشکل تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے بال بچوں اور متعلقین کو جو عربی النسل تھے، ساتھ لیا اور شاہ کابل کی رہنمائی میں کوہ سلیمان پر اپنا ڈیرہ جمایا۔ جو ملتان اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ خالد نے اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف افغانی کے ساتھ کر دی جو کہ مذہب اسلام اختیار کر چکا تھا۔ اس لڑکی کے بطن سے بہت سارے لڑکے پیدا ہوئے جن میں دو لودھی اور سور بہت مشہور اور ممتاز ہوئے۔ افغانیوں کے گروہ میں دو مشہور فرقے لودھی اور سوری انہیں دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ (تاریخ فرشتہ ج ا ص ۷۹ تا ۸۱)

کسریٰ کے دربار میں نعمانؓ اور مغیرہؓ کی تاریخی تقریریں

دربار خلافت سے فرمان آیا کہ لڑائی سے پہلے کسریٰ کے دربار میں چند معزز وفہیم مسلمانوں کو سفیر بنا کر بھیجو اور اسلامی قاعدہ کے مطابق پہلے شرائط صلح پیش کرو۔ سعدؓ نے چودہ سردار قبائل کو انتخاب کر کے مدائن میں شہنشاہ ایران کے دربار میں بھیجا۔ شہنشاہ ایران نے اسلامی سفارت کی آمد سن کر اپنا دربار بڑی شان سے سجایا۔ یہ سفیر یمنی چادریں کاندھوں پر ڈالے ہوئے، چمڑے کے موزے پاؤں میں پہنے ہوئے اور کوڑے ہاتھ میں لئے ہوئے اس بیباکانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے کہ درباری سہم گئے اور شہنشاہ ان کی جرات پر حیران رہ گیا۔

غرض ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ یزدگرد نے پوچھا،

''یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟''

نعمان بن مقرن جو رئیس وفد تھے آگے بڑھے اور حسب ذیل تقریر کی۔ آپ نے کہا:

''اے بادشاہ! کچھ عرصے پہلے ہم وحشی تھے، ہم جاہل تھے، لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا کہ ہماری ہدایت کیلئے ایک برگزیدہ رسول بھیجا۔ خدا کے اس مقدس رسول نے ہم کو راہ حق دکھائی۔ اس نے نیکی کی طرف بلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں تو دنیا اور آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی۔

ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو اس نے ہمیں حکم دیا کہ اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پاس میں آباد ہیں اور انہیں بتائیں کہ یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام خوبیوں کی بنیاد ہے اور یہ حق کو حق اور باطل

کو باطل کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

لہٰذا اے عمائد ایران ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے۔ ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔ وہی تمہاری رہنمائی ہوگی اور اس کے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہوگا۔ لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کر کے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا اور وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہوگا۔ اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی اور اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد تعجب کے ساتھ یہ تقریر سنتا رہا اور جب تقریر ختم ہوئی تو ارکان وفد کو خطاب کر کے کہا:

"اے قوم عرب! ساری دنیا میں تم سے زیادہ بد بخت اور بدحال کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ جب ہم ایک اونٹ ذبح کر کے تم فاقہ مستوں کی مہمانی کر دیا کرتے تھے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور وشر ٹھنڈا پڑ جاتا تھا اور جب تم کچھ ہاتھ پاؤں نکالتے تھے ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے وہ تمہیں ٹھیک کر دیتے تھے۔ دیکھو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کے اس خبط کو اپنے دماغ سے نکال دو۔ ہاں اگر ضروریات زندگی نے تمہیں اس اقدام پر مجبور کیا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیں گے۔ تمہارے لئے لباس کا بھی انتظام کر دیں گے اور کوئی ایسا بادشاہ تمہارے لئے مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم برتاؤ کرے گا۔"

یزدگرد کی تقریر کا جواب دینے کیلئے حضرت مغیرہ ؓ بن زرارہ آگے بڑھے۔ آپ نے فرمایا:

اے بادشاہ! بے شک ہم ایسے ہی بد بخت و بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان کیا بلکہ

اس سے بھی زیادہ۔ ہم مردار جانور کھاتے تھے، اون اور چمڑا ہمارا لباس تھا۔ اور زمین ہمارا بستر۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب ہم میں خدا کا وہ برگزیدہ رسول مبعوث ہوا جو نسب میں سب سے افضل تھا۔ شان وشوکت میں سب سے اعلیٰ تھا اور اخلاق حسنہ میں بے نظیر ، تو اس نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری دنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت وشوکت سے تھراتے ہیں۔

اے بادشاہ! اب زیادہ حیل وحجت فضول ہے۔ یا تو اس برگزیدہ رسول کی دعوت کو قبول کرو اور اس سعادت کبریٰ کے آگے سر جھکا دو ورنہ جزیہ ادا کرنا منظور کرو، اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر تلوار کے فیصلہ کا انتظار کرو۔''

بادشاہ مغیرہ کی اس تقریر سے بہت برہم ہوا اور جوش میں آ کر کہا:

''اگر سفراء کا قتل بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو تمہیں قتل کرا دیتا۔ خیر جاؤ۔ میں تمہارے مقابلے کے لئے رستم کو بھیجتا ہوں۔ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کے خندق میں دفن کردے گا۔ پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور سفراء سے پوچھا۔ تم میں سے زیادہ معزز کون ہے؟ عاصم بن عمرو نے کہا۔ میں۔ یزدگرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا اس کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصم اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعد بن ابی وقاص ﷜ کے پاس آئے۔ اور کہا: ''فتح مبارک ہو۔ دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی۔''

(تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۷۰۔۱۷۱)

فصیح وبلیغ ومقتول ابن القریہ کی تاریخی معلومات کا ذخیرہ

سلیمان بن ایوب بن زید المعروف ابن القریہ اعرابی امی ہونے کے باوجود عرب کے مشہور فصیح وبلیغ خطیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ قحط کی وجہ سے اپنا علاقہ چھوڑ

دیا تھا۔ زمانہ قحط میں عین التمر چلے گئے جہاں حجاج بن یوسف کا عامل مقرر تھا اس نے خاصی خاطر تواضع کی، بعد میں حجاج کے پاس بھیج دیا جہاں وہ مسلسل فخر میں بڑھتا رہا۔ حجاج نے عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا۔ پھر جب بجستان میں عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعت نے بغاوت کردی تو ابن القریہ کو ان کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا چنانچہ ابن القریہ بھی الاشعت کے ساتھ ہو گیا اور حجاج کو گالیاں دیں۔ پھر حجاج کے حکم پر الاشعت کے کچھ لوگ گرفتار ہوئے جن میں ابن القریہ بھی تھا۔ جب موصوف کو حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا گیا تو حجاج نے بیش بہا سوالات کئے۔ تمام سوالوں کے جواب دینے کے باوجود بھی قتل کر دیئے گئے۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے وہ سوال و جواب پیش خدمت ہیں از مؤلف۔

جب آپ کو حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا، میں جس کے متعلق آپ سے پوچھوں، اس کے متعلق مجھے بتانا، آپ نے کہا، جو چاہو پوچھو۔ اس نے کہا، مجھے اہل عراق کے متعلق بتایئے۔ آپ نے کہا وہ حق و باطل کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل حجاز، آپ نے کہا، وہ سب لوگوں سے زیادہ تیزی کے ساتھ فتنہ کی طرف جاتے ہیں اور اس میں سب سے عاجز ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل شام، آپ نے کہا، وہ اپنے خلفاء کے سب لوگوں سے زیادہ اطاعت گزار ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل مصر، آپ نے کہا، جو غالب آ جائے اس کے غلام ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل بحرین، آپ نے کہا، وہ قبطی ہیں جو عربوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس نے پوچھا اہل عمان، آپ نے کہا وہ عرب ہیں جو قبطیوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل موصل، آپ نے کہا، شجاع ترین سوار اور ہمسروں کو بہت قتل کرنے والے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل یمن، آپ نے کہا، سمع و اطاعت کرنے والے اور جماعت کے ساتھ رہنے والے ہیں۔ اس نے پوچھا، اہل یمامہ، آپ نے کہا، بدسلوکی کرنے والے

ہیں۔اور مختلف خواہشات والے ہیں۔اور جنگ کے وقت بہت مستقل مزاج ہیں۔اس نے پوچھا، اہل ایران، آپ نے کہا، بہت جنگجو، تیار شر والے، بڑے سبزہ زاروں والے اور معمولی مہمان نوازی کرنے والے ہیں۔اس نے پوچھا، مجھے عربوں کے متعلق بتاؤ، آپ نے کہا مجھ سے سوال کرو، اس نے پوچھا قریش، آپ نے کہا، عقل کے لحاظ سے بہت بڑے اور مرتبے کے لحاظ سے بہت معزز ہیں۔اس نے پوچھا بنو عامر بن صعصعہ، آپ نے کہا، وہ بڑے لمبے نیزوں والے یعنی شجاع ہیں، اور بڑی اچھی صبح والے ہیں یعنی صبح کو حملہ کرتے تھے، اس نے پوچھا، بنی سلیم، آپ نے کہا، وہ بڑی مجلس والے اور اچھے قید خانوں والے ہیں۔اس نے پوچھا، ثقیف، آپ نے کہا وہ اچھے نصیبے والے اور وفود والے ہیں۔اس نے پوچھا بنو زبید، آپ نے کہا، وہ بڑے جھنڈے باندھنے والے اور بڑے بدلہ لینے والے ہیں، اس نے پوچھا، قضاعہ، آپ نے کہا، وہ بڑے مراتب والے اور اچھے اصل والے اور دور تر آثار والے ہیں۔اس نے پوچھا، انصار، وہ جگہ پر بہت ثابت قدم رہنے والے، اور اچھے اسلام والے اور اچھی جنگوں والے ہیں۔اس نے پوچھا، تمیم، اس نے کہا، وہ بہت صابر، اور بہت تعداد والے ہیں۔اس نے پوچھا، بکر بن وائل۔آپ نے کہا، صفوں میں بہت ثابت قدم۔اور بہت تیز تلواروں والے ہیں۔اس نے پوچھا، عبدالقیس، آپ نے کہا، مقاصد کی طرف بہت سبقت کرنے والے۔اور جھنڈوں کے نیچے بہت مستقل مزاج ہیں۔اس نے پوچھا، بنو اسد، وہ تعداد والے اور صبر والے اور تنگ گزران والے ہیں۔اس نے پوچھا لخم، آپ نے کہا، بادشاہ ہیں اور ان میں حماقت پائی جاتی ہے۔اس نے پوچھا، جذام، آپ نے کہا وہ جنگ کو بھڑکاتے ہیں۔اس نے پوچھا، بنو الحرث، آپ نے کہا وہ قدیم کے نگران، اور حریم کے محافظ ہیں، اس نے پوچھا، عک، آپ نے کہا، خراب دلوں میں بے خواب شیر ہیں۔اس نے پوچھا، تغلب، آپ نے کہا، جنگ میں صحیح شمشیر زن ہیں، اور دشمنوں کے لئے

جنگ کو بھڑکاتے ہیں۔اس نے پوچھا، غسان، آپ نے کہا، حسب کے لحاظ سے عربوں میں بڑے شریف، اورنسب کے لحاظ سے ثابت ہیں۔اس نے پوچھا، جاہلیت میں کون سے عرب ظلم سے زیادہ محفوظ تھے؟ آپ نے کہا قریش، وہ بڑے مرتبے والے تھے، اس پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھی جاسکتی، اور چوٹی والے ہیں، جس پر چڑھا نہیں جاسکتا ہے۔اور وہ ایسے شہر میں ہیں جس کی قابل حفاظت چیزوں کو اللہ نے بچایا ہے اور اسکے پڑوسی کی حفاظت کی ہے۔اس نے پوچھا، مجھے جاہلیت کے عربوں کے فضائل سے آگاہ کرو، آپ نے کہا، عرب کہا کرتے تھے۔حمیر، ارباب حکومت ہیں اور کندہ، ملوک کا خلاصہ ہیں اور مذحج، نیزہ باز ہیں، اور ہمدان، گھوڑے کے عرق گیر ہیں۔اور ازد لوگوں کے شہر ہیں، اس نے پوچھا، مجھے زمینوں کے متعلق بتاؤ، آپ نے کہا، مجھ سے سوال کرو۔اس نے پوچھا، ہند، آپ نے کہا، اس کے سمندر موتی ہیں۔اور اسکے پہاڑ یاقوت ہیں۔اور اس کے درخت یاقوت ہیں۔اور اسکے پتے عطر ہیں، اور اس کے باشندے کبوتر کے ٹکروں کی طرح ذلیل ہیں۔اس نے پوچھا، خراسان، آپ نے کہا اس کا پانی جامد ہے۔اور اس کا دشمن، انکار کرنے والا ہے۔اس نے پوچھا، عمان، آپ نے کہا، اس کی گرمی شدید اور اس کا شکار تیار ہے۔اس نے پوچھا، بحرین، آپ نے کہا، دوشہروں کے درمیان، کوڑی ہے۔اس نے پوچھا، یمن، آپ نے کہا، وہ عربوں کی اصل، اور شریف گھرانوں اور حسب والا ہے۔اس نے پوچھا، مکہ، آپ نے کہا، اس کے جوان اکھڑ علماء ہیں اور اس کی عورتیں لباس والی برہنہ، اس نے پوچھا مدینہ، آپ نے کہا، اس میں علم راسخ ہوگیا ہے اور اس سے ظاہر ہوا ہے، اس نے پوچھا بصرہ، آپ نے کہا اس کی سردی اور گرمی سخت ہے اور پانی نمکین ہے اور اس کی جنگ صلح ہے، اس نے پوچھا کوفہ، آپ نے کہا، وہ سمندر کی گرمی سے اوپر ہے اور شام کی سردی سے نیچے ہے، اس کی رات خوشگوار ہے، اور اس کی بھلائی بکثرت ہے، اس نے پوچھا، واسط،

آپ نے کہا، خاوند کی ماں، اور بیٹے کی بیوی کے درمیان جنت ہے۔ اس نے پوچھا، اس کے بیٹے کی بیوی کون ہے؟ آپ نے کہا بصرہ اور کوفہ دونوں اس سے حسد کرتے ہیں اور حسد نے اسے ضرر نہیں دیا۔ اور دجلہ اور الزاب، اس کو افاضہ خیر کرنے کے مقابلے کرتے ہیں، اس نے پوچھا، شام، آپ نے کہا، بیٹھی ہوئی عورتوں کے درمیان دلہن ہے۔ اس نے کہا، اے ابن القریہ، تیری ماں، تجھے کھودے، کاش تو اہل عراق کی اتباع نہ کرتا۔ اور میں نے تجھے ان کی اتباع سے روکا تھا کہ تو ان کے نفاق سے حصہ لے گا، پھر اس نے تلوار منگائی اور جلاد کو پکڑنے کا اشارہ کیا۔

ابن القریہ نے کہا، اللہ امیر کا بھلا کرے، تین باتیں ہیں گویا وہ کھڑا قافلہ ہیں وہ میرے بعد مثال ہوں گی، اس نے کہا بیان کرو، آپ نے کہا، ہر گھوڑے کیلئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کیلئے اچٹنا ہے اور ہر حلیم کے لئے لغزش ہے، حجاج نے کہا، یہ مزاح کا وقت نہیں ہے۔ اے غلام! اسے زخم لگاؤ، تو اس نے اسے قتل کر دیا۔

اور بعض کا قول ہے کہ جب اس نے آپ کو قتل کا ارادہ کیا تو اس نے آپ سے کہا، عربوں کا خیال ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک آفت ہوتی ہے۔ آپ نے کہا، اللہ امیر کا بھلا کرے، عربوں نے درست کہا ہے۔ اس نے کہا، حلم کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، غضب، اس نے پوچھا، عقل کی آفت کیا ہے، آپ نے کہا، خود پسندی، اس نے پوچھا، علم کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، نسیان، اس نے پوچھا، سخاوت کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، مصیبت کے وقت احسان جتانا، اس نے پوچھا، شرفاء کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، کمینوں کی ہمسائیگی۔ اس نے پوچھا، شجاعت کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، بغاوت، اس نے پوچھا، عبادت کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا سستی سے عبادت میں کوتاہی کرنا۔ اس نے پوچھا، ذہن کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، حدیث النفس۔ اس نے پوچھا، حدیث کی آفت کیا ہے۔ آپ نے کہا، جھوٹ، اس نے پوچھا، مال کی

آفت کیا ہے۔آپ نے کہا، تدبیر، اس نے پوچھا، کامل مرد کی آفت کیا ہے؟ آپ نے کہا، ناداری ۔ اس نے پوچھا حجاج بن یوسف کی آفت کیا ہے ؟ آپ نے کہا ۔۔۔۔۔۔۔اللہ امیر کا بھلا کرے۔۔۔۔۔جس کا حسب نسب اچھا ہو اور شاخ بڑھی ہو، اس کے لئے کوئی آفت نہیں ہے۔ اس نے کہا، تو شقاق سے پُر ہے، اور نفاق کا اظہار کرتا ہے، اسے قتل کردو۔ اور جب اس نے اسے مقتول دیکھا تو پشیمان ہوا۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۱ص۲۵۳ تا ۲۵۵)

قادسیہ کی جنگ کا تاریخی واقعہ

یوم اغواث کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ابو محجن ثقفی ایک مشہور شاعر اور بہادر آدمی تھے۔ انہیں شراب نوشی کے جرم میں سعد بن وقاص ﷜ نے قید کردیا تھا۔ یہ قید خانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور جوش شجاعت سے بے تاب ہو رہے تھے۔ سعد کی بیوی زبراء ادھر سے گزریں تو کہنے لگے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بھی دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر کے اپنی حسرت نکال لوں۔ زندہ بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ زبراء نے انکار کیا تو پُر درد لہجہ میں یہ شعر پڑھنے لگے۔

كفىٰ حزنا ان تردى الخيل بالقنا

واترک مشدوداً علی وثاقیا

اذاقمت عنافی الحديد واغلقت

مصاريع من دونی تصم المناديا

''میرے لئے یہ غم کافی ہے کہ سوار نیزے چلائیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا چھوڑ دیا جاؤں۔ جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو زنجیر مجھے اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے۔''

زبراء کو ترس آیا اور پیروں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔

ابو محجن آزاد ہوتے ہی بجلی کی طرح میدان جنگ میں پہنچے اور اس شان سے حملہ آور ہوئے کہ جدھر نکل جاتے صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز تو ابو محجن کا سا ہے مگر وہ قید خانہ میں قید ہے۔

شام کو لڑائی جب ختم ہوئی اور ابو محجن نے واپس آ کر بیڑیاں پہن لیں تو سلمٰی نے سارا واقعہ سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت انہیں رہا کر دیا اور کہنے لگے۔ ''خدا کی قسم جو شخص یوں مسلمانوں پر نثار ہو میں اسے قید نہیں رکھ سکتا'' ابو محجن بولے۔ تو خدا کی قسم! میں بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

(تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۷۴)

متھرا کی فتح میں تاریخی مال غنیمت

۴۰۹ھ ہجری میں قنوج پر لشکر کشی، پھر قلعہ میرٹ کی فتح اور پھر قلع مہاون کی فتح کے بعد..... محمود غزنوی رحمہ اللہ نے متھرا کی طرف توجہ کی۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ اس علاقے میں متھرا نام کا ایک شہر آباد ہے۔ جو سری کرشن کی جنم بھومی ہے۔ چونکہ ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے اوتار ہیں۔ اس لئے متھرا کی دولت اور یہاں کی آبادی اپنی مثال آپ ہے اور اس شہر میں ایسی ایسی عجیب وغریب اشیاء موجود ہیں کہ جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ محمود نے جب متھرا پر حملہ کیا تو باوجود اس کے کہ یہ شہر راجہ دہلی کے زیر نگیں تھا۔ کوئی بھی محمود کے مقابلے میں نہ آیا۔ لہٰذا وہ بغیر کسی روک ٹوک کے متھرا پر قابض ہو گیا اور اس نے دل کھول کر اس شہر کو تاراج و برباد کیا۔ بہت سے بت خانوں کو جو شہر اور اس کے گرد و پیش آباد تھے، توڑا اور جلایا اور ان سے بے شمار زر و جواہر حاصل کیا۔ متھرا کی بلند عمارتوں اور مندروں کو دیکھ کر محمود بہت حیران ہوا۔ اس کی حیرت کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے فتح کے بعد غزنی کے (بعض) امیروں کو

لکھا تھا۔اس خط میں محمود نے متھرا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

''اس شہر میں ایک ہزار بلند ترین محل ہیں۔جن میں زیادہ تر سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور مندر تو اتنی تعداد میں ہیں کہ میں انہیں توڑتے توڑتے تھک گیا ہوں۔ لیکن ان کا شمار نہیں کر سکا۔اگر کوئی اس قسم کی عمارت بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ ایک لاکھ اشرفیاں صرف کرنے کے بعد، دوسو سال کے عرصے میں بہت ہی مشاق اور ماہر معماروں کے ہاتھوں اس کام کو انجام دیا جاسکے۔''

مؤرخین کا بیان ہے کہ بے شمار مال غنیمت کے علاوہ پانچ سونے کے بنے ہوئے بت بھی تھے۔جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ان کی قیمت پچاس (۵۰) ہزار زر سرخ تجویز کی گئی تھی۔ان بتوں میں سے ایک بت میں ارزقی یاقوت کا بھی ایک ٹکڑا جڑا ہوا تھا جس کا وزن چارسو مثقال تھا۔جب یہ ایک بت پاش پاش کیا گیا تو اٹھانوے ہزار تین سو (۹۸۳۰۰) مثقال سونا اس میں سے برآمد ہوا۔ان پانچ (۵) سونے کے بتوں کے علاوہ سو بت اور تھے،جن میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی اور جو سب کے سب چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ان بتوں کو توڑ کر چاندی حاصل کی گئی، وہ اتنی زیادہ تھی کہ ایک سو اونٹوں پر لادی گئی۔اس بت شکنی کے بعد سلطان محمود رحمہ اللہ نے متھرا کی مشہور عمارتوں کو نذر آتش کر دیا۔اور بیس (۲۰) روز قیام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوا۔

(تاریخ فرشتہ ج ۱ص ۱۲۰۔۱۲۱)

واہ! کیا شان ہے مسلمانوں کے سپوت محمود غزنوی رحمہ اللہ کی جس نے ہندوؤں کے چھکے چھڑا دیے۔اے کاش! پھر کوئی ایسا مرد قلندر پیدا ہو۔ (از مؤلف)

فتح سومنات کا دلچسپ تذکرہ قدرے تفصیل سے انوکھا تاریخی انداز

۴۱۵ھ میں محمود کو اس کے چند قابل اعتبار لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (موت کے بعد) انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ دریا کا اتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی عبادت ہے۔ جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ محمود کو یہ بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جنہیں محمود نے پاش پاش کیا۔ ایسے بت تھے۔ جن سے سومنات ناراض تھا۔ اسی لئے اس نے ان بتوں کی طرف داری نہیں کی۔ ورنہ اس میں اس قدر قوت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحے میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ سلطان محمود رحمہ اللہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ برہمنوں کے اعتقاد کے مطابق سومنات بادشاہ ہے اور باقی تمام بت اس کے دربان اور مصاحب ہیں۔ محمود نے جب یہ بے معنی افسانے سنے تو اس کے دل میں جہاد کا شوق پھر چٹکیاں لینے لگا اور اس نے سومنات کو فتح کرنے اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس مقصد کے پیش نظر محمود نے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور دیگر تیس ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ سے جہاد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ اور (۲۰) بیس شعبان ۴۱۵ھ کو سومنات کی طرف چل دیا۔

کچھ سومنات کے بارے میں

اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ اور یہ دریائے عمان کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے

نزدیک کعبے کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ شہر بندر دیو میں ہے اور اہل فرنگ کے قبضے میں ہے۔ بعض تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چند غیر مسلم ایک بہت بڑا بت، خانہ کعبہ سے ہندوستان میں لائے تھے۔ اس بت کا نام سومنات تھا۔ اسے اس جگہ نصب کیا گیا۔ لہذا اس مقام کا نام بھی اس بت کے نام پر سومنات رکھا گیا۔ لیکن برہمنوں کی ان کتابوں سے جو اسلام کے ظہور سے کئی ہزار سال پہلے تصنیف کی گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ روایت غلط ہے (ان کتابوں کے بیان کے مطابق) یہ بت سری کرشن کے زمانے سے تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے مطابق سری کرشن نے اس جگہ دنیا اور اہل دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔

محمود کے سفر کے حالات

رمضان المبارک ۴۱۵ھ کے وسط میں سلطان محمود مع اپنے لشکر کے ملتان پہنچا۔ یہاں سے آگے راستے میں ایک خشک اور بے آب و گیاہ جنگل پڑتا تھا۔ اسلئے سلطان محمود رحمہ اللہ نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند دنوں کا پانی اور غلہ رکھ لیں۔ اس کے علاوہ خود اس نے بھی بیس ہزار اونٹوں پر غلہ اور پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب اس خطرناک جنگل کا سفر تمام ہوگیا تو محمودی لشکر اجمیر کی سرحد پر جا پہنچا۔ اجمیر کا راجہ محمود کی آمد کی خبر سن کر روپوش ہوگیا تھا۔ اس لئے حسب معمول سلطانی لشکر نے جی کھول کر اس شہر کو تاراج کیا۔ لیکن اجمیر کے قلعے کو تسخیر کرنے کی کوشش میں وقت صرف نہ کیا گیا۔ کیونکہ محمود کا ارادہ سومنات کو فتح کرنے کا تھا۔ لہذا یہاں سے یہ لشکر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں سلطان محمود کو چند اور قلعے ملے۔ اگرچہ ان قلعوں میں بہادر سپاہی تھے اور سامان جنگ کی بھی فراوانی تھی۔ لیکن محمود کے سر پر خدا کی رحمت کچھ اس طرح سایہ

کیے ہوئے تھی کہ ان قلعوں میں بسنے والوں نے بجائے جنگ کرنے کے محمود کے خوف سے اپنے قلعے مع تمام مال واسباب کے محمود کے سپرد کردیئے۔ ان قلعوں سے فرصت حاصل کرنے کے بعد محمود نہر والہ میں جسے پٹن گجرات بھی کہا جاتا ہے، پہنچا۔ اس شہر کے تمام باشندے سلطان محمود کے خوف سے شہر خالی کر کے کہیں اور جاچکے تھے۔ لہذا محمود کے حکم پر اس شہر کا تمام غلہ اپنے ساتھ لادلیا گیا۔ اس کے بعد لشکر نے بڑی تیز رفتاری سے سفر طے کیا اور سومنات کے قریب جا پہنچا۔

سومنات میں ورود

جب مسلمانوں کا لشکر سومنات کے قریب دریا کے کنارے پر پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت ہی بلند ہے اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔ اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہوکر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے۔ اور چلا چلا کر مسلمانوں سے یہ کہہ رہے تھے۔ ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ کر لایا ہے تا کہ ایک ساتھ ہی تم سب کو تباہ و ہلاک کردے اور اس صورت سے تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے کہ جنہیں تم نے پاش پاش کیا ہے۔

معرکہ آرائی

مسلمانوں کے زبردست لشکر نے اپنے باہمت اور دلیر بادشاہ سلطان محمود رحمہ اللہ کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ کر معرکہ آرائی شروع کردی۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی یہ ہمت اور اولوالعزمی دیکھی تو وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے قلعے کی دیواروں سے نیچے قلعے کے اندر اتر گئے۔ اور مندر میں جا کر سومنات سے فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ مسلمان بہت سی سڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصے پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے تکبیر کا نعرہ مارا۔ اس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی۔ جب رات کے آثار نمایاں ہونے لگے اور چاروں طرف اندھیرا چھانے

لگا۔ تو اسلامی لشکر اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آ گیا۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو پھر مسلمانوں نے حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعے کے اس حصے سے پسپا کر دیا اور گزشتہ دن کی طرح سیڑھیاں لگا کر قلعے کے چاروں طرف سے اہل قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر اہل سومنات مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور سومنات کے بت سے بغل گیر ہو ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ ''مارو مارو'' کی آوازیں لگاتے ہوئے وہ اس قدر لڑے کہ ایک ایک کر کے تقریباً سبھی ہلاک ہو گئے۔

تیسرے روز ہندوؤں کے وہ لشکر جو قلعے کے آس پاس جمع تھے اہل قلعہ کی مدد کیلئے مسلمانوں کے سامنے مقابلہ پر آ گئے۔ محمود نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو قلعے کے محاصرے سے واپس بلایا اور اسے ساتھ لے کر اس بیرونی لشکر سے نبرد آزما ہوا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ عالم دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل لرز لرز اٹھے۔ ''پرم دیو'' اور ''وابشلیم'' کے لشکروں کے یکے بعد دیگرے آ جانے سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان جنگ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ محمود کو جب اس بات کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو کر ایک گوشے میں اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا۔ اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ اس نے خداوند تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اپنے لشکر میں واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے ہندوؤں پر ایک زبردست حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

اس معرکے میں تقریباً پانچ (۵) ہزار سومناتی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ لشکر اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی اپنی جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہو گئے تا کہ وہاں جا کر پناہ لیں۔ محمود نے

پہلے ہی ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا اور کشتیوں میں مسلمان لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بٹھا کر ان کشتیوں کو دریا میں چھوڑ رکھا تھا تا کہ وہ بھاگنے والوں کا راستہ روکیں۔ لہٰذا جس وقت ہندو کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی وقت مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کر کے ان کشتیوں کو غرق آب کر دیا۔

فتح سومنات کے بعد

جب ہندوؤں کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو گیا۔ تو سلطان محمود اپنے بیٹوں اور معززین سلطنت کو ساتھ لے کر قلعے میں داخل ہوا۔ اور قلعے کے ہر ہر حصے کو بغور دیکھنے لگا۔ عمارت کو دیکھنے کے بعد سلطان محمود ایک اندرونی راستے کے ذریعے بت خانہ میں جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ بت خانہ اپنے طول وعرض کے لحاظ سے اچھا خاصہ بڑا تھا۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت چھپن (۵۶) ستونوں پر قائم تھی۔ بت خانہ میں سومنات رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی پانچ (۵) گز تھی جس میں دو (۲) گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ اور تین (۳) گز اوپر نظر آتا تھا۔ یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جب محمود کی نظر اس پر پڑی تو اس کی اسلامی غیرت کے جوش نے شدت اختیار کی۔ لہٰذا اس نے گرز سے جو اس کے ہاتھ میں تھا ایک کاری ضرب لگائی اور اس بت کا منہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس بت میں سے پتھر کے دو ٹکڑے کاٹ کر علیحدہ کئے جائیں اور غزنی بھجوا دیئے جائیں۔ ان میں ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوان سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔ (اس حکم کی تعمیل کی گئی) چنانچہ اس وقت سے لے کر اب تک چھ سو (۶۰۰) سال کا زمانہ گزر جانے کے باوجود یہ ٹکڑے وہیں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سومنات کے بت سے دو اور ٹکڑے علیحدہ کیے گئے۔ جو مکہ اور مدینہ بھیجے گئے تا کہ انہیں عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر سلطان محمود رحمہ اللہ کی

ہمت وجرأت کی داد دیں۔

تاریخ میں یہ واقعہ پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس وقت سلطان محمود نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہمنوں کے طبقے نے معززین سلطنت کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا۔ معززین سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچاتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ اس درخواست کو قبول کر لینے میں ہمارا فائدہ ہے۔ بت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہوگا لیکن اگر ہم اس بت کو نہ توڑنے کے معاوضے میں کوئی معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا فائدہ ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں محمود نے ان سے کہا۔ تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے۔ لیکن اگر تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے ''محمود بت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی۔ اور اگر میں اس بت کو پاش پاس کردوں گا تو مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے محمود بت شکن پکارا جائے۔ نہ کہ محمود بت فروش۔ محمود کی نیک نیتی اسی وقت رنگ لائی۔ جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے ان گنت اور بیش قیمت جواہر اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ قیمت سے سو (۱۰۰) گنا زیادہ تھی۔

کچھ سومنات کے مندر کے بارے میں

(سومنات کا مندر ہندوؤں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا۔) جب کبھی سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار آدمی جمع ہوتے جن میں بیشتر دور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے کے لئے آتے تھے۔

ہندوستان کے راجہ اس مندر کے اخراجات کے لئے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وغیرہ وقف کردیا کرتے تھے۔ جس وقت سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا تھا اس وقت تقریباً دو ہزار قصبوں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لئے وقف تھی۔ اس مندر میں ہر وقت دو ہزار برہمن پوجا پاٹ کے لئے موجود رہتے تھے۔ یہ پجاری روزانہ رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سومنات اور گنگا کا درمیانی فاصلہ چھ سو (۶۰۰) کوس کا ہے۔ ان پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر باندھ رکھی تھی جسکا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پوجا پاٹ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا اور گھنٹیاں بجنے لگتیں اور ان گھنٹیوں کی آواز سے پجاری عین وقت مقررہ پر پوجا کے لئے مندر میں حاضر ہو جاتے۔ یہاں پانچ سو (۵۰۰) گانے بجانے والی عورتیں اور تین سو مرد سازندے ملازم تھے، جن کے اخراجات وقف شدہ دیہاتوں اور قصبوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ پجاریوں کے سر اور ڈاڑھیاں مونڈھنے کے لئے تین سو حجام ہر وقت یہاں موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے بیشتر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لئے مندر بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر میں مختلف فرائض سرانجام دیتی تھیں۔

اس مندر سے سلطان محمود رحمہ اللہ کو جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگا۔ وہ اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہوگا۔ تاریخ "زین المائر" میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت "سومنات" رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجہ کے جواہرات کی شعاعیں تھیں۔ یہ جواہرات مندر میں قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ اسی تاریخ (زین الماثر) میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سومنات

کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی بڑی تعداد میں برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ حکیم سنائی ارشاد فرماتے ہیں۔

کعبہ وسومنات چوں افلاک   شدز محمودو از محمد ﷺ پاک

ایں زکعبہ بتاں بروں انداخت   آں زکیں سومنات راپرداخت

(تاریخ فرشتہ ج اص ۱۲۹ تا ۱۳۵)

حضور اکرم ﷺ کا استقلال اور ابو طالب کا تاریخی جواب

اولاً حضور ﷺ نے دعوت اسلام کا مخفی آغاز کیا بعدازاں کوہ صفا پر چڑھ کر علی الاعلان اسلام کی دعوت پیش کی جو اہل کفر کے لئے بارگراں تھی۔

جب اسلام لانے والوں کی تعداد تقریباً ۴۰ تک پہنچ گئی تو کفار میں کھلبلی مچ گئی اور آپ کی مخالفت شروع کردی اور آپ کو دعوت اسلام سے روکنے کی یوں کوشش کی (از مؤلف)۔

جب سارا قریش اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگیا، تاہم شروع میں انہوں نے سختی کے بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت ﷺ کو باز رکھنے کی کوشش کی، جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس گیا، انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کردیا لیکن آنحضرت ﷺ اپنے فریضہ سے دستکش نہیں ہوسکتے تھے، قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس پہنچے اوران سے کہا ''تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ، ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کرلیں، یہ صورت حال دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر سمجھایا کہ ''بیٹا! چچا پر نا قابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے، آپ ﷺ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابو

طالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ''چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا، تا آنکہ میں کامیاب ہوں، یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے۔'' ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا'' جاؤ جو دل میں آئے کرو میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ا ص ۳۴)

ایمان تازہ کردینے والے تاریخی جملے

۱۸۵۷ء میں شولا پور کے راجہ وینکٹا پا نائک کو بغاوت کے جرم میں حیدر آباد سے گرفتار کیا گیا۔ ایک انگریز میڈوز ٹیلر نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب اس نے راجہ سے سازش کی تفصیل اور باغی سرداروں کے نام پوچھنا چاہا اور اس شرط پر جاں بخشی کا یقین دلایا تو راجہ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ'' میں دوسروں کی بھیک پر بزدلوں کی طرح جینا نہیں چاہتا۔'' لیکن ٹیلر ایک بار پھر اس کے پاس گیا اور اور اسے بہلا پھسلا کر پوچھنا چاہا تو راجہ کا جواب سنئے۔

''کیا۔۔۔؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب میں موت کے منہ میں جانے کو تیار ہوں، دغا کر کے اپنے ملک والوں کے نام ظاہر کر دوں؟ ۔۔۔۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔۔ پھانسی کے پھندے توپوں کے دہانے یا کالا پانی کوئی چیز بھی اس قدر ہولناک نہیں جتنی کہ غداری اور دغا بازی۔۔۔۔۔۔۔۔ میں چور ڈاکو نہیں ہوں اس لئے یہ درخواست کرتا ہے کہ مجھے پھانسی نہ دو بلکہ توپ سے اڑا دو پھر تم دیکھنا کہ میں کس قدر استقلال اور خاموشی سے توپ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔''

مولانا پیر علی کو جب پھانسی دی جانے لگی تو وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھے۔ صرف اس وقت آنکھیں ڈبڈبائیں جب انہوں نے اپنے عزیز بیٹے کا نام لیا۔ فوراً ہی ایک

انگریز افسر نے ان کے جذبات کا فائدہ اٹھا کر کہا کہ ''پیر علی تم اب بھی بچ سکتے ہو اگر سازش کے دوسرے لوگوں کا نام بتادو۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔پیر علی نے خاموشی سے انگریز افسر کی طرف منہ پھرا، ہمت اور شرافت سے بھرپور لہجے میں کہا۔۔۔۔۔۔

''زندگی میں ایسے موقعے بھی آتے ہیں جب جان بچانے کی تمنا ہوتی ہے۔لیکن کچھ ایسے لمحے بھی ہوتے ہیں جن میں جان کی قربانی کرنا ہی سب سے بڑی نیکی اور خواہش ہوتی ہے۔ یہ لمحہ انہی میں سے ایک ہے جب موت کو گلے لگانا ابدی زندگی پاتا ہے۔۔۔۔۔۔تم مجھے پھانسی دے سکتے ہو لیکن ہمارے اصولوں کو نہیں مار سکتے۔ میں اگر مر بھی گیا تو میرے خون سے ہزاروں ایسے پیدا ہوں گے جو تمہاری حکومت کو برباد کردیں گے۔''

بدایوں کے مولوی رضی اللہ پر بغاوت میں حصہ لینے پر مقدمہ چلایا گیا۔حسن اتفاق سے جج آپ کا شاگرد رہ چکا تھا اور چاہتا تھا کہ جرم سے انکار کردیں مگر جب بے باکی سے ہر بار ''جرم'' کا اقبال کیا تو سزائے موت کا حکم سنانا پڑا۔ جب سزا کیلئے پیش ہوئے تو اسے کہنا ہی پڑا کہ اگر اب بھی جرم کا انکار کردیں تو جان بچادوں۔

مولوی رضی اللہ نے غضبناک ہو کر کہا۔۔۔۔۔۔

''کیا تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور عاقبت خراب کرلوں۔''

(تاریخ جنگ آزادئ ہند ۱۸۵۷ء ص ۵۹ تا ۶۱)

بادشاہ کی داستان ظلم اور ظلم سے اخراج کی تاریخی حکایت

مسعودی نے فارس کے حالات لکھتے ہوئے مؤید و بہرام کا قصہ لکھا ہے اور ظلم وغفلت کی برائی خوبی کے ساتھ بوم کی زبانی بیان کی ہے۔وہ لکھتا ہے کہ بہرام نے الو کی آواز سنی، مؤید سے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے۔اس نے جواب دیا کہ ایک نر بوم مادہ بوم سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مادہ بوم اپنے مہر میں بیس ویران گاؤں بہرام کی سلطنت سے

مانگتی ہے۔ نر نے اس شرط کو قبول کرلیا اور کہا کہ اگر اسی بادشاہ کی سلطنت رہی تو میں تجھ کو ہزار گاؤں دے دوں گا اور زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات کچھ مشکل نہیں ہے بہرام نے جب یہ بات سنی، غفلت سے چونک پڑا۔ مؤید کو خلوت میں بلایا اور پوچھا کہ تم نے وہ کیا بات کہی تھی اس نے عرض کیا کہ اے بادشاہ! بادشا کی عزت شریعت اور اسکے امر ونہی کے ماننے میں ہے۔ اور شریعت کا قیام ملک سے وابستہ ہے اور ملک کی عزت مردان کار کے ساتھ ہے۔ اور مردان کار ملتے ہیں مال سے اور مال حاصل ہوتا ہے عمارت وآبادی سے۔ اور آبادی ہے عدل کے ساتھ اور عدل ترازو ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں نصب کیا۔ اور اس کی دیکھ بھال بادشاہ کو دی ہے اور اے بادشاہ! تو نے زمین، زمین کے مالکوں اور ان کے آباد کرنے والوں سے چھین لی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ خراج دیتے تھے۔ اور تجھ کو ان سے مال حاصل ہوتا ہے۔ اور پھر وہ زمین تو نے اپنے حاشیہ نشینوں اور خادموں اور بیکار لوگوں کو دے دی ہے۔ جن کو نہ اس آبادی کی فکر ہے۔ نہ اس کے انجام پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور نہ زمین کی اصلاح ودرستی کی فکر کرتے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ ہر وقت تیرے پاس رہتے ہیں۔ ان سے خراج لینے میں بھی درگزر کیا جاتا ہے۔ اور ظلم ان لوگوں پر جو خراج ادا کرنے والے اور زمین کو آباد رکھنے والے ہیں۔ ناچار انہوں نے اپنی زمینیں چھوڑ دیں، ان کی آبادیاں خالی ہوگئیں۔ ویرانوں میں جا پڑے اور وہیں رہنے لگے تاکہ تیرے ظلم سے بچیں، ان باتوں سے ملک کی آبادی کم ہوگئی۔ زمینیں خراب پڑی ہیں، خراج کم ہوگیا ہے۔ لشکر اور رعیت تباہ حال ہے۔ آس پاس کے بادشاہ تیرے ملک پر دندان تیز کئے بیٹھے ہیں۔ اسلئے کہ تیرے پاس وہ مواد نہیں، جس سے تو حکمرانی کرسکے۔ جب بادشاہ نے یہ سنا انتظام پر کمر باندھی اور اپنے خواص اور جانشینوں سے زمینیں چھین لیں اور اصل مالکوں کو واپس کردیں۔ از سر نو کہنہ رسموں کو تازہ کیا اور آبادی بڑھنے لگی اور جو لوگ ان میں ضعیف ہوگئے۔ وہ قوی

حال ہوئے پس زمینیں معمور اور آباد ہوگئیں۔ ملک کی پیداوار بڑھی، دیوان خراج کے پاس مال آنے لگا اور لشکر درست ہوا۔ دشمنوں کی امیدیں منقطع ہوئیں۔ ملک کے اطراف وثغور فوجوں سے معمور ہوئے۔ اور بادشاہ بہ نفس نفیس مہمات میں مشغول ہوا۔ پس اس سلطنت کا زمانہ خوبی سے یاد کرنے کے قابل ہوا۔ اور ملک میں کافی بندوبست ہوگیا۔ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے ظلم آبادی کو خراب کردیتا ہے۔ اور آبادی کی خرابی کا نقصان اور وبال سلطنت پر آتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۰۸)

آنحضرت ﷺ کا تاریخی خطبہ

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے سواری پر سات بار طواف کیا۔ تمام بتوں کو باہر پھینکا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

اللہ ایک ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور سارے گروہوں کو شکست دی۔ کسی شخص کو جو اللہ اور رسول پر ایمان لایا ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خونریزی کرے۔ کسی سرسبز درخت کا کاٹنا بھی اس میں جائز نہیں ہے۔ میں نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسموں کو پاؤں میں مسل دیا ہے۔ مگر مجاورت کعبہ اور حاجیوں کو آب زم زم پلانے کا انتظام باقی رکھا جائے گا۔ اے گروہ قریش! تم کو اللہ نے جاہلیت کے تکبر اور آباء پر فخر کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ کل آدمی آدم علیہ السلام سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"

"اے گروہ قریش تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟"

اس سوالیہ فقرے کو سن کر قریش یعنی اہل مکہ نے کہا کہ ہم "آپ ﷺ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ ہمارے بزرگ بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے

ہیں۔'' آپ ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ:

''اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

" لا تثریب علیکم الیوم اذھبو افانتم الطلقاء "

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔'' (تاریخ اسلام ج ا ص ۱۸۱)

حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رحمہ اللہ کا دلچسپ تاریخی قصہ

"مـــاثـــر الامـــراء" کے مصنف میر شاہ نواز خاں اورنگ آبادی، حاجی جمال الدین صاحب کے ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم ذکریا ملتانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک سائل نے آکر سوال کیا کہ خدا کے نام پر، ہر پیغمبر کے نام کے عوض ایک ایک سنہری اشرفی عنایت فرمایئے۔ حضرت مخدوم ذکریا رحمہ اللہ اس عجیب وغریب سوال پر شش وپنج میں پڑ گئے کہ اس سائل کی حاجت روائی کیونکر ممکن ہے۔ کیونکہ پیغمبروں کی تعداد تو لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ جب حاجی جمال الدین کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے حضرت مخدومؒ صاحب سے عرض کیا کہ میں اس فقیر کا سوال پورا کر دیتا ہوں۔ حضرت مخدومؒ اس فقیر کو گھر بلا کے لے آئے اور فرمایا کہ ہر پیغمبر کا نام لیتے جاؤ اور ایک ایک اشرفی اٹھاتے جاؤ وہ فقیر صرف دس پندرہ پیغمبروں کا نام ہی لے کر خاموش ہو گیا اور اپنے عجز کا اعتراف کر کے رخصت ہوا۔

(تاریخ کمبوہاں ص ۱۳۵۔۱۳۶)

خلیفہ مسترشد باللہ کی بہادری کے چند تاریخی اشعار

ابن اثیر کا بیان ہے۔

وہ ''بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ خط اس کا بڑا پاکیزہ، فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان

آور خطیب تھا۔ شعروشاعری میں ستھرا مذاق رکھتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا۔ کہتا ہے:

اناالاشقر المد عونی الملاحم ومن یملک الدنیا بغیر مزاحم

ستبلغ ارض الروم خیلی وینقنی با قصی بلاد الصین بیض صوار فی

ترجمہ:

''میں ایسا گھوڑا ہوں کہ جنگوں میں بلایا جاتا ہوں اور جو دنیا کو بغیر مزاحمت قبضہ میں لے آتا ہے۔ میرا لشکر بہت جلد روم پر قابض ہو جائے گا۔ قریب ہے کہ میری تلوار کی چمک اہل چین دیکھیں۔''

قید کی حالت میں یہ اشعار زبان ورد تھے۔

ولا عجبا للابسلان ظفرت بها

کلاب الا عادی من فصیح واعجم

فحر بته وحشی سقت حمزه الردی

وموت علی من حسام ابن ملجم

ترجمہ:

''اگر شیر پر گویا گونگے کتے نے فتح پائی تو کچھ عجب نہیں ہے وحشی کے ہتھیار نے حمزہ کو شربت شہادت چکھایا اور ابن ملجم نے علی کو۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص ۴۱۴)

انوکھے ظلم کا تاریخی ورق

العادل بن السلار متوفی ،مقتول ۵۴۸ ھ پہلے عام سپاہی تھا بعد میں اسکندریہ کا والی بن گیا۔ شافعی المذہب سنی تھا۔ دانا، دلیر اور ارباب فضل وصلاح کی طرف مائل تھا۔ البتہ اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ ظالمانہ سیرت اور تباہ کن سطوت کا حامل بھی تھا، ذرا سی بات پر مواخذہ کرتا تھا۔ ایسا ہی انوکھے ظلم کا ایک واقعہ یوں ہے (از مؤلف)۔

ایک دن الموفق ابوالکرم ابن معصوم التیسی کے پاس آیا، وہ افسر دیوان تھا۔ اور اس نے ان کے پاس اپنے مال کی شکایت کی کہ غربیہ کی حکومت کے لوازم میں کوتاہی کے باعث اسے تاوان لازم ہوگیا ہے۔ اور جب اس نے اس سے لمبی گفتگو کی، تو ابو الکرم نے کہا، خدا کی قسم، تیری گفتگو میرے کانوں میں داخل نہیں ہوتی۔ تو اس بات سے اس نے اس سے کینہ رکھا۔ اور جب یہ ترقی کر کے وزیر بنا تو اس نے اسے طلب کیا تو وہ اس سے ڈر کر مدت تک روپوش رہا تو اس نے اس کے متعلق شہر میں اعلان کرا دیا، اور اسے چھپانے والے کے خون کو مباح کر دیا۔

پس جس شخص نے اسے اپنے ہاں چھپایا تھا، اس نے اسے باہر نکال دیا، تو وہ ایک عورت کے لباس میں چادر اور موزے کے ساتھ نکلا، تو اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے عادل کے پاس لے جایا گیا۔ تو اس نے ایک لکڑی کی تختی اور لمبی میخ لانے کا حکم دیا۔ اور اس کے حکم سے اسے پہلو کے بل لٹا دیا گیا، اور تختی اس کے کان کے نیچے رکھ دی گئی۔ پھر اس نے اس کے دوسرے کان میں میخ کو ضرب لگائی، اور جب بھی وہ چیختا تو وہ اسے کہتا، ابھی میری گفتگو تیرے کان میں داخل ہوئی ہے یا نہیں۔ اور وہ مسلسل ایسے ہی کرتا رہا حتی کہ میخ اس کان میں داخل ہوگئی جو تختی پر تھا۔ پھر میخ کو تختی پر موڑ دیا گیا۔

(ابن خلکان ج ۳ ص ۳۳۵)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اہل زمانہ پر تاریخی تبصرہ

هيهات هيهات اهلك الناس الاماني قول بلاعمل، ومعرفة بغير صبر و ايمان بلايقين، مالي ارى رجالاً ولا ارىٰ عقولاً واسمع حسيسا ولا ارىٰ انيسا ء دخل القوم والله ثم خرجوا، وعرفوا ثم انكر و او حرموا ثم استحلوا، انما دين احد كم لعقة على لسانه اذاسئل

أمؤمن انت بيوم الحساب؟ قال نعم! كذب ومالك يوم الدين ، ان من اخلا ق المؤ منين قو ة فى دين و ايمانا ً فى يقين وعلماً فى حلم وحلما بعلم و كيسا ً فى رفق وتحملا ً فى فاقة وقصد ً ا فى غنى وشفقة فى نفقة ورحمة لمجهو د ، وعطاء فى الحقوق ، وانصافاً فى استقامة لا يحيف على من يبغض ولا يا ثم فى مساعد ة من يحب ولا يمز و لا يغمز ولا يلغو ولا يلهو ولا يلعب ولا يمشي بالنميمة ولا يتبع ماليس له ولا يجحد الحق الذى عليه ولا تجا وزفى العذرو لا يشمت بالفجيعة ان حلت بغير ه ولا يسر بالمعصيه اذانزلت بسواه المؤ من فى الصلوة خاشع والى الر كوع مسار ع قولا شفاء وصبره تقى وسكونة فكرة ونظرنه عبرة يخالط العلماء ليعلم ويسكت بينهم ليسلم ويتكلم ليغنم ان احسن استبشروان اساء استغفر وان عتب استعتب وان سفه عليه حلم، وان ظلم صبر وان جير عليه عدل ولا يتعوذ بغيرالله ولايستعين الا با الله وقور فى الملاء شكور فى الخلا ء قانع بالرزق حامد على الرخاء صابر على البلاء ان جلس مع الغافلين كتب من الذاكرين و ان جلس مع الذاكرين كتب من المستغفر ين ، هكذا كان اصحاب البنى ﷺ الا ول فالاول حتى عقو با الله عزوجل وهكذا كان المسلمون من سلفكم الصالح وانماغيربكم لماغيرتم ان الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابأنفسهم واذا ارادالله بقوم سو ء فلا مردله ومالهم من دونه من وال .

ہائے افسوس! لوگوں کی امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا۔ زبانی باتیں ہیں عمل کا نام نشان نہیں ، علم ہے مگر (اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے) صبر نہیں

،ایمان ہے مگر یقین سے خالی، آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نایاب، آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندۂ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے، لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے۔ انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر مکر گئے انہوں نے پہلے حرام کیا، پھر اسی کو حلال کرلیا، تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ! اگر پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم روز حساب پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں! قسم ہے روز جزا کے مالک کی، غلط کہا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ قوی فی الدین ہو، صاحب ایمان و یقین ہو۔ اس کے علم کے لئے حلم اور اس کے حلم کے لئے علم باعث زینت ہو، عقل مند ہو، لیکن نرم خو، اسکی خوشپوشی اور ضبط اس کے فقر و افلاس کی پردہ داری کرے، دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم وکریم، حقوق کی ادائی میں کشادہ دست و فراخ دل، انصاف میں سرگرم و ثابت قدم، کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی نہ ہونے پائے، کسی سے محبت ہو تو اس کی مدد میں حد شریعت سے نہ بڑھنے پائے، نہ عیب چینی کرتا ہو۔ نہ طنز و اشارہ، نہ طعن و تشنیع، نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام ہو، نہ لہو ولعب سے دلچسپی، چغلخوری نہیں کرتا، جو اس کا حق نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا، جو اس پر واجب آتا ہے، اس کا انکار نہیں کرتا، معذرت میں حد سے نہیں بڑھتا، دوسرے کی مصیبت میں خوش نہیں ہوتا، دوسرے کی معصیت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی، مومن کی نماز میں خشوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے، اس کا کلام شفاء کا پیام، اس کا صبر تقویٰ، اسکا سکوت سراسر غور وفکر، اس کی نظر سراپا درس وعبرت ہے، علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے، علم کی خاطر خاموش رہتا ہے تو اس لئے کہ گناہوں اور گرفت سے محفوظ رہے، بولتا ہے تو اس لئے کہ کچھ (ثواب) کمائے اور فائدہ حاصل کرے، نیکی کر کے اس کو خوشی ہوتی ہے غلطی ہو جاتی ہے تو استغفار کرتا ہے، شکایت کرتا ہے اور اس کے دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی تلافی کر لیتا ہے،

اس سے کوئی جہالت کرتا ہے تو وہ تحمل وعقل سے کام لیتا ہے۔ ظلم کیا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، کوئی اسکے حق میں ناانصافی کرلے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا، اوراس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا، مجمع میں باوقار، تنہائی میں شکرگزار، رزق پر قانع، آرام وعیش کے زمانہ میں شاکر، مصیبت اور آزمائش کی گھڑیوں میں صابر، غافلوں میں ذاکر، ذاکروں میں ہوتو استغفار میں شاغل، یہ تھی شان اصحاب رسول اللہ ﷺ کی، اپنے درجوں اور مرتبہ کے مطابق، جب تک دنیا میں رہے، اسی شان سے رہے اور جب دنیا سے گئے تو اسی آن بان سے گئے، مسلمانو! تمہارے سلف صالحین کا یہ نمونہ تھا، جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا تو اللہ نے بھی تمہارے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا،

ان اللہ لایغیّر مابقوم حتی یغیّر واما با نفسھم واذاارادﷲبقوم سوءً فلامردّلہ وما لھم من دونہٖ من وّال ۔

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت) کی حالت کو نہیں بدل دیتے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کرتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں، اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۵۸ تا ۶۰)

ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتا ہے حضرت عمر ؓ کا تاریخی ارشاد

حضرت عمر ؓ نے مختلف موقعوں پر تحریر وتقریر سے جتادیا ہے کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکر نہیں رہ سکتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عمرو بن العاص ﷺ گورنر مصر کے فرزند نے ایک قبطی کو بے وجہ مارا، آپ نے اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں اسے سزا دلوائی اور عمرو بن العاص ﷺ اور ان کے بیٹے سے کہا!

''تم لوگوں نے انسانوں کو غلام کب سے بنالیا ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا''

ایک دفعہ آپ نے برسر منبر کہا کہ اگر میں دنیا کی طرف (دین چھوڑ کر) جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار نیام سے کھینچ کر بولا، تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمر ﷺ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کچھ خبر ہے کس کی شان میں یہ لفظ کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں، حضرت عمر ﷺ نے کہا! الحمد للہ ایسے لوگ مسلمانوں میں موجود ہیں کہ میں ٹیڑھی راہ چلوں گا تو وہ مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔ (ناقابل فراموش واقعات ص ۷۷)

چھ سو من سونا، ہزار من چاندی، دو من جواہرات، تاریخی مال غنیمت

علاؤالدین خلجی سلطان وقت جلال الدین خلجی کا داماد تھا اور ان کی طرف سے اودھ کا حاکم بھی تھا۔ اپنی بیوی سے خانگی امور کی بنا پر سخت ناراض تھا، ہندو سرداروں نے اس ناراضگی سے فائدہ اٹھایا اور سلطان وقت (خسر) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے لیے وہ (ہندو) مسلمان فوجوں میں داخل ہوئے اور بعض علاقوں کی فتوحات میں بھی شامل ہوئے، اولاً دیوگیر کی فتح کو پڑھیے اور پھر خسر کے قتل کا منصوبہ اور انجام پڑھیے (از مؤلف)۔

۶۹۴ھ میں علاؤالدین نے چھ ہزار سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کٹرہ سے کوچ کیا

اور شہرت یہ دی کہ چندیری پر حملہ کے لیے جایا ہے۔اس سفر میں کڑہ کے ہندوؤں کی بھی ایک جماعت ساتھ لی۔نو سو میل کا سفر دو مہینے میں طے کر کے ملک مرہٹ میں داخل ہوا اور شہر ایلچو ر پر قبضہ کیا،ایلچو ر میں دو روز قیام کر کے دیو گیر(دولت آباد) کی طرف بڑھا۔دیو گیر کا راجہ رام دیو شہر سے نکل کر دیو گیر سے دو میل کے فاصلے پر صف آرا ہوا۔علاؤ الدین نے پہلے ہی حملے میں رام دیو اور اس کی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔شہر کے متصل قلعہ تھا راجہ میدان سے فرار ہو کر شہر میں نہیں لڑ سکا،بلکہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا اور علاؤ الدین نے آگے بڑھ کر شہر پر قبضہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا،رام دیو کا بیٹا کسی مندر کی زیارت کے لیے باہر گیا ہوا تھا اس نے جب باپ کے محصور ہونے کی خبر سنی تو اردگرد کے راجاؤں کو مع افواج کے ہمراہ لے کر آیا اور دیو گڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر ٹھہر کر علاؤ الدین کے پاس پیغام بھیجا کہ قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں۔علاؤ الدین نے ایک ہزار فوج قلعہ کے محاصرہ پر مامور رکھی اور باقی پانچ ہزار سپاہی لے کر رام دیو کے بیٹے پر حملہ آور ہوا اور اس کو مع ہمراہی راجاؤں کے شکست دے کر بھگایا،اور قلعہ کے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت کو کام میں لایا،اور رام دیو نے تقریباً ایک مہینہ محصور رہنے کے بعد مجبوراً اور بیرونی امداد سے مایوس ہو کر اپنے ایلچی علاؤ الدین کے پاس بھیجے اور چھ سو من سونا،ایک ہزار من چاندی،سات سو من موتی اور دو من جواہرات اور چار ہزار ریشمین کپڑے کے تھان دے کر صلح چاہی۔علاؤ الدین نے اس مال و دولت کے علاوہ ایلچو ر اور اس کے متعلقہ علاقہ کا بھی مطالبہ کیا،اور رام دیو نے اپنی ریاست کا یہ حصہ علاؤ الدین کو دینا منظور کر لیا۔

(فتوح الہندص ۷۵۔۷۶)

خسر کے قاتل کا دردناک قابل عبرت تاریخی انجام

علاؤ الدین کو جب دیو گیر سے بے قیاس دولت حاصل ہو گئی تو وہ اب ایلچو ر میں

زیادہ نہیں ٹھہر سکا تھا۔ وہ یہاں سے اپنے دارالحکومت کڑہ پہنچا، اور ہندو مشیران کے مشورہ کے موافق سلطان جلال الدین کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا۔ یہ دولت جو علاؤالدین کو دیوگیر سے حاصل ہوئی اس تمام مال ودولت کے مجموعہ سے بدرجہا زائد تھی جو محمد بن قاسم کے زمانے سے لے کر شہاب الدین غوری کے عہد تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی، اب علاؤالدین کے لیے سلطان جلال الدین کا مقابلہ دشوار نہ تھا، وہ سلطان کے قتل کی تدابیر میں مصروف ہوگیا اور ۱۷رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اپنے بھتیجے اور داماد علاؤالدین کے ہاتھ سے کڑہ اور مانک پور کے درمیان دریائے گنگ کے کنارے مارا گیا۔

اس وقت سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا ارکلے خان ملتان کا صوبہ دار تھا اور وہاں مغلوں کے حملے روکنے میں مصروف تھا۔ ملکہ جہاں نے فوری نظم قائم رکھنے کے لیے بجائے اس کو بلانے کے اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ علاؤالدین اس عمل سے خوش ہوا اور فوج کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ ملکہ جہاں فوج کشی کی خبر سنکر اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے کر ملتان پہنچ گئی اور ۶۹۶ھ میں علاؤالدین نے تخت دہلی پر جلوس کیا اور ملتان کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرادیا، جس کی سزا کا قدرت نے ساتھ ہی ساتھ یہ سامان کردیا کہ علاؤالدین کا اعتماد ہندوؤں پر بڑھتا گیا۔ گجرات کا راجہ کرن باغی ہوگیا تھا اس کے مقابلے پر فوج بھیجی، یہ بدحواس ہوکر بھاگ گیا، اس کی بیوی کنولا دیوی گرفتار ہوکر دہلی لائی گئی۔ اس نے اس شرط پر اسلام قبول کرلیا کہ اس کو بانوئے سلطنت ملکہ جہاں بنا لیا جائے۔ علاؤالدین نے اس کو منظور کرلیا اور اس کو بیوی بنالیا۔ جس سے ہندوؤں کا مزید رسوخ اس کے دربار میں پیدا ہوا۔ دوسری طرف اسی حملہ میں گجرات میں علاقہ کھمبائیت سے ایک ہندو بچہ جو خوجہ بنا کر کسی ساہوکار کے قبضہ میں تھا دہلی لایا گیا، اس

نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کرلیا۔اور ملک کافور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ہزار دیناری اور بالآخر وزیراعظم بن گیا ۔اور پھر یہی ہندو بچہ سلطان علاؤالدین کو زہر دے کر مارنے اور اس کے تین بیٹوں کو قلعہ گوالیار میں قید کرانے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوانے اور اندھا کرنے کا سبب بنا اور چھوٹے بیٹے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود تمام براعظم ہندوستان پر سلطنت کرنے لگا ۔مگر قدرت نے اس کو بھی زیادہ مہلت نہ دی اور سلطان علاؤالدین کی موت سے صرف ۳۵ دن بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ (آئینہ ص۳۲۳)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مذکورہ چند اقتباسات لینے کے بعد آخر میں یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ............یہ دنیا اگرچہ دارالجزا نہیں مگر ظلم کی سزا اکثر دنیا میں بھی مل جاتی ہے،ایک ظالم دوسرے ظالم پر مسلط کر دیا جاتا ہے ''کذلک نولی بعض الظّالمین بعضا''

علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا وخسر اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا قدرت نے اپنے غیر محسوس انتظام وانتقام سے اسی کا چربہ اس کے بیٹوں کے حق میں اتار دیا، خود اپنے دست پروردہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بیٹے اندھے کئے گئے۔فتعالیٰ اللّٰہ الملک الحق لا الہ غیرہ۔

بدنہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

علاؤالدین خلجی کا یہ افسوس ناک حال اضطراراً زبان قلم پر آگیا۔اس نے جو بُرائی کی وہ اپنے حق میں کی ولکن کانو انفسھم یظلمون لیکن ہندوستان کی سلطنت کے لیے بلاشبہ بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں۔جس میں سے دکن اور تمام جنوبی ہند کی فتح اور تاتاری مغلوں کے پیہم اور سخت مقابلوں اور پھر ہندوستان کے قلمرو

میں مکمل امن وامان اور ظلم وجور، رشوت ستانی، شراب خوری اور جھوٹ دغا بازی کا مکمل قلع قمع کردینا خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(فتوح الہند ص۷۶ تا ۷۸)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعجب خیز تاریخی قصہ

حافظ ابونعیم اصبہانی اس طریق............سے حضرت ابوامامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا! کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں رسول خدا۔ تو آپ ﷺ گویا ہوئے۔

خضر ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جارہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپکو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی کہ مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے دے سکوں۔ تو فقیر نے پھر صدا لگائی، میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپ کے پاس برکت پہچان لی۔ خضر نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کردے۔ مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کرڈال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ پھر مسکین نے انکو بازار لے جاکر چار سو درہم میں فروخت کردیا اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لیے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے۔ مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں

کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں۔ فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا، تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو، حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (پتھر کیا تھا پوری چٹان تھی) تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پتھر اپنے ہی وقت میں منتقل ہو چکا تھا۔ مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر در پیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ۔ مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لیے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا، آ کر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی، تو مالک (مارے تعجب کے) گویا ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا، مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا، پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دے دی کہ مجھے فروخت کر دے، تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی ہڈی حرکت کر سکے گی۔

تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا، اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا، خضر علیہ السلام نے فرمایا! کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا، تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے

پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں۔

تو آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کروں، تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا، تو خضرؑ نے فرمایا!

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اسی نے مجھے اس سے نجات دی۔ اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں خطا ہے مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس کے راوی ایسے اشخاص ہیں جن کو پہچانا نہیں جاتا۔ واللہ اعلم

(تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۵۷۵۔۵۷۶)

سلطان وقت کے سامنے مفتی کی دلیرانہ تاریخی گفتگو

سلاطین عثمانیہ میں سلطان سلیم خان بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک موقع پر اس کو ملازمین خزانہ پر غصہ آ گیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دے دیا، مولانا علاء الدین جمالی ان دنوں قسطنطنیہ میں مفتی تھے، انہوں نے جو یہ سخت حکم سنا تو ان بے کس ملازموں پر رحم اور سلطان کو سمجھانے کے لیے باب عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صدر بدون کسی حادثہ عظیم کے باب عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزراء میں داخل ہوئے تو سارے اہل دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے مفتی صاحب کیسے تشریف لائے، حضور سلطانی میں ان کی اطلاع ہوئی اور یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد سلسلہ تقریر یوں شروع کیا۔

''جو علماء منصب فتویٰ رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ سلطان وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں، میں نے سنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے، لہذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں''

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہو کر کہا کہ تم کو اپنے حد اختیار سے بڑھنا اور امور سلطنت میں دخل نہیں دینا چاہیے ۔انہوں نے جواب دیا کہ میں معاملات سلطنت میں دخل نہیں دیتا بلکہ عاقبت سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا فرض ہے ان عفوت فلک النجاۃ والا فلک عقاب عظیم ۔سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں۔

جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرض منصبی ادا کر چکا اب ایک بات شان سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں، سلطان نے پوچھا وہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں؟ کیا یہ مناسب ہوگا کہ غلام شاہی ہو کر دربدر مانگتے پھریں؟ سلطان نے فرمایا کہ نہیں، انہوں نے کہا تو ان کی جگہ پھر انہی کو عطا فرمائی جائے ۔سلطان نے از راہ مراحم خسروانہ اس کو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائے گی ۔مولانا نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے، کیونکہ تعزیری سزا رائے سلطانی پر منحصر ہے ۔اتنا کہہ کر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے۔ (تاریخ ملت ج ۳ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

دنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا تاریخی جواب

ایک دن (سلطان) سلیم نے ان سے پوچھا کہ دنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ (علاؤ الدین) جمالی نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے ۔سلطان نے صدر اعظم کو حکم بھیجا کہ ہر گوشہ میں اعلان کر دیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا ۔شیخ کو خبر لگی تو بطریق کو لے کر سلطان سلیم کے پاس پہنچے اور وہ عہد نامے دکھائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاریٰ کے ساتھ کئے تھے، پھر قرآن مجید کا حکم سنایا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر مذہب میں آزاد چھوڑ

دینا چاہیے، سلیم کو شیخ کے ارشاد پر پابند ہونا پڑا اور حکم واپس لے لیا۔ (حوالہ بالا)

شاہ اہواز کی امیر المؤمنین سے تاریخی گفتگو

فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حکم جاری فرمایا کہ اہواز کی طرف فوجیں روانہ کر دیں۔ اسلامی فوجیں ابھی وہاں پہنچی تھیں کہ امداد غیبی آ گئی۔ اہواز فتح ہوا اور شاہ گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آیا چنانچہ صاحب تاریخ ملت رقمطراز ہیں۔

ابو سبرہ نے ایک وفد کے ساتھ جس میں احنف بن قیسؓ اور انس بن مالکؓ شامل تھے، ہرمزان کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔

ہرمزان شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا، حریر کی زرنگار قباء بدن پر تھی، مرصع تاج سر پر اور بڑے بڑے رؤسا اس کی رکاب میں تھے۔ اسلامی وفد ہرمزان کو لے کر مسجد نبوی میں پہنچا تو حضرت عمرؓ مسجد میں سو رہے تھے۔ سونے کی شان یہ تھی کہ فرش خاک کا بستر تھا اور ہاتھ میں چمڑے کا درہ تھا۔ ''ہرمزان نے پوچھا خلیفۃ المسلمین کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ یہ ہیں۔ ہرمزان نے تعجب سے پوچھا! ان کے نقیب اور چوبدار نہیں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا، عمرؓ کو ان کی ضرورت نہیں۔ ہرمزان نے کہا اس سادگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں نبی ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا۔ نبی تو نہیں لیکن نبی کے جانشین اور سچے پیرو ضرور ہیں''۔

اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ سر سے پیر تک ایک نظر ہرمزان پر ڈالی اور ''فرمایا'' میں آتش دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں''۔

اہل وفد نے عرض کیا یا امیر المؤمنین! یہ شاہ اہواز ہے، اس سے گفتگو فرمایئے، آپ نے فرمایا پہلے اس کے کپڑے اتار دو پھر بات کروں گا۔ چنانچہ ہرمزان کی شاہانہ پوشاک اتار کر اسے سادہ کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اب آپ نے ہرمزان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''اے ہرمزان تو نے عہد شکنی اور حکم خدا سے سرتابی کا انجام دیکھا

؟'' ہرمزان نے جواب دیا'' اے عمر! زمانہ جاہلیت میں جب خدا نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ تو ہم تم پر غالب رہتے تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تم ہم پر غالب ہو۔'' حضرت عمرؓ نے فرمایا۔'' زمانہ جاہلیت میں تم اس لیے ہم پر غالب رہتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا'' ہرمزان بتاؤ تم پے در پے عہد شکنی کیوں کرتے رہے ؟'' ہرمزان نے کہا،'' اے عمر! پہلے مجھے پانی پلا دو۔'' حضرت عمرؓ نے فوراً پانی منگوایا۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا،'' اے عمر! مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس پانی کو پینے سے پہلے قتل نہ کر دیا جاؤں۔'' حضرت عمرؓ نے فرمایا۔''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔'' یہ سنتے ہی ہرمزان نے اس پیالہ کو الٹ دیا اور کہنے لگا'' اب تم مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے اس پانی کو نہیں پیا۔''

حضرت عمرؓ ہرمزان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس کے ہاتھ سے کئی جلیل القدر صحابی شہید ہوئے تھے۔ وہ اس کے اس حیلہ پر حیران رہ گئے۔ فرمانے لگے:

'' خدا کی قسم ہرمزان تو نے مجھے دھوکہ دیا لیکن میں مسلمان کے سوا کسی کے دھوکہ میں آنا نہیں چاہتا'' یہ سن کر ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے مشورہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

(تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۸۵۔۱۸۶)

خطیب الخطباء کا تاریخی خطبۃ المنام

شیخ تاج الدین الکندی نے اپنی اسناد سے جو خطیب تک متصل ہے بیان کیا ہے کہ آپ نے بیان کیا ہے کہ جب میں نے خطبۃ المنام تیار کیا اور اسے جمعہ کے دن دیا، تو میں نے ہفتہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ گویا میں میافارقین کے باہر صحراء میں

ہوں تو میں نے کہا، یہ جماعت کیسی ہے؟ تو ایک کہنے والے نے مجھے کہا، یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب ہیں۔ پس میں نے آپ کو سلام کرنے کے لیے آپ کا قصد کیا، اور جب میں آپ کے نزدیک ہوا تو آپ مڑے اور مجھے دیکھ کر فرمایا، اے خطیب الخطباء، خوش آمدید، تو کیا کہتا ہے اور آپ نے قبروں کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا جس کی طرف یہ لوٹے ہیں اس کی خبر نہیں دیتے اور اگر بولنے کی سکت رکھتے تو بولتے انہوں نے ایک دفعہ موت کا پیالہ پیا ہے، اور انہوں نے اپنے اعمال کا ایک ذرہ گم نہیں کیا، اور زمانے نے ان کے متعلق سچی قسم کھائی ہے کہ وہ ان کے لیے دنیا کی طرف واپسی کو مقرر نہیں کرے گا۔ گویا وہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ تھے اور زندوں میں ایک بار بھی شمار نہیں ہوئے۔ اس ذات کی قسم، اسی نے انہیں خاموش کرایا ہے جس نے انہیں گویائی دی تھی۔ اور جس نے انہیں پیدا کیا تھا اس نے انہیں تباہ کیا ہے۔ اور جس نے انہیں بوسیدہ کیا ہے عنقریب وہ انہیں نیا کر دے گا۔ اور جس طرح اس نے انہیں منتشر کیا ہے انہیں اکٹھا کر دے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ عالمین کو دوبارہ نئی پیدائش دے گا اور ظالموں کو نارِ جہنم کا ایندھن بنائے گا، اس روز تم لوگوں پر گواہ ہو گے اور رسول تم پر گواہ ہوگا .... اور میں نے اپنی اس بات پر..... کہ تم لوگوں پر گواہ ہو گے .... صحابہؓ کی طرف اشارہ کیا اور ''گواہ'' کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ اس روز ہر جان نے جو بھلائی کی ہے اسے حاضر پائے گا، اور جو اس نے بُرائی کی ہے اس کے اور اپنے درمیان دور کا فاصلہ چاہے گا، آپ نے مجھے فرمایا، تو نے بہت اچھا کیا ہے، قریب ہو، میں آپ کے قریب ہوا، تو آپ نے میرے چہرے کو پکڑا اور اسے بوسہ دیا، پھر میرے منہ میں تھوکا اور فرمایا، اللہ تیرا بھلا کرے۔ خطیب کا بیان ہے کہ میں نیند سے بیدار ہو گیا اور مجھے اس قدر خوشی تھی جو بیان سے باہر ہے اور میں نے جو خواب دیکھا اس کی خبر اپنے اہل کو دی۔

الکندی نے اپنی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس خواب کے بعد خطیب تین دن باقی رہے۔ آپ نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ اس کی خواہش کرتے تھے، اور آپ میں کستوری کی خوشبو پائی جاتی تھی اور آپ تھوڑی مدت زندہ رہے، اور جب خطیب اپنے خواب سے بیدار ہوئے تو آپ کے چہرے پر خوشی اور نور کا اثر تھا جو اس سے پہلے نہیں تھا اور آپ نے لوگوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، اور فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام خطیب رکھا ہے۔'' اور اس کے بعد آپ اٹھارہ دن زندہ رہے اور ان دنوں میں آپ نے اس تھوک اور اس کی برکت کی وجہ سے کھانا پینا طلب نہیں کیا اور خطبہ جس میں یہ باتیں پائی جاتیں ہیں اس واقعہ کی وجہ سے المنامیہ کا نام سے مشہور ہے۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۳ ص ۱۲۳۔۱۲۴)

ضروری معلومات کے لیے تاریخی جھروکے

۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عید گاہ میں نماز عید ادا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا، اور ایک چارپائی، چمڑے کا گدا، ایک چھاگل، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دیئے۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص ۵۰)

اسی سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی، وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔ (ایضاً ص ۵۴)

۴ھ غزوہ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی فوج کشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس کے مختلف اسباب تھے، سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت

پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی اور حج کے موقع پر ہر حصہ کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے، قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے، تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر اسلام غالب آ گیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے، بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے، لیکن احد کی شکست نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا اور دفعۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے اول محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابو سلمہؓ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن انیس کو بھیجا، انہوں نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا۔ (ایضاً)

صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے کچھ آدمی بھیج دیجئے، آپؐ نے ستر آدمی ساتھ کر دیئے، انہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس نے ان کو قتل کر دیا، اور عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا، مسلمان حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے، آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا، اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔

(ایضاً ص ۵۴)

اسی سال حضرت حسین ﷺ پیدا ہوئے ،ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ عقد کیا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ میں حرام ہوئی۔ (ایضاً ص۵۵)

اس وقت (۵ھ) تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اور بے باکانہ چلتی پھرتی تھیں ،اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ ''شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر، منہ چھپا کر، سینہ پر آنچل ڈال کر نکلیں، چلنے میں اٹھکیلی نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں ،آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں ،ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں ،اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی اور صلوۃ خوف کا حکم نازل ہوا۔ (ایضاً ص۶۱)

(۸ھ) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

(تاریخ اسلام ندوی جستہ جستہ)

مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول ہوا ایک تاریخی جائزہ

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حیوۃ الحیوان میں اسلامی تاریخ کا ایک عجیب لطیفہ تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول ہوا ہے، پھر اسے ثابت کرنے کے لیے صدیوں تک کی مختصر تاریخ پیش کی ہے ۔ہم اس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، مسلمانوں کی خلافت کی ترتیب حسب ذیل رہی ہے۔

(۱) مسلمانوں کے سب سے پہلے امیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) ان کے بیٹے چھٹے خلیفہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے، چنانچہ وہ معزول ہوئے ہیں ،پھر خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی ہے۔

(۱) حضرت معاویہ ﷺ (۲) یزید بن معاویہ (۳) معاویہ بن یزید (۴) مروان بن حکم (۵) عبدالملک بن مروان (۶) حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ۔ یہ چھٹے امیر تھے اور قتل کئے گئے۔ آپ کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی ہے۔

(۱) ولید بن عبدالملک (۲) سلیمان بن عبدالملک (۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۴) یزید بن عبدالملک (۵) ہشام بن عبدالملک (۶) ولید بن یزید بن عبدالملک۔ یہ چھٹا امیر تھا۔ چنانچہ اسے معزول کیا گیا۔ کیونکہ یہ بڑا فاسق و فاجر تھا۔ اس کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی ہے۔

(۱) یزید بن ولید بن عبدالملک (۲) ابراہیم بن ولید (۳) مروان بن محمد، اس کے بعد خلافت بنوامیہ ختم ہوگئی۔ اس لیے مندرجہ بالا تاریخی اصول کا عمل ظاہر نہ ہوسکا ،کیونکہ ولید بن یزید کے بعد صرف تین خلفاء ہوئے اور پھر خلافت بنوعباس قائم ہوئی ،اس میں یہ ہی اصول اپنا عمل دکھاتا رہا ہے۔

خلافت عباسیہ

ان کی ترتیب یوں رہی ہے (۱) سفاح (۲) ابوجعفر منصور (۳) محمد مہدی (۴) موسیٰ الہادی (۵) ہارون الرشید (۶) محمد امین بن ہارون رشید۔ یہ چھٹا خلیفہ تھا، لہٰذا مامون رشید کے ہاتھوں معزول اور مقتول ہوا۔ اس کے بعد ترتیب اس طرح رہی۔

(۱) مامون الرشید (۲) ابراہیم المعتصم باللہ (۳) واثق باللہ (۴) جعفر المتوکل (۵) محمد المنتصر باللہ (۶) احمد المستعین باللہ۔ یہ چھٹا تھا۔ لہٰذا معزول و مقتول ہوا۔ اس کے بعد حسب ذیل خلفاء آئے۔

(۱) محمد المعتز باللہ (۲) جعفر المھدی باللہ (۳) احمد المعتمد علی اللہ (۴) احمد المعتضد باللہ (۵) علی المکتفی باللہ (۶) جعفر المقتدر باللہ۔ یہ چھٹا ہے۔ چنانچہ اسے دو مرتبہ معزول کیا گیا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل امراء آئے۔

(۱) عبداللہ بن معتز المرتضٰی باللہ (۲) محمد القاصر باللہ (۳) احمد الراضی باللہ (۴) ابراہیم المتقی باللہ (۵) عبداللہ المکتفی باللہ بن المکتفی (۶) ابوالفضل المطیع باللہ ۔ یہ چھٹا تھا۔ چنانچہ معزول ہوا، اس کے بعد ترتیب اس طرح ہے۔

(۱) احمد القادر باللہ (۲) عبداللہ القائم بامراللہ (۳) المقتدی بامراللہ (۴) مستظہر باللہ (۵) مسترشد باللہ (۶) جعفر الراشد باللہ۔ یہ چھٹا ہے، معزول ہوا۔ پھر ترتیب یوں ہے۔

(۱) المقتفی لامراللہ (۲) مستنجد باللہ (۳) مستضی بنوراللہ (۴) ناصرالدین اللہ (۵) الظاہر بامراللہ (۶) مستعصم باللہ۔ یہ چھٹا ہے، لہٰذا معزول اور مقتول ہوا۔ پھر ترتیب اس طرح رہی۔

(۱) مستنصر باللہ (۲) حاکم بامراللہ (۳) مستکفی باللہ (۴) حاکم بامراللہ بن المستکفی باللہ (۵) معتضد باللہ (۶) متوکل علی اللہ۔ ان کے بعد خلافت عباسیہ چھ خلفاء تک نہیں پہنچ سکی۔

فاطمی خلفاء

علامہ دمیری رحمہ اللہ نے مصر کے فاطمی خلفاء میں بھی یہی اصول بیان کیا ہے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) مہد (۲) قائم (۳) منصور (۴) معز (۵) عزیز (۶) حاکم ۔ یہ اپنی بہن کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ پھر (۱) ظاہر (۲) مستنصر (۳) مستعلی (۴) آمر (۵) حافظ (۶) ظافر۔ یہ چھٹے تھے اور معزول ہوئے۔ پھر (۱) فائز (۲) عاضد۔ یہاں یہ خلافت بھی ختم ہوگئی۔

ایوبی خلفاء

ایوبی خلفاء میں بھی یہ اصول عمل دکھاتا رہا ہے۔ان کی ترتیب حسب ذیل ہے۔
(۱) صلاح الدین ایوبی (۲) عزیز (۳) افضل (۴) العادل الکبیر (۵) کامل (۶) العادل الصغیر۔ یہ چھٹے تھے۔ چنانچہ معزول ہوئے۔آگے چھ خلفاء تک تعداد نہیں پہنچ سکی۔

ترکی خلفاء

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ترکی خلفاء میں بھی یہ اصول ثابت کیا ہے۔

(حیوۃ الحیوان ص ۴۴ تا ۹۶ ملخصاً) (بحوالہ کشکول)

داخلۂ بیت المقدس کے موقع پر صلیبیوں کا تاریخی ستم

صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیح مورخ ان الفاظ میں کرتا ہے۔(ازمؤلف)

''بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں زندہ جلا دیئے گئے''۔

''دوسرے دن اس سے بڑے پیانے پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا۔ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت کی تھی۔وہ چیختا چلاتا رہا۔مگر ان سب کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا۔پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا۔مردوں

عورتوں اور بچوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ان کی لاشوں کے ٹکڑے اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگے تھے۔بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا۔شہر کی خون آلودہ سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوایا گیا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)(بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت)

رومی کھنڈرات میں تاریخی تماشا گاہ

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ......ویٹی کن سے نکل کر ہم ایک علاقے میں گئے جو قدیم رومی محلات اور تعمیرات کے کھنڈروں پر مشتمل ہے، یہ ایک وسیع علاقہ ہے جس میں قدیم زمانے کے پرشکوہ محلات کے آثار نظر آتے ہیں۔اس علاقے کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر چاروں طرف ان آثار کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے عالم شباب میں اس علاقے کے حسن و جمال اور شان وشوکت کا کیا عالم ہوگا ،لیکن آج یہ آثار قدم قدم پر انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ دنیا میں کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی ہمیشہ رہنا نصیب نہیں ہوتا۔رومی سلطنت کی گھن گرج صدیوں تک دنیا میں سنائی دیتی رہی ،اس کے بادشاہوں اور سالاروں کے طنطنے یہاں اپنی شان وشوکت دکھاتے رہے ،لیکن آج وہ مٹی کے ڈھیر ہو چکے ہیں ،اور یہ بوسیدہ کھنڈر ان کی شان وشوکت کا مرثیہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔

جو مرکز الفت تھے، جو گلزار نظر تھے
سڑتے ہیں تہِ خاک وہ اجسام بتاں آج
وہ دبدبہ جن کا تھا کبھی دشت وجبل میں
حسرت کے کھنڈر ہیں وہ محلات شہاں آج
جن باغوں کی نکہت سے معطر تھیں فضائیں
ہیں مرثیہ خواں ان پہ ببولوں کی زباں آج

اس علاقے میں کھنڈرات کا یہ سلسلہ اس شہرہ آفاق کولوسیم پر ختم ہوا ہے جس کی دیواروں کی تصویر دنیا بھر میں روم کی علامت کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ یہ ایک تاریخی تماشاہ گاہ ہے جو آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے (۸۰ء میں) روم کے بادشاہ طیطوس (Titus) نے بنائی تھی۔ یہ اسٹیڈیم کے طرز پر بنی ہوئی ایک عمارت تھی جس میں پچاس ہزار تماشائیوں کے بیٹھ کر مختلف کھیل اور کرتب دیکھنے کا انتظام تھا۔ اس عمارت کی تکمیل پر طیطوس نے سو دن تک جشن منایا تھا۔ اس تماشاہ گاہ میں کرتب دکھانے کے لیے غلاموں کو سدھایا جاتا تھا، جنہیں تاریخ میں (Gladiators) کہتے ہیں۔ ان کی آپس میں اور کبھی جنگلی جانوروں سے کشتی کرائی جاتی تھی، اور طرح طرح کے کرتبوں کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ آج بھی اس کے اردگرد منتظمین نے بہت سے انسانوں کو ان غلاموں کا لباس پہنا کر چھوڑا ہوا ہے۔ اس تماشاہ گاہ کو کلوسیم (Colosseum) اس لیے کہا جاتا ہے کہ روم کے مشہور بادشاہ نیرو کا ایک لقب کولوسوس (Colossus) بھی تھا، اور یہاں اس کا ایک بڑا مجسمہ نصب تھا، اس کی نسبت سے اس تماشا گاہ کو کلوسیم کہا جانے لگا۔

روم چونکہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، اور رومی تہذیب کا مرکز ہے۔ اس لیے اس کا چپہ چپہ تاریخ ہے۔ سات پہاڑیوں پر بنا ہوا یہ شہر قدم قدم پر کوئی نہ کوئی یادگار رکھتا ہے، دنیا بھر سے سیاح ان یادگاروں کو دیکھنے آتے ہیں، لیکن ان یادگاروں کے ہر گوشے سے عبرت و موعظت کے جو سبق کھلی کتاب کی طرح دعوت فکر دیتے ہیں، تفریح و سیاحت کے جوش میں ان کی طرف دھیان دینے والا کوئی نہیں۔ قرآن کریم اس قسم کے آثار کو دیکھ کر عبرت و موعظت کے انہی پہلوؤں کو یاد دلاتا ہے۔ ''افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم''

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا

کیاانجام ہوا؟

ان تمام آثار سے سبق ملتا ہے کہ اس دنیا میں عزت، دولت، شہرت، لذت اور شان وشوکت سب فنا ہو جانے والی چیزیں ہیں، اگر کوئی چیز باقی رہنے والی ہے تو وہ انسان کا ایمان اور عمل صالح ہے جس کے نتائج انمٹ اور لازوال ہیں۔

(دنیا مرے آگے ص ۳۶۳۔۳۶۴)

علامہ شیخ جمالی کی ذہانت کا تاریخی واقعہ

آپ، حضرت شیخ سماء الدینؒ کے داماد اور مرید تھے۔ ملتان کے باشندے تھے اور اپنے دور کے نامی گرامی صوفی، ولی، شاعر، سیاح اور شاہان وقت کے مصاحب ومقرب تھے۔ عرب، مصر، روم، شام، ایران، عراق، ترکستان اور افغانستان سمیت بے شمار ملکوں کی سیاحت کی۔ زیارت حرم اور مقامات مقدسہ کی حاضری کا شرف بھی حاصل کیا۔ اپنے ہم عصرا کابراور بزرگوں، حضرت شیخ عبدالعزیز جامیؒ اور مولانا حسین واعظ وغیرہ کا تقرب اور ہم جلیسی بھی حاصل کی۔ نہایت اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ آپ کی شعر گوئی کی شہرت آپ کی زندگی ہی میں دور دراز تک پھیل گئی۔ آپ کے حالات زندگی آپ ہی کی تصنیف ''سیر العارفین'' میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے قلندرانہ وضع قطع میں سفر شروع کیا۔ جب آپ ہرات پہنچے تو مولانا جامیؒ کے ہاں حاضری دی۔ اس وقت آپ کے جسم پر صرف ایک تہہ بند تھا اور سفر کی صعوبتوں سے چہرہ، بال اور جسم خاک آلود تھے۔ اسی حال میں آپ بے دھڑک مولانا جامی کے برابر ان کی مسند پر جا بیٹھے۔ مولانا جامیؒ جیسے نازک مزاج اور تیز طبع صوفی شاعر کو یہ دیدہ دلیری سخت ناگواری گزری۔ خفگی سے مولانا جامیؒ نے آپ سے فرمایا میاں! تم میں اور گدھے میں کیا فرق ہے؟ آپ نے مولانا جامیؒ اور اپنے درمیان اپنی بالشت رکھ کر جواب دیا، ''جتنا تم میں (مولانا جامیؒ) اور مجھ میں فرق ہے۔'' اب مولانا جامی کچھ چونکے اور پوچھا! آپ کون

ہیں؟ آپ نے جواب دیا ''ایک ہندی خاکسار'' مولانا جامیؒ نے دریافت کیا جمالی کے شعروں میں سے کچھ یاد ہے؟ آپ نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا۔

گز کے بوریا و پوستکے   دلکے پُر ز درد دوستکے

لنگکے زیر و لنگکے بالانے   غم دزود نے غم کالا

ایں قدر بس بود جمالی را   عاشق و رند لاابالی را

ترجمہ: گز بھر ٹاٹ اور کھال کا ٹکڑا، چھوٹا سا دل جو دوست حقیقی کا درد رکھتا ہے، ایک معمولی سی لنگی کمر میں اور وہی اوپر بدن پر، نہ اسے اسباب کا فکر اور نہ ہی چور کا غم، جمالی جیسے بےفکرے عاشق کو اسی قدر کافی ہے۔

اب مولانا جامی رحمہ اللہ سمجھ گئے کہ یہ شخص بھی کوئی شے ہے۔ پوچھا آپ شعر بھی کہتے ہیں؟ آپ نے ایک آہ سرد بھری اور اپنے حال کے مطابق یہ شعر پڑھا۔

مارا ز خاک کویت پیراہن است بر تن

آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

ترجمہ: ہمارے جسم پر تمہارے کوچہ کی گرد و غبار کا حرف ایک ہی ہے اور وہ بھی آنسوؤں سے دامن تک کئی جگہ سے پھٹ گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی عالم جذب میں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ بدن ننگا ہونے کی وجہ سے آنسو بہنے سے بدن کی گرد ڈھل گئی گویا واقعی کرتا پھٹ گیا۔

مولانا جامی رحمہ اللہ سمجھ گئے کہ یہی علامہ جمالی ہیں، بڑی شفقت سے پوچھا کہ اسم مبارک؟ آپ نے اپنا نام معمے میں بیان کیا یعنی جمع مالا۔ مولانا جامیؒ بولے !ابھی نام مکمل نہیں ہوا، ایک حرف کی کمی ہے، آپ فوراً بولے وعدہ مولانا جامیؒ اٹھے آپ کو گلے لگالیا، معذرت کی اور بڑی عزت سے اپنا مہمان رکھا۔

''خزانہ عامرہ'' کے مصنف علامہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ شیخ جمالی دہلوی، جمال

باکمال اور زبان خوش خصال کے مالک تھے۔ان کی اصل قوم کمبوہ سے تعلق رکھتی تھی آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو قصیدہ لکھا ہے اس کا ایک شعر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

موسیٰ زہوش رفعت، بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

ترجمہ:۔حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ایک ہی جلوہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہوگئے لیکن آپ ﷺ نے ذات خداوندی کا عالم تبسم میں مشاہدہ کیا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بعض صالحین کی روایت سے اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شعر کے مقبول ہونے کی بشارت ملی ہے جسکی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''هذا المدحی ''یعنی یہ حقیقی مدح ہے۔

''منتخب التواریخ'' نیز ''تاریخ فرشتہ'' میں مرقوم ہے کہ آپ فن شعر میں سلطان سکندر لودھی کے استاد تھے، اس بارے میں ''تاریخ فرشتہ'' میں مندرجہ ذیل الفاظ ملتے ہیں۔''بادشاہ سکندر طبع موزوں داشت۔شعر متین گفتے وگلرخی تخلص کردے وشیخ جمالی کمبوہ از مصاحبان وہمدمان او بود۔''

ترجمہ: سکندر بادشاہ موزوں طبع کا مالک تھا، شعر اچھے کہتا اور گلرخی تخلص کرتا تھا ،شیخ جمالی کمبوہ، بادشاہ کے مصاحبوں اور احباب میں سے تھے۔

(تاریخ کمبوہاں۔ص۱۴۱ تا ۱۴۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یادگار تاریخی جملہ

ساریہ بن زنیم کلابی، فسا اور دارا بجرد کے شہروں پر حملہ آور ہوئے۔یہاں کے ایرانی باشندوں نے اپنے پڑوسی گروہوں سے مدد طلب کی اور بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔

لڑائی کے دوران میں ایک موقع پر ساریہ دشمنوں میں گھر گئے۔ اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی کہ فرمار ہے ہیں ''یا ساریة الجبل الجبل'' اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو پہاڑ کی پناہ لو۔

ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور پہاڑ کو پشت پر رکھ کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔ فتح کے بعد ساریہ نے بشارت فتح اور خمس دے کر ایک قاصد کو مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ والوں نے قاصد سے کہا فلاں روز فلاں وقت خلیفۃ المسلمین خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک چیخ پڑے، ''یا ساریة الجبل الجبل'' اور پھر فرمایا کہ خدا کی بے شمار غیبی مخلوق ہے شاید کوئی آواز ساریہ تک پہنچا دے۔ کیا تم نے وہ آواز سنی تھی، قاصد نے کہا اسی آواز پر تو ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں لے گئے اور فتح پائی۔ حضرت عمرؓ نے ساریہ کو دارابجرد کا والی مقرر کیا اور وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ (تاریخ ملت ج۱ ص۱۹۳)

بشر الحافیؒ کی توبہ کا قابل عمل تاریخی واقعہ

ابو نصر بشر بن الحرث ''الحافی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا شمار رجال طریقت میں ہوتا ہے، نیز کبار صالحین اور بڑے اتقیاء متورعین میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۲۲۶ھ یا ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی توبہ کا انوکھا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

(از مؤلف)

آپ کی توبہ کا باعث یہ ہے کہ آپ کو راستہ میں ایک کاغذ ملا۔ جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا اور لوگوں کے پاؤں نے اسے روند دیا تھا، آپ نے اسے اٹھا لیا اور آپ کے پاس کچھ دراہم تھے، آپ نے ان سے خوشبو خریدی اور اسے کاغذ کو لگایا اور اسے دیوار کے ایک سوراخ میں رکھ دیا۔ اور آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا آپ سے کہہ رہا ہے۔ اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبو لگائی ہے، میں دنیا اور آخرت میں

تیرے نام کو خوشبودار کردوں گا۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے توبہ کی۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ المعانی بن عمران کے دروازے پر آئے اور اس کی زنجیر کھٹکائی، تو آپ سے پوچھا گیا کون ہے؟ آپ نے کہا بشر حانی، تو گھر کے اندر سے ایک لڑکی نے کہا، اگر آپ دو دانقوں (دانق چوتھائی دینار یا درہم کے چھٹے حصے کے برابر ہوتا ہے) کا جوتا خرید لیتے تو آپ سے حانی کا نام زائل ہو جاتا، آپ کو حانی کا لقب اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ موچی کے پاس اپنی ایک جوتی کا تسمہ طلب کرتے ہوئے آئے جو ٹوٹ چکا تھا۔ موچی نے آپ سے کہا، آپ نے لوگوں پر بہت مشقت ڈال دی ہے۔ تو آپ نے ایک جوتی اپنے ہاتھ سے اور دوسری پاؤں سے اتار کر پھینک دی، اور قسم کھائی کہ اس کے بعد آپ جوتی نہیں پہنیں گے۔

بشر سے پوچھا گیا، آپ کس چیز کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں عافیت کو یاد کرتا ہوں اور اسے سالن بنا لیتا ہوں۔ اور آپ کی ایک دعا یہ بھی ہے کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے دنیا میں اس لیے شہرت دی ہے کہ آخرت میں مجھے رسوا کرے تو اس شہرت کو مجھ سے سلب کرلے۔

اور آپ کا یہ قول بھی ہے کہ........ دنیا میں عالم کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل کی آنکھ اندھی ہو جائے۔ اور آپ کا قول ہے کہ........ جس نے دنیا کو طلب کیا وہ ذلت کے لیے تیار ہو جائے۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۸۱ تا ۲۸۳)

عجائب تواریخ کے تاریخی شہہ پارے

چار بھائی کہ ان میں سے ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ ہے اور یہ چاروں حضرات ابو طالب کی اولاد ہیں، حضرت طالب، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، کیونکہ طالب عقیل سے دس سال بڑے اور عقیل جعفر سے دس سال بڑے اور حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔ موسیٰ بن عبیدہ ربذی اپنے بھائی

عبداللہ سے اسی سال چھوٹے تھے۔

اور یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ حضرت مہلب ابن ابی صفرہ کے تین صاحبزادے یزید، زیاد، اور مروک ایک ہی سال میں پیدا ہوئے، ایک ہی سال میں شہید ہوئے، تینوں کی عمریں اڑتالیس سال ہوئیں۔ یہ بھی عجائب عالم میں سے ہے کہ چار حضرات، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر لیثیؒ اور خلیفہ سعدی اور جعفر بن سلیمان ہاشمی ان میں سے ہر ایک کی اولاد سو سو نفر ہوئی۔

ربیع الاول ۱۹۰ھ کی چودھویں شب بھی عجائب قدرت سے ہے کہ اس میں ایک بادشاہ ہادی کا انتقال ہوا اور دوسرے بادشاہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا جشن ہوا اور تیسرے بادشاہ مامون پیدا ہوئے۔

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں، ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہو سکتی ہے اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں، ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہو سکتی ہے، اس مختصر مضمون میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب المدہش سے کچھ مصائب و حوادث کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو دنیا کے مختلف ادوار میں پیش آ چکے ہیں۔ اس کے پیش کرنے میں ایک تاریخی افادہ کے علاوہ میری غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی مصیبت و حادثہ میں مبتلا ہوں وہ ان وقائع کو دیکھ کر تسلی حاصل کریں، کیونکہ انسان کا فطری امر ہے کہ اپنے سے زیادہ گرفتار بلا کو دیکھ کر صبر آ جاتا ہے۔ ۱۸ھ فاروق اعظم ﷺ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی۔ اسی لیے اس سال کا نام عام الرمادہ ہو گیا۔ وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہو کر انسانوں کے پاس آ جاتے تھے۔ اس قحط میں حضرت فاروق اعظم ﷺ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ گھی دودھ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک قحط رفع نہ ہو، اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں۔ ۶۴ھ میں بصرہ کے اندر ایسا شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا

انتقال ہوا تو اس کا جنازہ اٹھانے کے لیے چار آدمی نہ ملے۔ ۹۶ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے، اسی طاعون میں حضرت انس ﷺ کے اسی لڑکے مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کل اولاد سو سے کچھ زائد تھی) اس واقعہ میں مرنے والوں کو قبرستان تک لے جانا اور قبر میں دفن کرنا ناممکن ہو گیا تھا، اس لیے جب سارے گھر والے مر جاتے تو سب کو ایک کوٹھے میں بند کر کے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کر دیا جاتا تھا۔ ۱۳۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار، دوسرے دن میں ستر ہزار سے کچھ زائد ہلاک ہوئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھانے لگے اور مُردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے بدلے میں بڑی بڑی جائیدادیں فروخت کر دی گئیں۔ معزالدولۃ امیر وقت کے لیے بیس ہزار روپے میں ایک (کُر) گیہوں خریدے گئے (ایک کُر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپیہ کا ایک سیر ہوتا ہے ۔۴۴۸ھ میں قحط اس قدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی ایک لکڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔ اور مصر سے خبر پہنچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب دیا، صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے گئے، ایک نقب کے دروازہ پر ، دوسرا سیڑھی پر، تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی پر۔ ۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط اور وبا اس قدر عام ہوگئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگے اور بادام اور شکر روپیہ کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اسی قحط میں وزیر ایک روز اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترے تو تین آدمیوں نے دوڑ کر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے، اس پر وزیر نے ان تینوں کو سولی چڑھا دیا۔ صبح کو دیکھا کہ ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں، گوشت دوسرے بھوکے کھا گئے۔ نعوذ باللہ من الآفات و الحوادث.

حضرت فاروق اعظم ﷺ کے عہد میں ۲۰ھ میں زلزلہ آیا، پھر ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا، اور بڑے بڑے مکانات گر گئے، اور شہر انطا کیہ بالکل منہدم ہو گیا۔ اور ۲۳۳ھ میں شہر غوطہ زلزلہ سے الٹا ہو گیا اور سارے شہر میں سوائے ایک آدمی کے کوئی باقی نہ رہا۔ اس کے قریب قریب انطا کیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اور ۲۳۴ھ میں بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، عبدان واہواز وہمدان میں ایک ایسی سخت تیز ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلادیں۔ بازار بند ہو گئے، باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

۲۲۸ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفہ وقت امیر المؤمنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا۔ جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا، جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کے برابر تھا۔ اس کے گرنے کا دھما کہ بارہ بارہ میل تک سنا گیا اور گر کر پانچ ہاتھ تک زمین میں گھستا ہوا چلا گیا، ۲۴۰ھ میں ایک ہوا بلادِ ترک سے نکلی جو مرو میں پہنچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ پھر نیشا پور اور رے میں پہنچی تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلادِ مغرب سے خطوط آئے کہ قیروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں خسف ہو گئیں اور سوائے دو آدمیوں کے ان میں کوئی نہیں بچا، اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ ہو گئے تھے۔ اب شہر قیروان میں آئے تو لوگوں نے ان کو نکالا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو۔ حاکم بلدہ نے ان کے لیے شہر سے باہر مکان بنوا دیئے، ۲۴۱ھ میں وامغان میں زلزلہ آیا، پچیس ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا۔ اور حلب میں ایک جانور کوے سے بڑا اور گدھ سے چھوٹا ایک درخت پر آکر ٹھیرا اور چالیس مرتبہ یہ آواز دی۔

(اتقوا اللہ، اللہ، اللہ) یعنی اللہ سے ڈرو، اللہ، اللہ۔ چالیس آوازیں دے کر اُڑ

گیا۔ پھر اگلے دن آیا اور چالیس آوازیں مثل سابق دے کر اُڑ گیا۔ حاکم بلدہ نے اس کو لکھا اور پانچ سو آدمیوں کی جنھوں نے یہ آواز سنی تھی اس پر گواہی کرائی، ۲۴۵ھ میں انطا کیہ میں زلزلہ آیا جس سے ڈیڑھ ہزار مکانات منہدم ہو گئے اور اہل انطا کیہ گھروں ، روشن دانوں اور دریچوں سے نہایت خوف ناک آوازیں سنتے تھے، اور تیونس میں نہایت ہیبت ناک آوازیں سنیں گئیں، جو بہت عرصہ تک باقی رہیں۔ جس سے بڑی خلقت ہلاک ہوگئی۔ ۲۴۵ھ میں ایک بستی پر سیاہ وسفید پتھروں کی بارش ہوئی۔

۸۸ھ میں مقام دونیل میں زلزلہ آیا (دونیل موصل کے قریب ایک شہر ہے) صبح کو دیکھا گیا تو شہر کا اکثر حصہ خاک کا ڈھیر ہو چکا تھا، گری ہوئی عمارتوں کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس آدمی مردہ نکالے گئے۔ ۳۱۹ھ میں حجاج کا ایک قافلہ راستہ گم کر کے کسی طرف جا نکلا، وہاں بہت سے آدمی پتھر بنے ہوئے دیکھے اور ایک عورت پتھر کے تنور پر کھڑی ہوئی دیکھی، اور تنور میں جو روٹی تھی وہ بھی پتھر کی ہوگئی تھی۔

(مختلف تواریخ بحوالہ کشکول مفتی شفیعؒ)

حضرت زیدؓ کی رسول اللہ ﷺ سے تاریخی عقیدت

عمرو بن عثمان بن عبداللہ بن موہب سے مروی ہے کہ موہب نے جو الحارث بن عامر کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کیا کہ ان لوگوں نے خبیب کو میرے پاس کر دیا تھا، مجھ سے خبیب نے کہا اے موہب! میں تجھ سے تین باتیں کرنا چاہتا ہوں (۱) مجھے آب شیریں پلایا کر (۲) مجھے اس سے بچا جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے (۳) جب وہ لوگ میرے قتل کا ارادہ کریں تو مجھے آگاہ کر دے۔

عاصم بن عمرو بن قتادہ سے مروی ہے کہ قریش کا ایک گروہ جن میں ابوسفیان بھی تھا، زید کے قتل میں حاضر ہوا، ان میں سے کسی نے کہا کہ اے زید! تمہیں خدا کی قسم کیا تم چاہتے ہو کہ تم اس وقت اپنے عزیزوں میں ہوتے اور تمہارے بجائے محمد ﷺ اس جگہ

ہوتے کہ ہم ان کی گردن مارتے ۔انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کو بجائے میرے کانٹا بھی چبھ جائے جو انہیں ایذا دے۔اور میں اپنے عزیزوں میں بیٹھا ہوں۔

راوی نے کہا کہ ابوسفیان کہتا تھا کہ اللہ کی قسم میں نے کبھی کسی قوم کو اپنے ساتھی سے اس قدر زیادہ محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر محمد ﷺ کیساتھ ان کے اصحاب نے کی، (طبقات ابن سعد ج اص ۲۶۵)

۹۰ سال بعد فتح بیت المقدس کے موقع پر مسلمانوں کا تاریخی ظرف

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آ گیا جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح، قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ! سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے متحمل نہیں تھے۔

اسی سال ۵۸۳ھ ۲۷ رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے ۹۰ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

یہ عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لیے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی اور مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور

کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا۔ ہر طرف دعا تحلیل وتکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی قبہ صحرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی ایک عجیب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آرہی تھی۔

نورالدین زنگی رحمہ اللہ نے بیت المقدس کے لیے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلائے گا تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدین رحمہ اللہ نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔

صلاح الدین رحمہ اللہ نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا وہ عیسائی مؤرخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یروشلم مسلمانوں کے حوالے کیا جارہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کے ظلم وزیادتی کو روکتے تھے اور اس کا نتیجہ تھا کہ کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو پیش نہ آیا۔ شہر کے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرا تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا، کہ ہر شہر والے کو جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہے باہر جانے دے۔

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور بالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے پر تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی

خیرات کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں ۔اور یہ سب باب البعر رسے نکلنے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر و خیرات تھی جو صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اس طرح صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا ،جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتیں ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ھ میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج۱ص ۲۶۷-۲۶۸)

فصاحت و بلاغت سے لبریز القدس کی فتح پر تاریخی خطبہ

جب سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ حلب کا مالک بنا تو اس نے اسی سال ۱۳ ربیع الآخر کو محی الدین کو اس کا قاضی بنا دیا، اور اس نے وہاں زین الدین بن ابوالفضل بن ابی بناسی کو نائب مقرر کیا، اور جب سلطان نے قدس شریف کو فتح کیا، تو جو علماء آپ کی خدمت میں حاضر تھے، ان میں سے ہر ایک نے جمعہ کے دن خطابت کی طرف گردن بلند کر کے دیکھا، اور ان میں سے ہر ایک نے اس خواہش پر ایک فصیح خطبہ تیار کیا کہ وہ اس پر مقرر ہو، پس قاضی محی الدین کے پاس حکمنامہ گیا کہ وہ خطبہ دے، سلطان اور اس کی حکومت کے اعیان حاضر ہوئے اور یہ واقعہ پہلے جمعہ کا ہے جو قدس میں فتح کے بعد پڑھا گیا۔اور جب آپ منبر پر چڑھے تو آپ نے سورۃ فاتحہ سے آغاز کیا اور اسے اول سے آخر تک پڑھا پھر فرمایا! ''**فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للّٰہ رب العلمین**'' پھر آپ نے سورۂ انعام کی پہلی آیت پڑھی ''**الحمد للّٰہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور**'' پھر سورۂ سبحان پڑھی

''وقل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدا'' پھر آپ نے سورۂ کہف کے شروع سے ''الحمد للّٰہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب'' تین آیات پڑھیں۔ پھر سورۂ نحل سے ''قل الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی'' پڑھی۔ پھر سورۂ سبا سے ''الحمد للّٰہ الذی لہ ما فی السموات'' پڑھی۔ پھر سورۂ فاطر سے ''الحمد للّٰہ فاطر السموات والارض'' پڑھی۔ اور آپ کا مقصد قرآن کریم کی تمام تحمیدات پڑھنا تھا۔ پھر اس نے خطبہ شروع کیا اور فرمایا اس خدا کا شکر ہے جو اپنی مدد سے اسلام کو عزت دینے والا ہے، اور شرک کو اپنے غلبے سے ذلیل کرنے والا ہے، اور اپنے حکم سے امور کو بدلنے والا ہے، اور اپنے شکر سے نعمتوں کو دوام بخشنے والا ہے، اور کفار کو اپنی تدبیر سے مہلت دینے والا ہے، جس نے اپنے عدل سے زمانے کو بدلنے کا فیصلہ کیا ہے، اور اپنے فضل سے انجام متقین کے لیے بنایا ہے، اور بندوں پر اپنا سایہ کیا ہے، اور اپنے دین کو سب ادیان پر غالب کیا ہے، وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، اسے کوئی رکاوٹ نہیں کی جاتی، اور وہ اپنی مخلوق پر غالب ہے، اس سے جھگڑا نہیں کیا جاتا، اور وہ جو چاہے حکم دینے والا ہے، اس سے گفتگو نہیں کی جاتی، اور جو چاہے فیصلہ کرے اسے کوئی ہٹانے والا نہیں، میں اس کے کامیابی اور غلبہ دینے پر، اور اپنے اولیاء اور اپنے انصار کی مدد کرنے پر، اور اپنے مقدس گھر کو شرک کے گند سے پاک کرنے پر، اس کی ایسی تعریف کرتا ہوں جو حمد کے باطنی راز اور ظاہر کو سمجھتا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ لم یلد ولم یولد ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

یہ شہادت اس شخص کی ہے جس کا دل توحید سے پاک کیا گیا، اور اس کے رب نے اسے اس کے لیے پسند کیا ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور جو شک کو دور کرنے والے ہیں، اور شرک کو مٹانے والے

ہیں، اور جھوٹ کو رُسوا کرنے والے ہیں، جنہیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اسراء کرایا گیا۔ اور وہاں سے آپ کو بلند آسمانوں تک سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے، نگاہ میں خلل نہیں آیا اور نہ وہ حد سے بڑھی ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، جو ایمان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، اور امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب پر، جو اس کے گھر سے صلیب کے شعار کو دور کرنے والے ہیں، اور امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ ذوالنورین جامع القرآن پر، اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ بن ابی طالب پر، جو شرک کو دور کرنے والے اور بتوں کو توڑنے والے ہیں۔ اور آپ کے آل واصحابؓ اور تابعین رحمھم اللہ پر رحم کرے۔

اے لوگو! اللہ کی اس رضا مندی سے خوش ہو جاؤ جو غایت قصویٰ اور بلند درجہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں گم کردہ راہِ امت سے اس گم شدہ چیز کی واپسی کو آسان کیا ہے اور اسے تقریباً ایک سو سال تک مشرکین کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے بعد اسلام میں اس کی جگہ پر واپس کیا ہے۔ اور اس گھر کو پاک کیا ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے بلند کیا جائے، اور اس میں اس کا نام لیا جائے، اور شرک کو اس سے مٹایا جائے، حالانکہ اس سے قبل اس کے پردے اس پر دراز ہو گئے تھے، اور اس کے نشان اس میں قائم ہو گئے تھے۔ اور اس کی بنیادوں کو توحید سے بلند کیا اور اسے تجسید سے پست کیا اور اس نے آگے پیچھے سے اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی، اور وہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا وطن ہے اور تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مزد بان ہے، اور تمہارا وہ قبلہ ہے جس کی طرف ابتدائے اسلام میں تم منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور وہ انبیاء کا مقر اور اولیاء کا مقصد، اور رسولوں کا مدفن اور وحی کا مہبط، اور امر و نہی کے نزول کی فرودگاہ ہے، اور وہ حشر ونشر کی جگہ ہے، اور وہ اس ارض مقدسہ میں ہے جس کا ذکر

خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں کیا ہے، اور وہ مسجد اقصےٰ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ مقربین کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اور یہ وہ شہر ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول اور مریم کی طرف القاء کرنے والے کلمہ اور اپنی روح عیسیٰ کو بھیجا، جسے اس نے اپنی رسالت و نبوت سے مشرف کیا ہے۔ اور اسے اس کی عبودیت و مرتبہ سے نہیں ہٹایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللّٰہ و لا الملئکۃ المقربون ۔ اللہ کا شریک بنانے والوں نے جھوٹ بولا ہے اور وہ دور کی گمراہی میں پڑ گئے ہیں ۔ ما اتخذ اللّٰہ من ولد وما کان معہٗ مِن الٰہٍ اِذا لّذھب کلُّ الٰہٍ بما خلق ولعلا بعضُھم علٰی بعض سبحٰن اللّٰہ عما یصفون ۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم ۔ اور وہ اول القبلتین، ثانی المسجدین اور ثالث الحرمین ہے اور دونوں مسجدوں کے بعد اس کی طرف سفر ہوتا ہے اور دونوں جگہوں کے بعد اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور اگر تم اللہ کے منتخب اور خاص بندوں میں سے نہ ہوتے تو وہ تمہیں اس فضیلت سے مخصوص نہ کرتا، جس میں کوئی مقابلہ کرنے والا تم سے مقابلہ نہیں کر سکتا، اور نہ اس کے شرف کا کوئی سبقت کرنے والا تم سے سبقت کر سکتا ہے، پس تمہیں مبارک ہو جن کے ہاتھوں پر معجزات نبویہ اور واقعات بدریہ اور عزمات صدیقیہ اور فتوحات عمریہ اور جیوش عثمانیہ اور حملات علویہ ظاہر ہوئے ہیں ۔ تم نے اسلام کے لیے ایام قادسیہ، معارک یرموکیہ مقابلات خیبریہ اور حملات خالدیہ کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نبی کی جانب سے بہترین جزاء دے۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں تم نے جو جان نثار کی ہے اس کے لیے تمہارا شکریہ ہے، اور تم نے جو خون بہائے ہیں وہ انہیں تم سے قبول کرے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت دے، جو سعداء کا گھر ہے، پس اس نعمت الٰہی کی صحیح قدردانی کرو اور اللہ کے شکر واجب کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں

اس نعمت سے مخصوص کیا ہے اور تمہیں اس خدمت کے لیے مقرر کیا ہے۔

اور یہ وہ فتح ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے ہیں اور اس کے انوار سے تاریکیوں کے چہرے چمک اُٹھے ہیں، اور ملائکہ مقربین اس سے خوش ہوئے ہیں، اور اس سے انبیاء اور مرسلین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں۔ پس یہ تم پر کیسی نعمت ہے کہ اس نے تمہیں وہ موج بنایا ہے جس کے ہاتھوں آخری زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا ہے اور وہ سپاہی بنایا ہے جس کی تلواروں سے نبوت کے کچھ عرصہ بعد ایمان کے نشانات قائم ہوئے ہیں، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں اس قسم کی اور فتوحات دے، اور زمین کے باشندوں سے زیادہ آسمان والوں کو خوشی ہو۔ کیا یہ وہ گھر نہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اپنے محکم خطاب میں اس کی تصریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! **سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجدِ الحرامِ الی المسجدِ الاقصیٰ**۔ کیا یہ وہ گھر نہیں جس کی ملتوں نے تعظیم کی ہے، اور رسولوں نے اس کی تعریف کی ہے، اور اس میں خدا کی طرف سے اتاری گئی چاروں کتابیں پڑھی گئی ہیں؟ کیا یہ وہ گھر نہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یوشع (علیہ السلام) پر سورج کو غروب ہونے سے روک دیا، اور اس کے پاؤں میں ڈوری ڈال دی تاکہ اس کی فتح آسان اور قریب ہو جائے؟ کیا یہ وہ گھر نہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو اس کے چھڑانے کا حکم دیں، اور صرف دو آدمیوں نے آپ کی بات مانی اور اس کی وجہ سے اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں نافرمانی کی سزا میں (وادیٔ) تیہ میں ڈال دیا، پس اللہ کی تعریف کرو، جس نے بنی اسرائیل کو اس کے ہٹنے کی وجہ سے تمہارے عزائم کو نافذ کیا حالانکہ انہیں عالمین کی فضیلت دی گئی تھی۔ اور اس میں تم سے پہلی امتوں کو چھوڑ کر تمہیں توفیق دی، اور اس کی وجہ سے تمہیں متحد کیا، حالانکہ تم متحد نہ تھے اور نازل ہونے والے ملائکہ نے تمہارا شکریہ

ادا کیا ہے کہ تم نے اس گھر کے لیے توحید کی خوشبو اور تقدس و تمجید کا تحفہ دیا ہے، اور تم نے اس کے راستے سے شرک تثلیث، اور خبیث و گندے اعتقاد کی تکلیف کو دور کیا ہے۔

اب آسمان کے فرشتے تمہارے لیے استغفار کرتے ہیں اور تم پر درود پڑھتے ہیں، پس تم اس موہبت کا خیال رکھو اور اس نعمت کی تقویٰ سے حفاظت کرو، جس نے اس سے تمسک کیا ہے، وہ بچ گیا ہے، اور جس نے اس کے کپڑے کو پکڑا ہے نجات پا گیا ہے اور خواہش کی پیروی اور ہلاکت کے حملے اور رجعت قہقری اور دشمن سے پیچھے ہٹنے سے محتاط رہو۔ اور موقع کی تلاش میں اور جو پھندا باقی رہ گیا ہے اس کے ازالہ میں لگے رہو، اور راہ حق میں خوب جہاد کرو، اور اے بندگان خدا! اپنے آپ کو اس کی رضا کی خاطر فروخت کر دو کہ اس نے تم کو اپنے بہترین بندوں میں سے بنایا ہے، اور شیطان کے پھسلانے اور طغیان کے تداخل سے بچو، کہ وہ تم کو یہ تصور دے کہ یہ فتح تمہاری فولادی تلواروں اور عمدہ گھوڑوں اور شمشیرزنی کی جگہوں پر تمہاری شمشیرزنی کی مرہون منت ہے۔ قسم بخدا! یہ عزیز و حکیم خدا کی طرف سے ہے، اللہ نے تم کو اس فتح جلیل اور عطیر جزیل سے مشرف کیا ہے اور اپنی واضح فتح سے تم کو مخصوص کیا ہے، اور اس نے تمہارے ہاتھوں کو اپنی مضبوط رسی سے پیوست کر دیا ہے، اے بندگان خدا! تم اس کے بعد اس کے کبیرہ مناہی کے ارتکاب سے اور اس کی عظیم نافرمانیوں سے بچو، تمہاری حالت اس عورت کی ہو جائے گی جس نے اپنے سوت کو مضبوط بٹنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس شخص کی مانند ہو جائے گی جسے ہم نے اپنے نشانات دیئے تو وہ ان سے الگ ہو گیا اور شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو وہ گمراہ ہو گیا۔

اور جہاد تمہاری افضل عبادت ہے اور اشرف عادت ہے، اللہ کی مدد کرو، وہ تمہاری مدد کرے گا، بیماری کا قلعہ قمع کرنے، اور دشمنوں کی بیخ کنی کرنے میں خوب کوشش کرو اور بقیہ زمین کو ان نجاستوں سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کو ناراض کر دیا ہے، پاک کر دو۔ اللہ کو یاد کرو، وہ تم کو یاد کرے گا، اللہ کا شکر کرو، وہ تم کو زیادہ دے گا اور تمہاری قدر دانی کرے گا، اور کفر کی شاخوں کو کاٹ دو، اور اس کی جڑوں کو اُکھیڑ دو، زمانے نے اسلامی حملوں اور ملت محمدیہ کا نعرہ لگا دیا ہے، اللہ اکبر ، اللہ کی فتح اور مدد، اللہ کا غلبہ، کفر کرنے والے کو اللہ ذلیل کر دے گا، اللہ تم پر رحم کرے ، یاد رکھو، یہ موقع ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ، اور شکار ہے اس سے مقابلہ کرو، غنیمت ہے اسے حاصل کرو، اہم امر ہے اس کے لیے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ۔ اور اس کی طرف اپنے عزائم کے دستے بھجواؤ۔ اور امور اپنے انجام کے لحاظ سے ہیں اور کمائی اپنے ذخائر کے لحاظ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مخذول دشمن پر تمہیں فتح دی ہے، اور وہ تمہاری مثل ہیں یا زیادہ ہیں، اور یہ کیسے ہوا کہ تم میں سے بیس ایک کے سامنے ہوئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ا(ن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفامن الذین کفروا بانهم قوم لایفقهون)۔ اللہ ہماری اور تمہاری اپنے اوامر کی اتباع میں مدد کرے اور اس کے زواجر سے رُکنے میں مدد دے۔ اور اپنی جناب سے ہم مسلمانوں کی مدد کرے(ان ینصرکم اللّٰه فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذاالذی ینصرکم من بعده)بہترین بات وہ ہے جو موقع پر کہی جائے اور بہترین تیر گفتگو کی کمان سے نکلتا ہے، اور کارگر قول واحد و یگانہ عزیز وعلام کا قول ہے جسے افہام جائز قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے(واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم تُرحمون) ۔اور آپ نے سورۃ حشر کے شروع سے پڑھا، پھر فرمایا میں تمہیں اپنے آپ کو حکم الٰہی کے مطابق حسن اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ پس تم اس کی اطاعت کرو، اور تمہیں اپنے آپ کو معصیت کی بُرائی سے روکتا ہوں، پس تم اس کی نافرمانی نہ کرو، اور میں اپنے لیے تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں

،پس تم بھی اس سے بخشش طلب کرو۔

پھر آپ نے خطباء کے دستور کے مطابق ،دوسرا خطبہ مختصر دیا۔پھر اس زمانے کے خلیفہ امام ناصر کے لیے دعا کی۔پھر فرمایا اے اللہ!اپنے بندے کے اقتدار کو جو تیری ہیبت کے سامنے فروتن ہے اور تیری نعمت کا شکر گزار ہے اور تیری بخشش کا معترف ہے اور تیری شمشیر بُراں ہے اور تیرا روشن ستارہ ہے اور تیرے دین کا محافظ ہے اور تیرے حرم کا دفاع کرنے والا ہے،عظیم سردار ملک ناصر جامع کلمہ ایمان اور قامع پرستاران صلیبان ،صلاح الدنیا و الدین، سلطان الاسلام والمسلمین ،بیت المقدس کے پاک کرنے والے ابوالمظفر یوسف بن ایوب امیر المؤمنین کی حکومت کو زندہ کرنے والے کے اقتدار کو دوام بخش۔اے اللہ!اس کی وسیع حکومت کو پھیلا دے۔اور اپنے فرشتوں کو اس کے جھنڈوں کا محافظ بنا دے،اور دین حنیف کی طرف سے اسے بہتر جزاء دے ،اور ملت محمدیہ کی طرف سے اس کے عزم کا شکریہ ادا کر،اے اللہ!اسلام کی خاطر اس کی جان کو بقاء دے،اور ایمان کی خاطر اس کی طبیعت کو محفوظ رکھ،اور مشارق ومغارب میں اس کی دعوت کو یوں پھیلا دے جیسے تو نے اس کے ہاتھوں بدظنیوں کے بعد بیت المقدس کو فتح کیا ہے۔اور مؤمنین کی آزمائش کی گئی ہے۔

پس تو زمین کے دور ونزدیک علاقوں کو اس کے ہاتھ پر فتح کر،اور کفر کے قلعوں اور ان کی پیشانیوں پر اسے قبضہ دلا،اور ان کا جو لشکر اس سے جنگ کرے،وہ اسے فنا کر دے،اور پراگندہ کردے،اور یکے بعد دیگرے دستوں کو پہلوں کے ساتھ ملا دے۔

اے اللہ!محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کی سعی کا شکریہ ادا کر،اور مشرق و مغرب میں اس کے امر و نہی کو نافذ کر دے،اور اے اللہ!بلاد کے اوساط واطراف اور حکومتوں کے اکناف کی اس کے ذریعے اصلاح کر دے،اے اللہ!کفار اور فجار کو اس کے ذریعے ذلیل کر،اور شہروں پر اس کی حکومت کے سرداروں کو پھیلا دے،اور اس

کے سپاہیوں کے دستوں کو اطراف کے راستوں پر پھیلا دے، اے اللہ! اسے اور اس کی اولاد کو یوم الدین تک حکومت میں قائم رکھ، اور اس کے بیٹوں اور اس کے باپ کے بادشاہ بیٹوں کا خیال رکھ۔ اور ان کی بقاء سے اس کا بازو مضبوط کر، اور اس کے اور ان کے مددگاروں کے اعزاز کا فیصلہ کر، اے اللہ! جیسے تو نے اس کے ہاتھوں اسلام میں زمانے تک باقی رہنے والی نیکی دی ہے، اسے وہ ابدی حکومت بھی دے جو دار الیقین میں بھی ختم نہ ہو اور اس کی دعا۔

''رب أوزعني ان اشكر نعمتک التی أنعمت علیّ وعلٰی والدیّ وأن اعمل صالحاً ترضاهُ. وأدخلني برحمتک في عبادک الصالحين'' کو قبول فرما، پھر آپ نے دستور کے مطابق دعا کی۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۴ ص ۵۹۵ تا ۶۰۱)

علماء اور دین کی برکت سے سلطان خلجیؒ کا تاریخی حسن انتظام

سلطان علاؤالدین جب قلعہ رنتھمبور فتح کر کے دہلی پہنچا تو پہلے خود شراب خوری سے توبہ کی اور پھر شہر دہلی اور پوری قلمرو ہند میں بذریعہ منادی اعلان کرا دیا کہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی حدود حکومت سے نہایت کامیابی کے ساتھ شراب خوری کا نام و نشان مٹا دیا۔

خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا، تحصیلدار و پٹواری مقرر کر کے زمینداروں سے نقد خراج وصول کرنے کا ضابطہ موقوف کر دیا، اور بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا، اور غالباً لفظ پٹواری اس بٹوارہ سے ماخوذ ہے، یعنی خراج مؤظف (مقرر رقم) کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی (بٹائی) مقرر کر دیا۔

(ف) عام مؤرخین نے اس نئے قانون کو بھی علاؤالدین خلجیؒ کے حسن انتظام میں شمار کیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ شرعاً اس کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ خراج مؤظف کو خراج

مقاسمہ (بٹائی) کی صورت میں تبدیل کرے، کیونکہ یہ نقض عہد ہے جو حرام ہے۔رد المختار کتاب الخراج میں بحوالہ کافی نقل کیا ہے۔**و فی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف الیٰ خراج المقاسمة اقول و کذلک عکسه فیما یظهر من تعلیله لانه قال لان فیه نقض العهد و هو حرام** ۔البتہ یہ بات اس کے حسن انتظام کی تھی کہ اس نے تمام محکموں میں کڑی نگرانی شروع کی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو کاشتکار سے ایک حبہ زیادہ وصول کر سکے ۔رشوت قطعاً موقوف ہوگئی۔جھوٹ بولنے کی سزا سخت مقرر کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدود حکومت سے کذب و دروغ کا نام ونشان مٹ گیا، غارت گری اور لوٹ مار کا استیصال پورے طور پر کر دیا۔ بہار سے پنجاب وسندھ تک تمام سڑکیں اور راستے اس طرح محفوظ تھے کہ ایک عورت سونا اچھالتی چلی جائے تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ارزانی ہوگئی کہ گندم ساڑھے سات جیتل کے ایک من آتے تھے۔جیتل تانبے کا سکہ تھا، ایک روپیہ کے چالیس جیتل ہوتے تھے۔یعنی فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے۔

تمام ملک میں کھیتی ہونے لگی اور زمین کا کوئی قطعہ بنجر باقی نہ رہا، یہ سب انتظامات صرف دو سال کے عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئے ۔اس حیرت انگیز کامیابی کا سبب صرف یہ تھا کہ دہلی میں ذی علم تجربہ کار لوگوں کی کثرت تھی، اور تخت نشین ہونے کے بعد علاؤالدین اس زمانے کے ذی علم اور باخدا لوگوں سے مشورہ لینے میں تامل نہ کرتا تھا، اور ہر اہم کام میں علماء سے مشورہ کرتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ باوجود خود جاہل ہونے کے اس کے عہد میں کارہائے نمایاں وجود میں آئے۔

مقدموں (نمبرداروں) اور رشوت خوار اہلکاروں کا طبقہ درمیان سے بالکل مرتفع ہوگیا تھا۔اور باوجود اس کے کہ رعایا سے زرلگان یا کسی قسم کا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا

تھا۔سلطان لشکر کی تعداد پونے پانچ لاکھ سواروں پر مشتمل تھی۔

اس جاہل بادشاہ کے عہد حکومت میں علماء اور ہر علم وفن کے باکمال لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ کسی دوسرے زمانہ میں نظر نہیں آئی۔

(آئینۂ حقیقت نما ص ۳۱۱۔فتوح الہند ص ۸۸۔۸۹)

سلطان التمش کی قاضی حمید الدین سے تاریخی وفاداری

سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراختائی سے تھے، جبکہ باپ قبیلہ اکبری سے تھا جو اپنے قبیلہ میں نامور اور بہادر شخص تھا۔التمش شروع سے غلام رہا ہے اور مختلف ہاتھوں میں فروخت ہوتا رہا، آخر میں سلطان قطب الدین ایبک نے خرید لیا اور اپنی فرزندی میں لینے کے بعد جب گوالیار فتح ہوا تو وہاں کی حکومت اُن کو دے دی، جب بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تو سلطان ایبک نے اپنی صاحبزادی کا نکاح التمش سے کردیا۔سلطان کی اچانک موت کے تقریباً ایک سال بعد دہلی کا تخت وتاج سنبھال لیا۔بہت ہی متقی انسان تھے۔یہاں تک کہ ساری زندگی کوئی حرام کام نہیں کیا، اور سنت ہائے نماز عصر قضاء نہیں ہوئی، وقت کے قاضی سے التمش کی وفاداری کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ (از مؤلف)

سلطان نے ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے، لیکن جب سماع سننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا کہ جس مکان میں محفل سماع ہوگی اس مکان کا مالک جوابدہ ہوگا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ دہلی آئے۔ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی اگر چند دن نہ سنتے تو کبیدگی طبیعت میں رہتی۔صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔

قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سنے عرصہ ہوگیا تھا اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی، اس لیے میں نے ایک مکان دار سے معاملہ کیا کہ وہ

مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے، مکاندار راضی ہو گیا اور میں نے اس مکان میں محفل سماع شروع کرائی، قوالی کی آواز پر محتسب آ گیا اور اس نے تمام اہل مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہٰذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محتسب نے جواب دیا، جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے، برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلئے، میں نے مناسب خیال کیا کہ بجائے محتسب سے الجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیے۔ چنانچہ محتسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہنچا۔ وہ دربار میں بہ شان وشوکت بیٹھا ہوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھا رہی تھی، سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے، دوسری طرف علماء ومشائخ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہیں پایا، اور یاد آ گیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا، اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لیے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔

سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا، سلطان نے کہا کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلس سماع میں نے اپنے پایہ تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے؟

میں نے کہا مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے۔ اہل مجلس یا صاحب مجلس ذمہ دار نہیں ہے، اس لیے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس نے کہا کہ تم میرے سامنے حیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دوسروں کے مقابلے میں سخت سزا دینی چاہیے۔ بادشاہ کا یہ بیان سن کر میں نے کہا! اور سلطان بھی میری سزا میں، جو میرے لیے تجویز ہے برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم

ہے، جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان نے بھی ساری رات قوالی سنی تھی اور اس پر وجد بھی طاری ہوا تھا۔ سلطان یہ سن کر طیش میں آ گیا اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو، میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی۔

میں نے کہا سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے، ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سنئے، میں جھوٹ نہیں بولتا بلکہ چشم دید اور گوش شنید گواہی دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سنتے اور جھومتے ہوئے دیکھا، میری اس بے باکانہ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا، قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

''قاضی یہ ذکر کب کا ہے''

میں نے کہا! سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چاروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں، جب عالم غیب کے دربار میں ان اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لیے تیار کرایا گیا، اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ محفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔

سلطان التمش نے قاضی کے سامنے نظریں جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ کر کہا'' تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا''۔ میں نے کہا'' اے سلطان! یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے، میں بغداد کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا مگر اے سلطان! اس رات بھی آپ غلام نہ تھے اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر ہیں جو مایوس غلاموں کو آزاد کرتا رہتا ہے، اس رات بھی آپکی صورت و سیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے۔

سلطان آبدیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے نزدیک آ کر بیٹھئے

اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا اور کہنے لگا:

''مجھ کو ایک ایک کر کے سب باتیں رات کی یاد آ گئیں اور مجھے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر و اجابت نے مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے، اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ ہم نے اپنے دونوں احکام منسوخ کئے۔ آئندہ محفل سماع کی روک ٹوک نہیں ہے۔ تمام اہل مجلس رہا کر دیئے گئے۔

قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا ''حضور کا قیام کہاں ہے''؟

قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین اوشی کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔

سلطان سن کر تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں ان کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد ہیں تو میرے بھی استاد ہیں۔ آپ کو بعزت و احترام رخصت کیا۔ پھر جب کبھی قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے، (بادشاہ) تعظیم و توقیر سے پیش آیا کرتا۔ (تاریخ ملت ج ۲ ص ۳۲۷ تا ۳۲۹)

حجاز مقدس کی سوہنی دھرتی تاریخی تناظر میں

سعودی عرب کی سوہنی دھرتی کو روزِ اول سے ہی اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین سرزمین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام یہاں تشریف لائے۔ دنیا میں اللہ کا پہلا گھر ''بیت اللہ'' یہاں قائم ہوا۔ صدیوں بعد اس کی تعمیر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل نے کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بڑے بڑے پیغمبر اور انبیائے کرام یہیں مبعوث ہوئے۔ چاروں آسمانی کتابیں ان پر نازل ہوئیں۔ آج بھی دنیا کی نصف آبادی سے زائد مسلمان، عیسائی اور یہودی ان کے نام لیوا ہیں۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ بھی (۵۷۱ء) کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

۴۰ سال کی عمر میں اللہ کی طرف سے نبوت عطا کی گئی۔اس کے بعد ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں گزرے۔پھر مدینہ منورہ ہجرت کی اور ریاست اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔عہد رسالت میں اسلامی سلطنت مدینہ، تہامہ، جناد، مکہ، موت، عمان اور بحرین کے صوبوں پر مشتمل تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ؓ کی خلافت میں مدینہ منورہ دارالخلافہ رہا۔حضرت علی ؓ کی خلافت میں مدینہ منورہ سے دارالخلافہ کوفہ منتقل ہوا۔ان کے بعد خلافت بنوامیہ، بنوعباس اور عثمانی خلفاء کو اس پاک سرزمین کی خدمت کرنے اور برکتیں سمیٹنے کی سعادت حاصل رہی۔موجودہ سعودی سلطنت عرب کے اندر ۱۷۴۴ء میں ابھر کر سامنے آئی۔ ریاض کے قریبی قصبہ ''الدرعیہ'' کے حاکم محمد بن مسعود نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ مل کر ایک نئی سیاسی شناخت قائم کی۔آنے والے ۱۵۰ سالوں میں مختلف حاکموں یعنی مصریوں اور عثمانیوں سے وقتاً فوقتاً اختیارات کے معاملے پر کھینچا تانی مسلسل ہوتی رہی۔۱۸۹۱ء میں عثمانی حکمرانوں نے ''آل سعود'' کو ریاض سے نکال کر اقتدار ان کے دیرینہ حریف ''ابن راشد'' کے سپرد کر دیا۔امیر عبدالرحمٰن بن فیصل آل سعود اپنے ۴ بیٹوں سمیت کویت چلے گئے۔ان کے سب سے بڑے بیٹے عبدالعزیز نے ۲۲ سال کی عمر میں ۴۰ جانباز سپاہیوں کے ہمراہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء کو ریاض پر اچانک حملہ کر کے اپنے خاندان کا اقتدار دوبارہ بحال کر لیا۔اس کے بعد الاحسا، القطیف، بقیہ نجد اور حجاز پر ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۶ء تک کنٹرول حاصل کر لیا۔۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ کی بساط بالکلیہ لپیٹ دی گئی۔۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو شاہ عبدالعزیز ابن سعود حجاز کے بادشاہ بن گئے۔۲۹ جنوری ۱۹۲۷ء کو انہوں نے سلطان کی بجائے ''شاہ نجد'' کا لقب اختیار کر لیا۔۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کو ''معاہدہ جدہ'' پر دستخط ہوئے۔برطانیہ نے شاہ عبدالعزیز کی خود مختار ''سلطنت نجد و حجاز'' کو تسلیم کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں الاحسا، القطیف، نجد اور حجاز کے بڑے بڑے علاقے ''سلطنت سعودی

عربیہ" کے نام سے متحد ہو گئے۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء۔ سلطنت کی وحدت وجود میں آئی۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء ہی سعودیہ کا قومی دن ہے۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی اور تیل کی نکاسی کا کام تعطل کا شکار ہو گیا۔ جنگ کے خاتمے پر ۱۹۴۶ء میں تیل کی نکاسی پھر شروع ہوئی جو ۱۹۴۹ میں اپنے جوبن پر پہنچ گئی جس سے ملک میں اقتصادی استحکام آیا۔ شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد ۱۹۵۳ء میں ان کا بڑا بیٹا "شاہ مسعود" بادشاہ بنا۔ ۱۹۶۲ء میں ملک سے غلامی کا خاتمہ کر لیا گیا۔ ۱۹۶۴ میں شاہ مسعود کی جگہ "شاہ فیصل" اقتدار میں آئے جو ۱۹۷۵ء میں اپنے ہی بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اس کے بعد شاہ خالد نے زمام حکومت سنبھالی اور یہ ۱۹۸۲ء میں فوت ہو گئے۔ شاہ خالد کے بعد "شاہ فہد" سعودی عرب کے بادشاہ ہو گئے۔ ۲۰۰۵ء میں شاہ فہد کے انتقال کے بعد سے "شاہ عبداللہ" خادم الحرمین شریفین کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ سابقہ حکمرانوں کی طرز اور روش پر حجاج کرام اور حرمین شریفین کی دل کھول کر خدمت کر رہے ہیں۔

(روزنامہ اسلام)

وفد فزارہ کے کہنے پر دعائے پیغمبر ﷺ اور تاریخی بارش

ابو وجزۃ السعدی سے روایت ہے کہ جب ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو بنی فزارہ کے انیس آدمیوں کا ایک وفد دُبلے اونٹوں پر آیا۔ جس میں خارجہ بن حصن حر بن قیس بن حصن بھی تھے، یہ (حر بن قیس) ان سب میں چھوٹے تھے، یہ لوگ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وطن کا حال دریافت فرمایا تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے وطن میں قحط سالی ہے مویشی ہلاک ہو گئے اطراف خشک ہو گئے اور ہمارے بچے بھوکے مر گئے، لہٰذا اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا

فرمایئے۔

رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اپنے شہر اور جانوروں کو سیراب کر دے، اپنی رحمت کو پھیلا دے اور مردہ شہر کو زندہ کر دے، اے اللہ ہمیں ایسی بارش سے سیراب کر دے جو مدد کرنے والی، مبارک، سرسبز، شبانہ روز وسیع ،فوری، غیر تاخیر کنندہ، اور مفید ہو، اے اللہ! ہمیں باران رحمت سے سیراب کر دے، نہ کہ باران عذاب سے، یا منہدم اور غرق کرنے اور مٹانے والی بارش سے، اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کرا اور ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

اس دعا کے بعد اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کو چھ دن تک آسمان نظر نہ آیا، رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! (اب) ہمارے اوپر نہ ہو، ہمارے اطراف ٹیلوں پر، زمین سے ابھرے ہوئے پتھروں پر، وادیوں پر اور جھاڑیوں پر ہو، (پھر) مدینہ سے (بادل) اس طرح پھٹ گیا جس طرح کپڑا پھٹ گیا ہو۔

(طبقات ابن سعد حصہ دوم ص ۴۱۰)

امیر المؤمنین ؓ کا دریائے نیل کے نام تاریخی خط

عمرو بن عاص ؓ نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں قدیم ایام سے ایک دستور جاری تھا، ہر سال بونہ (قبطی مہینہ) کی بارہ تاریخ کو قبطی ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے تھے اور اس دن کو عید قرار دے کر بڑی خوشی مناتے تھے، دوسری بت پرست قوموں کی طرح وہ بھی دریائے نیل کو دیوتا مانتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر دریائے نیل کو لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور پانی نہ دے گا۔

عمرو بن عاص ؓ کے پاس قبطیوں کا وفد آیا۔ انہوں نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت طلب کی، عمرو بن عاص ؓ نے اس ''خون ناحق'' کو جائز نہ رکھا اور قبطیوں

سے کہہ دیا کہ ''اسلام نے ان خرافات کو باطل کر دیا ہے۔''

کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ دریائے نیل نے پانی نہ دیا اور اہل مصر کو زراعت میں مشکلات پیدا ہو گئیں، حتیٰ کے بعض قبیلوں نے جن کا دارومدار زراعت پر تھا، ترک وطن کا ارادہ کر لیا۔ عمرو بن عاص ﷺ نے تمام حالات حضرت عمر ﷺ کو لکھ بھیجے اور ان سے ہدایت طلب کی، حضرت عمر ﷺ نے عمرو بن عاص ﷺ کو جواب دیا کہ تم نے قبطیوں سے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ میں تمہیں ایک خط بھیجتا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمر ﷺ کے خط کا مضمون یہ تھا۔

''اللہ کا بندہ اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیل مصر کے نام۔ اما بعد، اے نیل! اگر تو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ، لیکن اگر تیری روانی کا سر رشتہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے مطابق یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر پانی آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔

اشہر مشاہیر الاسلام ج ۳ ص ۶۰۹

امت کے مختلف طبقات سے امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ تاریخی خطبات

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے امت کے مختلف طبقات سے خصوصی خطاب کئے ہیں، جن میں امام موصوف نے سلاطین اسلام، امراء وارکان دولت، فوجی سپاہیوں، مشائخ کی اولاد اور غلط کار علماء، اور واعظوں کی دکھتی رگوں پر انگلی رکھی ہے۔ چند خطبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ تاریخ کے طالب علم اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے انسان کے لیے مشعل راہ ہے، طوالت ضرور ہے مگر...... اپنا چہرہ آئینہ

میں دیکھنا بھی ضروری ہے۔ (از مؤلف)

سلاطین اسلام سے خطاب

اے بادشاہو! ملأ اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائیں، اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں، اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اُٹھا سکیں "وقاتلوهم حتىٰ لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله" (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے مخصوص ہو جائے۔) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے، تب تمہیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے۔ نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعے سے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔ چاہیے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں۔ ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار

کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہوں، ہر سرکش اور متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو۔ اے بادشاہو! جب تم یہ کرلو گے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم، لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد لوگ امن وامان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہوسکتے ہیں۔

امراء وارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے، تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں۔ کیا تم اعلانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو بُرا بھی نہیں سمجھتے، تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لیے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے، اور شرابیں ڈھالی جائیں، جُوا کھیلا جائے، لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے، اور اس حال کو نہیں بدلتے، کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی، جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہیں، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو، اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد

زمانہ کا انقلاب ہے، کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کردے، یعنی زمانہ کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

فوجی سپاہیوں کو خطاب

اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لیے پیدا فرمایا تھا، مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی، اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا، اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لیے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے، اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو۔ اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو۔ تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو، ڈاڑھیاں منڈواتے ہو، اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔ خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو، چاہیے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کتواؤ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو، اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلے کے میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انہیں سیکھ لو، مثلاً قصر کرنا ، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے، اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا، پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑلو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔

اہل صنعت وحرفت سے خطاب

ارباب پیشہ! دیکھو امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے، تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہو چکے ہو، اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدر اور سالار کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی ان کی دولت ہے، اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرتے ہیں، خاص طرح سے کھانے کھاتے ہیں ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروانہیں کرتے۔ تم میں بعض صرف شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں، اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بد بخت آدمی ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر رہا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لیے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو، اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں بآسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہنچا دے، لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ جو بڑا بُرا اچھونا ہے۔

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو، اور دن کے بڑے حصے کو اپنے پیشہ میں صرف کرو، اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی مسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لیے پسماندہ بھی کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے۔ پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد اس زمانہ کے طلبۂ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی آپ نے

خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

اے وہ لوگو! جو اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو، یعنی گزشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بنٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے، اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے نازل فرمایا تھا، اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے، حالانکہ دراصل وہ خود گم کردۂ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں، ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں، کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے، دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ اور رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں، کذابوں، فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہئے کہ زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے۔ لوگو، دیکھو! کیا تمہارے لیے

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السّبُل فتفرّق بکم عن سبیلہٖ . (الانعام ۱۵۳)

''یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو، وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے''۔

پھر اس زمانہ کے طلبۂ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

غلط کار علماء سے خطاب

ارے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے، یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ چاہئے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ، اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضوء کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لیے کس طرح جاتے تھے، اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے ہاں کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو، مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں، زکواۃ کا نصاب کیا ہے؟ قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی

رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو، اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ، یہ دنیا کے علوم ہیں۔

پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں!

''جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جو علماء سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے''۔

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنہوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کے وسواسی معیار پر پورا نہیں اترتا گویا دین سے خارج ہے ۔اس گروہ میں زیادہ تر زہّاد، عبّاد، اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے، اس لیے عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے فرماتے ہیں۔

دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کج نشین زاہدوں سے خطاب

دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور واعظوں اور عابدوں اور ان کج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں، کہ یہ جبراً اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے، ہر بُری بھلی بات، ہر رطب ویابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ

کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو (اے امت محمدیہ) اس لیے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے، نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھدی جاتی ہیں، نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے، تم نے وسواس کو اپنے لیے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لیے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے، خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی، خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی، چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا اکرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے۔ وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے پھر تم کیا بتا سکتے ہو؟ کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ﷺ کیا کرتے تھے۔

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے فرماتے ہیں۔

عام امت مسلمہ سے جامع خطاب امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں، اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آز کا ہو، سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنا لیا ہے، اور حلال تمہارے

لیے بدمزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو ،خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہونچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں، جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہئے کہ کھانوں سے کرو، اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو، تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بوجھ نہ بن جاؤ، تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سمجھائے گا، جو تمہارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو، جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو، اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے چاہئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔ **(اللھم لک الحمد ولک الشکر)۔**

(از مؤلف)

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے، اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے، اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے، اور اللہ کی یاد

کے لئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے، کم از کم تین وقتوں صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے، حق تعالیٰ کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے، اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوے رسوم اختیار کر لئے ہیں، جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشوراء کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو، اور مردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں، جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرالیا ہے، یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں۔ تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں، اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں، تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے، اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے راہ غلط کردی ہے، اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے، تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بری عادت ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں، لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے، جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہوجاتے ہیں۔''

آخر میں فرماتے ہیں:

''ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے متعلق تقاضا ہورہا ہے، اس کا ایک طویل باب ہے، لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے، اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج:۵ ص:۳۲۶ تا ۳۳۹)

ایک معصوم لڑکی کی تاریخی حق گوئی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے غلام اسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ میں رات کو گشت کررہے تھے، ایک مکان سے آواز سنی کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے، دودھ میں تھوڑا سا پانی ملادے۔ لڑکی نے کہا۔ امیر المومنین نے ابھی تو تھوڑے ہی دن ہوئے منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی ملاکر فروخت نہ کرو، عورت نے کہا اب نہ یہاں امیر المومنین ہیں نہ منادی کرنے والا۔ لڑکی نے کہا۔ یہ دیانت کے خلاف ہے کہ روبرو تو اطاعت کی جائے اور غائبانہ خیانت۔ یہ گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت محظوظ ہوئے۔ لڑکی کی دیانت اور اس کی حق گوئی پر خوش ہوکر (جو درحقیقت انہی کے حق

پرست عہد حکومت کا نتیجہ تھی،) اپنے بیٹے عاصم کی اس سے شادی کر دی۔ اس لڑکی کے بطن سے ام عاصم پیدا ہوئیں، جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے نیک بخت اور عابد و زاہد خلیفہ کی والدہ تھیں۔

(ناقابل فراموش واقعات ص:۸۳)

اندلس کے ساحل پر تاریخی جنگ میں تاریخی فتح (ایمان افروز)

جب موسیٰ بن نصیر کو جولین اور ان کے ہمراہیوں کے بیان کی تصدیق ہوگئی تو اس نے طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کے نام حکم بھیج دیا کہ تم اپنی فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کرو۔ طارق اپنا سات ہزار لشکر کشتیوں میں سوار کر کے آبنائے جبل الطارق کے پار اندلس کی جنوبی راس پر اترا۔ طارق اپنی اس سات ہزار فوج کو چار کشتیوں میں سوار کر کے لے گیا تھا۔ اس سے اس زمانے کے جہازوں کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے تھے۔ طارق کی فوج میں زیادہ تر بربری نومسلم اور کمتر عربی لوگ تھے۔ مغیث الرومی نامی ایک مشہور فوجی افسر بھی اس فوج میں شامل تھا جو طارق کا ماتحت اور اس کا نائب سمجھا جاتا ہے، طارق ابھی آبنائے وسط میں تھا اور ساحل اندلس تک پہنچا تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہوئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے ہیں ”تمہارے ہاتھ پر اندلس فتح ہو جائے گا۔“ اس کے بعد فوراً طارق کی آنکھ کھل گئی اور اس کو اپنی فتح کا کامل یقین ہوگیا۔

اندلس کے ساحل پر طارق کا ایک عجیب حکم

طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اندلس کے ساحل پر اترا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن جہازوں میں سوار ہو کر آئے تھے، ان کو آگ لگا کر سمندر میں غرق کر دیا۔ طارق کی یہ حرکت بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن ذرا غور و تامل کی نگاہ سے دیکھا

جائے تو طارق کی انتہائی بہادری اور قابلیت سپہ سالاری کی ایک زبردست دلیل ہے۔

طارق اس بات سے واقف تھا کہ یہ مٹھی بھر فوج ایک عظیم الشان سلطنت کی افواج گراں کے مقابلہ میں بے حقیقت نظر آئے گی۔ ممکن ہے بربری نومسلموں کو گھر یاد آنے لگے، اور ماتحت فوجی افسر اس بات پر زور دینے لگیں کہ جب تک بڑی زبردست فوجیں نہ آئیں، اس وقت تک لڑائی کا چھیڑنا مناسب نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ طنجہ کو واپس چلیں۔ ایسی حالت میں یہ پہلی مہم ناکام رہے گی اور طارق کے خواب کی تعبیر مشتبہ ہو جائے گی۔ طارق کو اپنے خواب پر ایسا کامل یقین تھا کہ وہ اندلس کا اسی فوج سے فتح کر لینا یقینی سمجھتا تھا۔ اس نے جہازوں کو غرق کر کے اپنے ہمراہیوں کو بتا دیا کہ واپس جانے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن کا ملک ہے۔ بجز اس کے اور کوئی صورت نجات کی باقی نہ رہی کہ ہم دشمن کے ملک پر قبضہ کرتے اور اس کی فوجوں کو پیچھے دھکیلتے چلے جائیں۔ اس کام میں ہم جس قدر زیادہ چستی، ہمت اور جفاکشی سے کام لیں گے، ہمارے لئے بہتر ہوگا، سستی، پست ہمتی اور تن آسانی کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

طارق جس مقام پر اترا تھا اس کا نام لائنز راک یا قلعۃ الاسد تھا۔ اس کے بعد اس کا نام جبل الطارق مشہور ہوا اور آج تک جبل الطارق یا جبرالٹر ہی کہلاتا ہے۔

شاہ لرزیق کا سپہ سالار تدمیر ایک زبردست فوج لئے ہوئے اسی نواح میں اتفاقاً موجود تھا۔ طارق کے ہمراہی ابھی پورے طور پر اپنے حواس بجا کرنے بھی نہ پائے تھے کہ تدمیر نے اس نو واردوں کی خبر سن کر ان پر حملہ کیا۔ تدمیر ایک نہایت تجربہ کار اور مشہور سپہ سالار تھا۔ وہ بہت سے معرکوں میں ناموری حاصل کر چکا تھا۔ تدمیر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا، مگر طارق نے اس کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ تدمیر نے طارق سے شکست کھا کر اور ایک محفوظ مقام میں پہنچ کر بادشاہ لرزیق کو اطلاع

دی کہ:

''اے شہنشاہ! ہمارے ملک پر ایک غیر قوم نے حملہ کیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور پوری ہمت وشجاعت سے کام لیا لیکن مجھ کو اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور میری فوج ان لوگوں کے مقابلہ میں قائم نہ رہ سکی۔ ضرورت ہے کہ آپ بنفس نفیس زبردست فوج اور طاقت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوں، میں نہیں جانتا کہ یہ حملہ آور لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آیا آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں؟''

اس وحشت انگیز خبر کو سن کر لرزیق نے تمام تر توجہ فوجوں کے فراہم کرنے میں صرف کردی۔ لرزیق طلیطلہ سے روانہ ہو کر قرطبہ میں آیا اور یہیں ملک کے ہر حصہ سے فوجیں آ آ کر فراہم ہونے لگیں۔ لرزیق نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور بڑی مستعدی اور ہمت کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب فوج لے کر قرطبہ سے طارق کی طرف روانہ ہوا۔ تدمیر بھی اپنی فوج لے کر ہمراہ رکاب ہوا۔ اس عرصہ میں طارق بیکار نہیں رہا۔ اس نے شہروں اور قصبوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور الجزائر وشدونہ کے علاقوں کو فتح کر کے وادی لکتہ تک پہنچ گیا۔ لرزیق کی فوج میں ایک لاکھ سپاہیوں کے علاوہ ملک اندلس کے تمام بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالا اور ہر صوبہ کے نامور سردار موجود تھے۔

شہر شدونہ کے متصل لاجنڈا کی جھیل کے قریب ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے ۲۸ رمضان المبارک ۹۲ھ مطابق ماہ جولائی ۷۱۱ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق کے روانہ ہونے کے بعد افریقہ سے پانچ ہزار فوج بغرض کمک روانہ کردی تھی۔ یہ پانچ ہزار فوج بھی طارق کے پاس اس مقابلے سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا طارق کی فوج اب بارہ ہزار ہوگئی تھی۔ ایک طرف بارہ ہزار مسلمان تھے، دوسری طرف ایک لاکھ عیسائی تھے۔ مسلمان اس ملک کے حالات سے ناواقف اور بالکل اجنبی

تھے۔عیسائی لشکر اسی ملک کا رہنے والا تھا،اور اپنے ملک وسلطنت کے بچانے کو میدان میں آیا تھا،ادھر اسلامی لشکر کا سردار گورنر افریقہ موسیٰ بن نصیر کا آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد تھا،جوکوئی غیر معمولی قدردانی نہیں کرسکتا تھا۔

ادھر ملک اندلس کا شہنشاہ عیسائی لشکر کی سپہ سالاری کر رہا تھا،جس کے قبضہ میں ملک کے تمام خزانے اور ہر قسم کی عزت افزائی وقدردانی کے سامان تھے۔ادھر فوج میں اکثر نومسلم بربری تھے۔ادھر عقیدت مند عیسائیوں کی فوج تھی جن کو لڑائی پر ابھارنے اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دینے کے لئے تمام بڑے بڑے اور نامور پادری اور بشپ موجود تھے۔اس معرکہ میں طارق کی مٹھی بھر فوج جو اپنے حریف کی فوج گراں کا بمشکل آٹھواں حصہ تھی۔اگر شکست کھا جاتی تو یہ معرکہ بہت ہی معمولی اور ناقابل تذکرہ ہوتا لیکن چونکہ بارہ ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ باساز وسامان عیسائیوں کے لشکر جرار کو شکست فاش دی۔لہٰذا یہ لڑائی دنیا کی عظیم الشان لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ایسے عظیم الشان معرکہ کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت ہی کم اور صرف چند دستیاب ہوسکتی ہیں۔ایک ہفتہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہے،طارق نے جس وقت لرزیق شہنشاہ ہسپانیہ کے لشکر عظیم کے مقابل اپنی مٹھی بھر فوج کی صفیں درست کیں تو اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کرکے ایک ولولہ انگیز تقریر کی،جو ایمان باللہ کو استوار اور پائے کو مضبوط کرنے والی تھی۔طارق کی اس تقریر نے مسلمان بہادروں کے دوران خون کو بڑھا دیا،اور شوق شہادت نے الفت دنیا اور محبت زن وفرزند کو دلوں سے مٹا دیا،اس کے بعد معرکہ کارزار گرم ہوا۔ادھر سے ہائے وہو کا شور وغل تھا،ادھر سے تکبیر کی آواز تھی جو دشمنوں کے دل کو دہلاتی اور مسلمانوں کے دلوں کو بڑھاتی تھی۔

بہ پیکار کاریکہ تکبیر کرد نہ شمشیر کرد و نے تیر کرد

عیسائی لشکر کا بڑا حصہ زرہ پوش سواروں پر مشتمل تھا لیکن اسلامی فوج سب پیدل

تھی ۔عیسائی سواروں کی صفیں طوفانی سمندر کی لہروں کی طرح جب حملہ آور ہوئی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فیل پیکر گھوڑوں اور دیونژاد سواروں کے پردے مسلمانوں کو کچلتے اور ان کی لاشوں کو سموں کی ضربوں سے قیمہ بناتے ہوئے گزر جائیں گے،اور نیزہ وشمشیر کے استعمال کا موقع نہ پائیں گے،لیکن جس وقت یہ آہن پوش،متلاطم سمندر، جمعیت اسلامی کے پہاڑ سے ٹکرایا تو معلوم ہوا کہ بھیڑوں کی کثرت شیروں کی قلت پر غلبہ پانے کے لئے حملہ آور ہوئی تھی ۔ اسلامی تلواروں کی بجلیاں چمکیں اور عیسائی افواج کی گھٹائیں کچھ تو خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کی شکل میں تبدیل ہوگئیں اور اکثر لکہ ہائے ابر کی طرح پاش پاش ہوکر متحرک ومفرور نظر آنے لگیں ۔تکبیر کے پر ہیبت نعرے دم بدم میدان کے شور وغل پر غالب ہوتے جاتے تھے کہ شمشیر زنوں کی تیز دستی اور نیزہ بازوں کی چستی نے اس معرکہ کی عظمت کو مؤرخین عالم کے لئے ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا کہ ربع مسکون کے ہر حصہ اور دنیا کی ہر ایک قوم نے حیرت کی نگاہوں سے اسلامی جوش کے اس نظارے کو دیکھا۔

شہنشاہ لرزیق یعنی عیسائی افواج کا سپہ سالار اعظم اپنی تمام تجربہ کاری، بہادری اور شہرت کو عیسائی مقتولوں کے ساتھ خاک وخون میں ملا کر اور اپنی جان کو عزت سے زیادہ قیمتی سمجھ کر طارق کے مقابلہ پر اپنے دیوہیکل سنہری گھوڑے کو قائم نہ رکھ سکا، بلکہ پیٹھ پھیر کر سراسیمگی کے عالم میں بھاگا ۔ چند ساعات پیشتر جو شخص جزیرہ نما ہسپانیہ کا شہنشاہ ، ایک لاکھ جرار فوج کا سپہ سالار اور تمام پادریوں کا محبوب تھا، وہ سراسیمگی کی حالت میں اس طرح بھاگتا ہوا نظر آیا کہ دوسرے فراریوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا اور آپ دھاپ میں کسی کو اتنا ہوش نہ تھا کہ اپنے شہنشاہ کے لئے فرار میں سہولت پیدا کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی لشکر کو شکست اور قلیل التعداد مسلمانوں کو فتح مبین حاصل

ہوئی۔ عیسائیوں کی اس شکست فاش کا سبب عیسائی لشکر کی بزدلی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ مسلمانوں کی غیر معمولی اور حیرت انگیز بہادری و جفاکشی اصل سبب تھا۔ اگر عیسائی لشکر کی بزدلی اس شکست کا سبب ہوتا تو بڑے بڑے سردار، شہزادے اور پادری کثیر التعداد مقتولوں کی لاشوں میں شامل نظر نہ آتے، ہنگامہ جنگ کی زود خورد کے فرو ہونے کے بعد تمام میدان جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ عیسائی مقتولوں کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی، لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی تمام اسلامی لشکر جس کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا، سواروں کے رسالوں کی شکل میں تبدیل ہوگیا تھا۔ یہ گھوڑے جو تمام مسلمانوں کے لئے کافی تھے، انہیں عیسائی سواروں کے تھے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ اگر یہ سوار چاہتے تو مقتول ہونے سے پیشتر فرار ہوسکتے تھے۔ ایک ہفتہ تک میدان جنگ میں مسلمانوں کی قلت تعداد عیسائی لشکر سے پوشیدہ نہ تھی۔ اس عرصہ میں عیسائیوں کو ہر قسم کا سامان بھی پہنچ رہا تھا۔ ان کی تعداد بھی ترقی کر رہی تھی، لیکن مسلمانوں کی حالت اس اجنبی ملک میں اس کے بالکل برخلاف تھی ۔عیسائیوں کی ہمتوں اور حوصلوں میں یقیناً مسلمانوں کی قلت تعداد نے اضافہ کیا ہوگا۔ یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی تھی، اس عرصہ میں طرفین کو اپنے حوصلے پورے کرنے اور پورا پورا زور صرف کردینے کا بخوبی موقعہ ملا تھا۔ مگر نتیجہ نے بتادیا کہ جس طرح مسلمانوں نے آٹھ گنی تعداد کے دشمنوں کو نیچا دکھایا، اسی طرح دس گنا تعداد کو بھی شکست فاش دے سکتے ہیں۔

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفامن الذین کفرو ابانهم قوم لا یفقهون (انفال)

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۲ ص: ۲۱۶ تا ۲۲۰)

خلیفہ ثانی ﷜ کی زندگی کے تاریخی شواہد

تاریخ کی ان مستند روایات اور دیکھنے والوں کے عینی مشاہدات کو کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے کہ جب:

(۱) حضرت فاروق اعظم ﷜ خطبے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو عینی شاہد کہتا ہے کہ آپ کے تہبند میں ۱۲ پیوند میں نے گنے ہیں۔

(۲) قیصر روم کا سفیر مدینے پہنچ کر قصر شاہی کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے، قصر خلافت کے شاہانہ جلال و شوکت کو اس کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مگر ناکام رہتی ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہ کوئی بادشاہ ہے نہ بادشاہ کا محل، ہاں مسلمانوں کا امیر ضرور ہے، مگر وہ جنگل میں اونٹوں کی نگہبانی کرتا ہوا ملے گا۔

(۳) وہ عمر ﷜ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ ان کو اس حالت میں بار بار دیکھا گیا ہے کہ جنگل میں کسی درخت کے نیچے مٹی پر پڑے سو رہے ہیں اور گرمی کی شدت سے پسینہ بہہ رہا ہے۔

قیصر روم کے نمائندے نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کیا خوب کہا تھا۔

”ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں، ان کا سکون چھین لیا گیا ہے، وہ کسی لمحہ آرام سے نہیں سو سکتے، لیکن اے عمر ﷜! آپ نے انصاف کیا، سکون آپ کا حق ہے، آپ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں آرام سے سو سکتے ہیں۔“

(۴) مستند تواریخ اس خبر کی بھی ذمہ دار ہیں کہ آپ کے پاس پہننے کے لئے پیوندوں سے بھرا ہوا ایک ہی جوڑا تھا۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ بہت دیر کے بعد گھر سے نکلے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پہنے ہوئے کپڑے میلے ہوگئے تھے، ان کو دھو کر ڈالا، جب وہ سوکھ گئے تو ان کو پہن کر باہر نکلے، دوسرا جوڑا نہیں تھا اس لئے یہ زحمت برداشت کرنا پڑی۔

(۵) لباس سے گذر کر کھانے پینے میں بھی یہی زہد و قناعت کا رنگ انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ یوں تو اسلام قبول فرماتے ہی آپ نے تنعمات و تلذذات کو ترک کر دیا تھا، صرف سادہ اور ضروری غذارہ گئی تھی، لیکن زمانۂ خلافت میں جب ملک کے ایک علاقہ میں قحط پڑا ہے تو گوشت اور گھی جیسی ضروری اشیاء کو بھی ترک کر دیا اور بالکل روکھی سوکھی غذا ہو گئی، حتیٰ کہ کوئی معمولی کھاتا پیتا آدمی بھی آپ کی غذا میں ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

(خلفائے راشدینؓ ص: ۲۹۴۔۲۹۵)

سلطان غزنوی رحمہ اللہ کا نبی ﷺ کی زیارت سے متعلق تاریخی خواب

''طبقات ناصری'' میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث **العلماء ورثة الانبياء** کی صحت پر پورا یقین نہ تھا۔ اسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا۔ فراش سونے کا شمعدان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسے میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس طالب علم کے پاس جلانے کے لئے روغن نہ تھا۔ اس لئے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنیے کے چراغ کے پاس آ کر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمعدان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا، اس طالب علم کو دے دیا، جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں محمود کو حضرت محمد ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے محمود سے فرمایا۔ ''اے ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے فرزند ارجمند، خداوند تعالیٰ تجھ کو ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔''

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں متذکرہ بالا تینوں شکوک دور ہو گئے۔ (تاریخ فرشتہ: ج ا ص: ۱۴۵)

ایک عجیب وغریب تاریخی واقعہ

''جامع الحکایات'' میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب امیر ناصر الدین، الپتگین کی ملازمت میں تھا۔ تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا، اور وہ تمام دن اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھوما کرتا تھا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی مع اپنے بچے کے جنگل میں چر رہی ہے، سبکتگین نے اسے دیکھتے ہی گھوڑے کو دوڑایا اور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس نے اس بچے کو اپنی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ کچھ دور گیا ہوگا کہ اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے اور اس کی صورت اور حرکات سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ عالم دیکھ کر سبکتگین کو اس بے زبان جانور پر بہت رحم آیا۔ اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کی رہائی سے بہت خوش ہوئی اور بچے کو ہمراہ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوئی۔ وہ تھوڑی دور چل کر سبکتگین کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی۔ جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے۔ اسی رات کو سبکتگین نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔ اے ناصر الدین تو نے ایک بے زبان جانور پر جو رحم کیا ہے وہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے صلے میں تجھے چاہئے کہ یہی طریق اختیار کرے اور کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ کیونکہ یہی طریق دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔''

(تاریخ فرشتہ: ج ا ص: ۹۵)

محمود غزنوی رحمہ اللہ نے بھانجے کا سرتن سے جدا کردیا اہم تاریخی انصاف

محمود کے عدل و انصاف کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک شخص محمود کے دربار میں انصاف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا، جب محمود اس کی طرف متوجہ ہوا، تو اس شخص نے عرض کیا۔ ''میری شکایت ایسی نہیں ہے کہ میں اسے سر دربار سب لوگوں کے سامنے بیان کروں۔'' محمود فوراً اٹھا اور اسے اکیلے میں لے جا کر اس کا حال پوچھا، اس شخص نے کہا'' آپ کے بھانجے نے ایک عرصے سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات کو مسلح ہو کر میرے گھر پر آتا ہے، اور اندر داخل ہو کر مجھے کوڑے مار مار کر باہر نکال دیتا ہے، اور پھر خود تمام رات میری بیوی کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے۔ میں نے ہر امیر کو اپنا حال سنایا لیکن کسی کو میری حالت پر رحم نہ آیا اور کسی کو بھی اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ سے یہ بات بیان کرتا۔ جب میں ان امراء سے مایوس ہو گیا تو میں نے آپ کے دربار میں آنا شروع کر دیا، اور اس موقع کے انتظار میں رہا کہ جب آپ سے اپنا حال بیان کرسکوں۔ اتفاق سے اب آپ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں نے آپ سے اپنی داستان بیان کردی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو ملک کا حاکم اعلیٰ بنایا ہے۔ اس لئے رعایا اور کمزور بندوں کی نگہداشت آپ کا فرض ہے۔ اگر آپ مجھ پر رحم فرما کر میرے معاملے میں انصاف کریں گے تو زہے نصیب۔ ورنہ میں اس معاملے کو خدا کے سپرد کروں گا، اور اس کے منصفانہ فیصلے کا انتظار کروں گا۔ محمود پر ان واقعات کا بہت اثر ہوا اور وہ یہ سب کچھ سن کر رونے لگا اور اس شخص سے یوں مخاطب ہوا۔'' اے مظلوم تو اس سے پہلے میرے پاس کیوں نہ آیا اور اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں برداشت کرتا رہا'' اس

شخص نے جواب میں کہا۔ ''اے بادشاہ میں ایک مدت سے یہ کوشش کررہا تھا کہ کسی طرح آپ کے حضور حاضر ہوسکوں۔ لیکن دربار کے چوکیداروں اور دربانوں کی روک تھام کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ یہ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ آج میں کس تدبیر اور بہانے سے یہاں تک پہنچا ہوں، اور کس طرح ان چوکیداروں کی نظر بچا کر آپ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں۔ ہم جیسے فقیروں اور غریبوں کی ایسی قسمت کہاں ہے کہ وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سلطانی دربار میں چلے آئیں اور بادشاہ سے بالمشافہ اپنی اپنی روداد غم بیان کریں۔'' محمود نے جواب دیا، ''تم یہاں مطمئن ہو کر بیٹھو۔ لیکن اس ملاقات اور گفتگو کا حال کسی کو نہ بتانا اور اس بات کا خیال رکھو کہ جب وہ سفاک تمہارے گھر میں آ کر تمہاری بیوی کی آبروریزی کرے تو تم فوراً اسی وقت مجھے اطلاع دینا، پھر میں اس وقت تمہارے ساتھ انصاف کروں گا، اور اس سفاک کو اس کی بدکرداری کی سزا دوں گا۔'' اس شخص نے یہ سن کر کہا..... ''اے بادشاہ! مجھ جیسے نادار شخص کے لئے یہ نا ممکن ہے کہ جب چاہوں بلا کسی روک ٹوک کے آپ سے مل سکوں'' اس پر محمود نے اسی وقت دربانوں کو بلایا اور ان سے اس شخص کو متعارف کروا کر دربانوں کو حکم دیا۔ ''جس وقت بھی یہ شخص ہمارے حضور آنا چاہے اسے بغیر کسی اطلاع اور روک ٹوک کے آنے دیا جائے، اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائے۔''

ان دربانوں کی رخصت کے بعد سلطان محمود نے اس شخص سے چپکے سے کہا۔ ''اگرچہ اب میرے حکم کے مطابق یہ لوگ تمہیں یہاں آنے سے روکنے کی جرأت نہ کریں گے۔ لیکن پھر بھی احتیاطاً تمہیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ اگر کبھی اتفاقاً یہ چوبدار میری عدیم الفرصتی یا آرام کا عذر کر کے تمہیں روکنا چاہیں اور میرے پاس نہ آنے دیں، تو تم فلاں جگہ سے چھپ کر چلے آنا۔ اور آہستہ آہستہ سے مجھے آواز دینا۔ میں یہ آواز سنتے ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔'' اس گفتگو کے بعد محمود نے اس شخص کو رخصت کر دیا اور خود

اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

وہ شخص اپنے گھر واپس آ گیا۔ دو راتیں تو آرام سے گزریں اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ اسے محمود سے ملاقات کی ضرورت پیش آتی۔ تیسری رات کو اس شخص کا رقیب یعنی سلطان محمود کا بھانجا حسب دستور اس کے گھر آیا اور اسے مار کر گھر سے نکال دیا۔ اور خود اس کی بیوی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ وہ شخص اسی وقت دوڑتا ہوا بادشاہی محل کی طرف آیا اور اس نے دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو اس کی آمد کی اطلاع دی جائے۔ دربانوں نے جواب دیا۔ بادشاہ اس وقت دیوان خانے کی بجائے اپنی حرم سرا میں ہے۔ اس لئے اس تک اطلاع کا پہنچانا ممکن نہیں ہے۔ وہ شخص مایوس ہو کر اس جگہ پر پہنچا کہ جس کے بارے میں سلطان محمود نے اس کو بتا رکھا تھا۔ یہاں اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اے بادشاہ! اس وقت آپ کس کام میں مشغول ہیں؟'' سلطان محمود نے جواب دیا۔ ''ٹھہرو میں آتا ہوں۔'' تھوڑی دیر کے بعد محمود باہر آیا اور اس شخص کے ساتھ اس کے گھر پہنچا، وہاں جا کر محمود نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کا بھانجا اس غریب شخص کی بیوی سے ہم آغوش ہو کر سویا ہوا ہے، اور شمع اس کے پلنگ کے سرہانے جل رہی ہے، محمود نے اسی وقت شمع کو بجھا دیا۔ اور اپنا خنجر نکال کر اس ظالم کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس مظلوم شخص سے کہ جس کے گھر میں محمود آیا ہوا تھا۔ محمود نے کہا۔ ''اے بندۂ خدا ایک گھونٹ پانی اگر تجھے مل سکے تو فوراً لے آ، تاکہ میں اپنی پیاس بجھاؤں۔''

اس شخص نے فوراً پیالے میں پانی لا کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ محمود نے پانی پیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نادار سے یوں مخاطب ہوا۔ ''اے شخص اب تو اطمینان کے ساتھ آرام کر، میں جاتا ہوں۔'' اور رخصت ہونے لگا، لیکن اس شخص نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ ''اے بادشاہ! تجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس نے تجھے اس عظیم

الشان مرتبے پر سرفراز کیا ہے۔تو مجھے یہ بتا کہ شمع گل کرنے اور اس سفاک کا سرتن سے جدا کرنے کے فوراً بعد پانی مانگنے اور پینے کی وجہ کیا ہے، اور تو نے کس طرح اس قصے کو ختم کیا'' سلطان محمود نے جواب دیا۔''اے شخص میں نے تجھے ظالم سے نجات دلا دی ہے اور اس ظالم کا سر میں اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں، شمع کو میں نے اس لئے بجھایا تھا کہ کہیں اس کی روشنی میں مجھے اپنے بھانجے کا چہرہ نظر نہ آجائے اور میں اس پر رحم کھا کر انصاف سے باز نہ رہ سکوں۔ پانی مانگ کر پینے کی وجہ یہ تھی کہ جب تم نے مجھ سے اپنی روداد غم بیان کی تھی، تو میں نے عہد کیا تھا۔ کہ جب تک تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف نہ ہوگا، تب تک میں نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا۔''

قارئین کرام اس قصے سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ تاریخوں میں بادشاہوں کے عدل وانصاف کے بہت سے قصے لکھے ہیں لیکن ایسا قصہ کسی بادشاہ کے متعلق نہیں ملتا ۔واللہ اعلم بالصواب۔

(تاریخ فرشتہ ج ۱ص:۱۴۵ تا ۱۴۸)

حق آیا باطل سرنگوں ہوگیا ایک تاریخی قطعہ

خانہ کعبہ کے بتوں کا ٹوٹنا گویا تمام ملک عرب کے بتوں کا ٹوٹنا تھا۔ اسی طرح قریش مکہ کا اسلام میں داخل ہو جانا اور اسلام کی اطاعت اختیار کرنا سارے ملک عرب کا مطیع ہو جانا تھا۔ کیونکہ تمام قبائل کی آنکھیں قریش مکہ کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں کہ وہ اسلام اختیار کرتے ہیں یا نہیں ۔ فتح مکہ کے بعد بہت سے قریش مسلمان ہو گئے تھے، لیکن بہت سے اپنے کفر اور بت پرستی پر قائم رہے۔ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش مطلق نہیں کی گئی، بلکہ مدعا صرف امن وامان قائم کرنا اور فساد و بدامنی دور کرنا تھا۔ چنانچہ اب وہ خدشہ باقی نہ رہا اور لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ اس مذہبی آزادی کی حالت میں بت پرستوں کو اسلام کے مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا موقع ملا

اور وہ یکے بعد دیگرے بہت جلد بخوشی اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں سب نے اسلام قبول کرلیا۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج۱ص:۱۸۲)

ہندو اور مسلمانوں کے انگریز کے خلاف تاریخی جذبات

ذیل میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران مسلمانوں اور ہندوؤں کے ملے جلے جذبات کا اقتباس ہے۔ (از مؤلف)

''ہندو اور مسلمانو! متحد ہو کر اٹھو اور ایک ہی بار ملک کی قسمت کا فیصلہ کردو، کیونکہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے نکال دیا تو تمہارے لئے جانیں بچانے کا بھی موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ آخری موقعہ ہے۔ اب یا کبھی نہیں۔''

اس طرح کے اشتہارات روزانہ لگائے جاتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اشتہارات لگانے والوں کا پتہ کیوں نہیں چلتا۔ پولیس بھی ان خفیہ انقلابی کاروائیوں میں شریک تھی، اشتہارات پورے ملک میں چسپاں کئے گئے۔ مدراس کے ایک اشتہار میں لکھا تھا۔

''ہم وطنو اور مذہب کے شیدائیو! تم سب ایک ساتھ اٹھو...... زندگیوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے، جنہوں نے عدل و انصاف کے ہر اصول کو روند ڈالا ہے، ہمارا راج چھین لیا، ہمارے ملک کو خاک میں ملانے کا ارادہ کیا ہے، ان کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ خون ریز جنگ کی جائے، یہ آزادی کے لئے جہاد ہے۔ یہ حق و انصاف کے لئے مذہبی جنگ ہے۔ (تاریخ جنگ آزادی ص:۲۰۱)

مولانا احمد اللہ شاہ سے متعلق تاریخی شعر

جواب ایسے دیتے تھے دنداں شکن نہ ثابت ہوا جرم شمشیر زن

نہ جھکتے تھے آداب وتسلیم کو — رکھا طاق پہ رسم تعظیم کو
سواری سے اپنی اترتے نہ تھے — کہیں رعب کاری سے ڈرتے نہ تھے

(تواریخ احمدی بحوالہ تاریخ جنگ آزادی)

۱۸۵۷ء کی جنگ میں عورتوں کی تاریخی بہادری

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی داد شجاعت کے واقعات ایک سے بڑھ کر ایک ہیں''تاریخ جنگ آزادی'' کے گزشتہ صفحات میں ایک طویل معرکہ کا ذکر ہے اس میں سے یہاں پر فقط عورتوں کی بہادری کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(از مؤلف)

یہ معرکہ تاریخ میں یوں بھی یادگار رہے گا کہ مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی اس جنگ میں حصہ لے رہی تھیں، مؤرخوں مثلاً گورڈن الگزینڈر اور فوربس میچل وغیرہ نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔میچل نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد انگریز فوجی پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے، انہیں ایک پیپل کے درخت کے نیچے کچھ پانی کے گھڑے نظر آئے، تو کچھ فوجی پانی پینے کے لئے ادھر جھپٹے، مگر کوئی واپس نہ لوٹ سکا کیونکہ ایک نامعلوم جگہ سے گولیاں چلیں اور سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔درخت اوپر کی طرف بہت گھنا تھا، کیپٹن نے ایک افسر کوئیکر ویلیس کو حکم دیا کہ وہ دیکھے یہاں کوئی باغی تو چھپا ہوا نہیں ہے، ویلیس نے گولی چلائی تو پیڑ سے ایک لاش نیچے گری۔یہ ایک جوان عورت تھی، جو لال رنگ کی تنگ جیکٹ اور گلابی رنگ کا ریشمی پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔وہ پرانی قسم کی ایک کیولری پستول سے مسلح تھی، ایک بھرا ہوا پستول اس کی پیٹی میں لگا ہوا تھا، اور اس کی تھیلی میں بارود بھری ہوئی تھی، اس نے چھ انگریزوں کو ختم کیا تھا، اس کے علاوہ بے شمار عورتیں مردانہ لباس میں اس جنگ میں شریک تھیں، گورڈن الگزینڈر کا بیان ہے کہ یہاں کچھ نیگرو حبشی عورتیں بھی تھیں، جو جنگلی بلیوں کی طرح خوفناک انداز

میں جنگ کر رہی تھیں۔اور یہ راز ان کی موت کے بعد کھلا کہ وہ عورتیں تھیں۔

(تاریخ جنگ آزادی ہند ص:۴۶۴)

حضرت ربیعہ بن عامر ؓ سے ایک پادری کا تاریخی مناظرہ اور دھوکہ

دورِ صدیقیؓ میں: مسلمہ کذاب قتل ہوا، یمامہ فتح ہوا، اور بنو حنیفہ مار ڈالے، تو اہل عرب نے آپؓ کی اطاعت قبول کرلی۔اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔اور اطراف واکناف سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمالیا۔لشکر روانہ ہوا، اور وہاں پہنچ کر اولاً ایک پادری سے صحابیؓ رسول ﷺ کا یوں مناظرہ ہوا۔

(از مؤلف)

واقدی کہتے ہیں کہ ہرقل بادشاہ روم نے اس فوج کے ساتھ ایک پادری روانہ کیا تھا، جو اپنے دین کا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مناظرہ میں بھی بہت مشاق تھا۔چنانچہ وہ آیا اور برجیس نے اس سے کہا کہ اے ہولی فادر (بزرگ باپ) آپ اس شخص سے ان کے دین کے متعلق کچھ دریافت کر کے ہمیں بتایئے۔صیقلہ نے حضرت ربیع بن عامر ؓ سے دریافت کیا، کہ اے عربی بھائی! ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی عربی ہاشمی قریشی پیدا کرے گا، جس کی علامت اور شناخت یہ ہوگی کہ اس کو اللہ تعالیٰ آسمانوں پر بلاوے گا، کیا تمہارے نبی کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! ہمارے حضور سرور کائنات رسول اللہ ﷺ کو باری تعالیٰ جل شانہ نے آسمانوں پر بلایا اور خود اپنی کتاب مجید میں اس کے متعلق فرمایا کہ:

سبحان الذی أسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الا قصیٰ الذی بار کنا حولہ :(بنی اسرائیل : ۱)

''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں، تاکہ ہم اپنی نشانیوں میں سے دکھلا دیں۔''

پادری نے کہا ہماری کتابوں میں یہ بھی موجود ہے کہ اس نبی اور اس کی امت پر ایک ماہ کے روزے فرض ہوں گے اور اس مہینہ کا نام رمضان ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے، ہم پر ایک مہینہ کے روزے بھی فرض کئے گئے ہیں، اور اس کو قرآن شریف میں اس طرح بیان کیا ہے۔ **شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن ۔**

(البقرہ:۱۸۵)

یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم

(البقره : ۱۸۳)

یعنی تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کئے گئے تھے۔''

اس کے بعد پادری نے پوچھا کہ ہم نے اپنی کتاب میں یہ بھی پڑھا ہے کہ اگر ان کی امت میں سے کوئی شخص ایک نیکی کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیوں کا ثواب لکھا جائے گا، اور اگر ایک بدی کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ آپ نے فرمایا ہماری کتاب میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسيئة فلا يجزیٰ الا مثلها (الانعام : ۱۶۰) جس کا ترجمہ بعینہ وہی ہے۔۔

پادری نے پھر سوال کیا کہ ہمارے یہاں لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی

امت کو ان پر درود بھیجنے کا حکم دے گا۔ آپ نے فرمایا اس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا یها الذین امنو ا صلوا علیه و سلموا تسلیما۔ (الاحزاب : ۵۶)

''اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی درود و سلام بھیجو۔''

پادری جس وقت یہ جوابات سن چکا تو بہت متعجب ہوا، اور سرداران لشکر سے کہنے لگا کہ حق اسی قوم کے ساتھ ہے۔ اس گفتگو کے بعد ایک دربان نے برجیس سے کہا، کہ یہ وہی بدوی ہے جس نے کل تیرے بھائی کو قتل کیا تھا۔ برجیس یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور مارے غصہ کے آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چاہا کہ آپ پر حملہ کرے، مگر فوراً سمجھ گئے، جلدی سے بجلی کی طرح اٹھے، شمشیر قبضہ میں لے کر جرجیس کے اس زور سے ایک ہاتھ مارا کہ وہ زمین پر گرا۔ رومی آپ پر حملہ آور ہوئے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر **ھل من مبارز** کا نعرہ لگائے مرد مقابل بن گئے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان نے جب اس طرح رن پڑتا ہوا دیکھا تو آپ نے پکار کر کہا، مسلمانو! تمہارے رسول ﷺ کے صحابی کے ساتھ اعداء دین نے غداری کی، تم بھی فوراً حملہ کر دو۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ایک فوج دوسری فوج کے ساتھ بالکل مل گئی تھی۔ رومی بڑے استقلال کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اچانک مسلمانوں کی ایک دوسری فوج جو بسر کردگی شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کاتب رسول ﷺ آ رہی تھی دکھلائی دی۔ مسلمانوں نے جس وقت عین لڑائی میں اپنے بھائیوں کو آتے دیکھا تو حوصلہ بڑھ گیا، اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں میں گھس کر تمام کے سروں کو تلوار کی بھینٹ چڑھا دیا۔ واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں آٹھ ہزار رومیوں میں سے ایک شخص

بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ (فتوح الشام ص: ۲۴۔۲۵)

سعید ابن جبیر رحمہ اللہ کے قتل کا دل ہلا دینے والا تاریخی واقعہ

ابو نعیم اصبہانی نے تاریخ اصبہان میں آپ کا ذکر کیا ہے، اور بیان کیا ہے کہ آپ اصبہان آئے، اور مدت تک وہاں قیام کیا، پھر وہاں سے عراق چلے گئے اور سنبلان بستی میں سکونت اختیار کرلی۔ اور محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ اصبہان میں تھے، اور لوگ آپ سے حدیث کے متعلق پوچھتے تھے، اور آپ حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

اور جب آپ کوفہ واپس آئے تو حدیث بیان کی، آپ سے دریافت کیا گیا، اے ابو محمد آپ اصبہان میں حدیث بیان کیوں نہیں کرتے اور کوفہ میں حدیث بیان کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! جہاں تو مشہور ہو، وہاں علم کی نشر و اشاعت کر۔

جب عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث بن قیس نے عبدالملک بن مروان کے خلاف بغاوت کی تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ عبدالرحمٰن کے ساتھ تھے۔ اور جب عبدالرحمٰن قتل ہو گئے اور دیر الجماجم میں آپ کے اصحاب شکست کھا گئے، تو آپ بھاگ کر مکہ آ گئے۔ ان دونوں خالد بن عبداللہ القری مکہ کا والی تھا، اس نے آپ کو پکڑ لیا، اور اسماعیل بن واسط البجلی کے ساتھ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بھجوا دیا۔ حجاج نے آپ سے کہا: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے کہا، سعید بن جبیر، اس نے کہا بلکہ آپ شقی ہیں ،کسیر ہیں۔۔ آپ نے کہا میری ماں، تیری نسبت میرے نام کو بہتر جانتی ہے، اس نے کہا تیری ماں اور تو بد بخت ہے۔ اس نے کہا، غیب کو تیرے سوا کوئی اور جانتا ہے؟ اس نے کہا، میں ضرور تجھے دنیا کے بدلے میں شعلہ زن آگ دوں گا۔ آپ نے کہا، اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ بات تیرے ہاتھ میں ہے تو میں تجھے الٰہ بنالیتا۔ اس نے پوچھا محمد ﷺ کے بارے میں تیرا کیا قول ہے، اس نے کہا وہ نبیؐ رحمت اور امام الہدیٰ ہیں۔ اس نے

پوچھا حضرت علی ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ کیا وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ آپ نے کہا، اگر میں اس میں داخل ہوتا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو پہچانتا تو اس کے رہنے والوں کو بھی پہچانتا۔ اس نے پوچھا، خلفاء کے بارے میں تیرا کیا قول ہے؟ آپ نے کہا، میں ان پر وکیل نہیں، اس نے پوچھا، ان میں کون تجھے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا، جو ان میں سے میرے خالق کو زیادہ راضی کرنے والا ہے۔ اس نے پوچھا، ان میں سے کون خالق کو زیادہ راضی کرنے والا ہے؟ آپ نے کہا، اس کا علم اسے ہے جو ان کے راز اور بھید کو جانتا ہے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے سچ بولے، آپ نے کہا خواہ میں تجھے پسند نہ کروں ہرگز تجھ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس نے پوچھا، تیرا کیا حال ہے؟ کہ تو ہنستا نہیں؟ اس نے کہا، وہ مخلوق جو مٹی سے پیدا ہوا ہے کیسے ہنس سکتا ہے؟ اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔ اس نے پوچھا ہمارا کیا حال ہے؟ کہ ہم ہنستے ہیں ، آپ نے کہا دل معتدل نہیں ہیں۔

پھر حجاج نے موتی، زبرجد اور یاقوت لانے کا حکم دیا، اور انہیں آپ کے سامنے جمع کر دیا۔ سعید نے کہا، اگر تو نے ان کو اس لئے جمع کیا ہے کہ تو ان کے ذریعے قیامت کے خوف سے بچے، تو اچھی بات ہے۔ ورنہ ایک ہی خوف ہر دودھ پلانے والی کو، جسے اس نے دودھ پلایا ہے بھلا دے گا، اور اس چیز میں کوئی بھلائی نہیں جسے دنیا کے لئے جمع کیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ پاک ہو۔

پھر حجاج نے سارنگی اور بانسری منگوائی۔ اور جب سارنگی بجائی گئی، اور بانسری میں پھونک ماری گئی تو حضرت سعید رحمہ اللہ رو پڑے، اس نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ تو کھیل ہے، حضرت سعید رحمہ اللہ نے کہا یہ غم ہے، اور پھونک نے مجھے وہ عظیم دن یاد کرا دیا ہے جس روز صور میں پھونکا جائے گا۔ اور سارنگی ایک درخت ہے جو ناحق کاٹا گیا ہے۔ اور تانت، بکریوں کے ہیں جو بروز قیامت اس کے ساتھ اٹھائے جائیں

گے۔

حجاج نے کہا، اے سعید، تو ہلاک ہو، آپ نے کہا، اس کے لئے کوئی ہلاکت نہیں جسے آگ سے ہٹا کر جنت میں داخل کیا گیا ہے، حجاج نے کہا، اے سعید کسی قتل کو پسند کرو کہ میں تجھے قتل کروں، آپ نے کہا، اے حجاج! اپنے لئے پسند کر، قسم بخدا، تو جس طرح مجھے قتل کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں تجھے اس کی مانند قتل کرے گا۔ اس نے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کروں؟ آپ نے کہا اگر عفو ہے تو اللہ کی جانب سے ہے، باقی رہا تو، تو تیرے لئے کوئی برأت اور عذر نہیں ہے، حجاج نے کہا، اسے لے جا کر قتل کردو۔

پس جب آپ باہر نکلے، تو مسکرائے، حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی، تو اس نے آپ کو واپس بلایا اور کہنے لگا، آپ کو کس بات نے ہنسایا ہے؟ آپ نے کہا، اللہ تعالیٰ پر تیری جرأت نے اور مجھ پر اللہ کے حلم نے۔

سو اس کے حکم سے چمڑے کا فرش بچھایا گیا۔ اور اس نے کہا، اسے قتل کردو۔ حضرت سعیدؒ نے کہا:۔

انی و جهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انامن المشرکین

''میں نے موحدانہ رنگ میں اپنا چہرہ خالق ارض وسمٰوات کی طرف کردیا ہے، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔''

اس نے کہا کہ اس کے چہرے کو قبلہ سے کسی اور جانب کردو۔ حضرت سعید رحمہ اللہ نے کہا:

فاین ما تولوا فثم وجه الله۔ تم جس طرف بھی چہرہ کرو گے، وہیں اللہ کا چہرہ ہوگا۔ اس نے کہا، اسے چہرہ کے بل اوندھا کردو۔ حضرت سعیدؒ نے کہا:

منھا خلقنکم و فیھا نعید کم و منھا نخر جکم تارۃ اخرٰی ''ہم نے اس سے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، اور دوسری دفعہ اسی سے تمہیں نکالیں گے۔''

حجاج نے کہا اسے ذبح کردو۔ حضرت سعیدؓ نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں ''اسے مجھ سے لے لے، حتیٰ کہ تو قیامت کے روز مجھے اس کے سامنے ملے گا۔ پھر حضرت سعیدؓ نے دعا کی، اور کہا، اے اللہ! میرے بعد اسے کسی پر مسلط نہ کر، کہ وہ اسے میرے بعد قتل کرے، اور آپ کا قتل شعبان ۹۵ھ میں واسط میں ہوا، اور اس کے بعد حجاج مذکورہ سال کے ماہ رمضان میں مرگیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد اسے کسی کے قتل کرنے پر مسلط نہ کیا حتیٰ کہ وہ مرگیا، اور جس روز حضرت سعید پکڑے گئے، آپ کہتے تھے کہ اللہ کے حرمت والے شہر میں کسی چغلخور نے میری چغلی کی ہے، میں اسے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یعنی خالد القسری بن عبداللہ کو۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کو حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے آپ سے کہا، میں کوفہ آیا تو وہاں کوئی عربی نہ تھا، میں نے تجھے امام بنادیا، آپ نے کہا، بے شک، اس نے کہا کیا میں نے تجھے قاضی نہیں بنایا اور اہل کوفہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ قضاء کے لئے صرف عربی ہی مناسب ہے، پس میں نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری کو قاضی بنایا، اور اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کرے، آپ نے کہا، بے شک، اس نے کہا، کیا میں نے تجھے اپنے رات کے داستان سراؤں میں شامل نہیں کیا، اور وہ سب عربوں کے سرکردہ لوگ تھے، آپ نے کہا بے شک، اس نے کہا، کہ کیا میں نے سب سے پہلے تجھے دیکھتے ہی ایک لاکھ درا ہم نہیں دیئے؟ کہ آپ انہیں حاجت مندوں میں تقسیم کریں۔ پھر میں نے ان کے بارے میں آپ سے کچھ نہیں پوچھا، آپ نے کہا،

بے شک، اس نے کہا، کس بات نے تجھے میرے خلاف کیا ہے؟ آپ نے کہا، ابن اشعث کی بیعت نے جو میری گردن میں ہے، حجاج نے غضب ناک ہو کر کہا، کیا قبل ازیں امیر المومنین عبدالملک کی بیعت میری گردن میں نہ تھی؟ قسم بخداء میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اے میرے محافظ! اسے قتل کر دے تو اس نے آپ کو قتل کر دیا۔

یہ واقعہ شعبان ۹۵ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق ۹۴ھ میں واسط میں ہوا، اور آپ کو واسط کے باہر دفن کیا گیا، اور وہاں آپ کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے، آپ کی عمر ۴۹ سال تھی۔

جب اس نے آپ کو قتل کیا تو آپ کے وجود سے بہت سا خون بہہ پڑا تو حجاج نے اطباء کو بلا کر ان سے آپ کے متعلق، اور جن لوگوں کو اس نے آپ سے قبل قتل کیا تھا، ان کے متعلق پوچھا، بلاشبہ ان سے تھوڑا خون بہتا تھا، انہوں نے اسے کہا، تو نے اِنہیں قتل کیا تو ان کی جان ان کے ساتھ تھی، اور خون جان کے تابع ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں کو تو ان سے پہلے قتل کیا کرتا تھا، ان کی جان خوف سے نکل جاتی تھی، اس لئے ان کا خون کم ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ حجاج نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو قتل کر دیا ہے، آپ نے فرمایا، اے اللہ ثقیف کے فاسق کو ہلاک کر، خدا کی قسم اگر مشرق اور مغرب کے درمیان رہنے والے لوگ آپ کے قتل میں اشتراک کرتے تو اللہ تعالیٰ دوزخ میں (سب کو) اوندھا کر دیتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حجاج کی وفات کا وقت قریب آیا، تو وہ بے ہوش ہو جاتا۔ پھر ہوش میں آتا تو کہتا، مجھے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کیا سروکار ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیماری کے زمانے میں جب سوتا تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو دیکھتا کہ وہ اس کے کپڑوں کو پکڑے ہوئے ہیں، اور اسے کہتے ہیں، اے دشمن خدا، تو نے مجھے کس

وجہ سے قتل کیا ہے؟ تو وہ خوفزدہ ہو کر بیدار ہو جاتا اور کہتا مجھے سعید بن جبیر سے کیا سروکار ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کیا سلوک کیا ہے؟ تو اس نے کہا، اس نے مجھے ہر مقتول کے بدلے میں جسے میں نے قتل کیا ہے ایک دفعہ قتل کیا اور سعید بن جبیرؒ کے بدلے میں ستر بار قتل کیا۔ (ابن خلکان: ج ۲ ص: ۳۰۷ تا ۳۱۱)

ولی عہد کے متعلق ایک مخلص پرائیوٹ سیکرٹری کا تاریخی مشورہ

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو جب اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی، تو اس نے رجاہ بن حیوۃ (اپنے کاتب یا سیکرٹری) سے کہا، میں لڑکے کو ولیعہد کرنا چاہتا ہوں! رجاء نے کہا وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ سلیمان نے دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا وہ ابھی نابالغ ہے، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر حضور کو قبر میں اپنی حفاظت منظور ہے تو کسی متقی کو ولیعہد کیجئے۔

خلیفہ نے کہا پھر تمہاری رائے میں کون جانشین ہونا چاہئے۔ رجاء نے کہا آپ کے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز اس قابل ہیں جو خلافت کا کام عمدہ طور سے انجام دے سکیں، چنانچہ خلیفہ نے منظور کرلیا۔ بعد میں سلیمان نے ایک خلافت نامہ اس مضمون کا لکھا کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز اور اس کے بعد یزید بن عبدالملک ولی عہد ہو۔ خلافت نامہ پر اپنی مہر لگادی اور بند کر کے رجاء ابن حیوۃ کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ بغیر اس کو کھولنے اور نام ظاہر کرنے کے اس خلافت نامہ کی بیعت کراؤ۔ رجاء نے تعمیل کرانی چاہی لیکن سب لوگوں نے اس قسم کی بیعت سے انکار کر دیا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ اب جو انکار کرے اس کو فوراً قتل کردو۔ یہ بڑا سخت حکم تھا، اس حکم نے لوگوں کی آزادخیالی کی حق گوئی اور حریت کا خاتمہ کر دیا، کسی کو دم مارنے کی مجال نہ رہی۔

آخر ایک شخص نے جی کڑا کر کے یہ عذر پیش کیا کہ ہم امیر المومنین کو سلام کرنا اور ان سے بالمواجہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں، جب وہ شخص معہ وفد دربار میں آیا تو حکم ہوا کہ رجاء بن حیوۃ کے ہاتھ میں جو خلافت نامہ ہے اس کو بخوشی قبول کرلو، اور اس میں جس کا نام درج ہے اس پر بیعت کرو۔ اس میں تمہارے لئے ہر قسم کا فائدہ ہے، جو خلیفہ مقرر ہوگا وہ تمہاری فلاح اور بہبود کا حامی ہے، لیکن ابھی مصلحت ملکی کی وجہ سے اس کے نام کے اظہار کی ضرورت نہیں، سب نے بیعت کر لی۔

(نا قابل فراموش واقعات ص: ۱۲۰)

ساٹھ آدمیوں کا ساٹھ ہزار سے مقابلے کا تاریخی پس منظر

تاریخ میں مشہور، انوکھی، اور مصدقہ روایت ہے کہ سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ساٹھ جانثاران اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر رومیوں کے ساٹھ ہزار کے لشکر کو تہہ تیغ کر دیا اور ان کو شکست دے دی۔ اس جنگ کا مختصر پس منظر لفظوں کے طلاتم میں دیکھئے اور اپنا ایمان تازہ کیجئے اور ان محبان اسلام کے لئے دل سے دعا کیجئے جو اپنے پاکیزہ خون سے اسلام کی آبیاری کر گئے۔ رضی اللہ عنھم۔

(از مؤلف)

جب مقابلہ کے لئے نکلے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دشمن کو للکارتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ خیال مت کرنا کہ ہم بہت کم ہیں۔ خدا کی قسم ہمارا ایک آدمی تیرے ایک ہزار لشکر کے مقابلے کے لئے نکلا ہے، اور ہمارا باقی ماندہ تمام لشکر اس پیاسے سے اس جنگ کے لئے زیادہ بے چین ہے جو ٹھنڈے پانی کے لئے سخت مضطرب ہو۔ اس نے کہا مخزوی بھائی! میں تمہیں عقل مند سمجھتا تھا اور تمہارے مقابلے کے لئے بڑے بڑے دلیر

وں کو بھیجنے کا ارادہ کر رہا تھا، مگر میں تم سے یہ ایک عجیب بات سن رہا ہوں کہ تم ہمارے مقابلے کے لئے (حالانکہ ہم سادات بنی غسان، لخم اور جذام ہیں) کل ساٹھ آدمی لے کر نکلے ہو۔ اب اگر میں ان ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ تم پر حملہ کر دوں تو یہ ذرا سی دیر میں تمہاری تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گے اور تمہارے میں سے کوئی شخص بھی نہ بچ سکے۔ لو اب میں حملہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے آل غسان کو حملہ کا حکم دیا۔ یہ ساٹھ ہزار سوار اپنے سپہ سالار کا حکم پاتے ہی آپ اور آپ کے ہمراہیوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ثابت قدمی سے اپنا کام شروع کر دیا اور دونوں طرف سے لڑائی کے شعلے نکل پڑے۔ آدمیوں کے شور وغوغا اور بہادروں کی دلدوز آوازوں کے سوا کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ تلواریں اپنی پوری قوتوں کے ساتھ خودوں پر پڑتی تھیں اور چھنا چھن کی آوازوں کے ساتھ پیچھے لوٹ جاتی تھیں، مسلمانوں اور کافروں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھی اب کھیت رہے۔ مسلمان تکبیروں کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ان کا اپنے مسلمان بھائیوں کی وجہ سے قلق اضطراب بڑھتا چلا جا رہا تھا اور بعض سے سرگوشیاں کر رہے تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کے کہنے میں آ کے مسلمانوں کو ہلاک کرا دیا۔ ادھر رومیوں کی زبان پر تھا کہ اگر جبلہ نے ان شہسواروں کو ہزیمت دے دی اور قتل کر دیا تو تمام عربوں کو ہم یقیناً مار بھگا دیں گے، اور ہماری فتح یقینی ہے۔ لڑائی اسی طرح طول کھینچتی رہی اور اس کے شرارے اڑ اڑ کر دور تک خرمن ہستی کو خیر باد کہتے رہے، حتی کہ آفتاب اس کا نظارہ کرتا کرتا سمت الراس تک پہنچ گیا اور خاص ان بہادروں کے سر پر کھڑا ہو کے تماشا دیکھنے لگا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ حضرت خالد بن ولید حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، حضرت فضل بن عباس،

حضرت ضرار بن ازوراور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب ؓ کو جزائے خیر عنایت کریں کہ میں نے ان چھ اشخاص کو دیکھا کہ ان کے بازو ملے ہوتے تھے، مونڈھے سے مونڈھا لگ رہا تھا۔کوئی ایک دوسرے سے الگ ہونا نہیں جانتا تھا اور اپنے ہمراہ کی حفاظت کے لئے تمام کے تمام سینہ سپر ہوکر لڑ رہے تھے۔ بعض آدمی دائیں طرف بغیر معین ومددگار بھی رہ گئے تھے، اور اسی طرح بائیں جانب بھی بعض کی کمک مفقود ہوگئی تھی، لڑائی کے شعلے بھڑک رہے تھے، چنگاریاں اڑ اڑ کر آگ لگا رہی تھی، خون چاروں طرف سے بہہ رہا تھا، سوار زین سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ نیزے شیروں کے سینے توڑ توڑ کر دل کے پار ہو رہے تھے۔ موت لقمے بنا بنا کر کھا رہی تھی، تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، تلوار چمک چمک کر بجلی کی طرح کوند رہی تھی، بازو ست ہوگئے تھے، ہاتھ سن ہو رہے تھے، سواروں کے مونڈھوں کی ہڈیاں، اور ان کا مغز شل ہوگیا تھا، مگر سستی اور تھکاوٹ کی بجائے کوشش پر کوشش ہو رہی تھی، میدان کارزار میں ھل من مزید کا نعرہ بلند ہو رہا تھا۔ یہ چھ جانباز ان اسلام نہایت پھرتی اور چالاکی سے قتل کر رہے تھے، میں بھی بڑھ بڑھ کر ان کے ساتھ حملے کر رہا تھا، اور کہہ رہا تھا کہ جو مصیبت ان پر نازل ہوگی وہ مجھ تک بھی پہنچے گی، حتیٰ کہ حضرت خالد بن ولید ؓ نے زور سے آواز دی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ کے صحابیو! یہی میدان کارزار میدان حشر ہے، خالد کی جو تمنا تھی وہ پوری ہوگئی۔ میدان کارزار ہماری طرف سے آتش کدہ بن گیا۔ لوگ ہجوم کر کر ہماری جانب آنے لگے اور ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ اور حضرت مرقال بن ہاشم ؓ پاپیادہ ہوگئے اور حملے پر حملے کرنے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ اور حضرت فضل بن عباس ؓ پاپیادہ اور لوگوں کا ان پر ہجوم دیکھ کر ان کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہوئے، اور ان کے حملہ آوروں کے حملے روک روک کر یہ آوازیں لگانا شروع کیں۔ کتو! دور ہو جاؤ، اور ان اصحاب کے سامنے سے ہٹ جاؤ!

ہم ہیں شہسواران اسلام، یہ زبیر بن عوام اور میں ہوں رسول اللہ ﷺ کے چچا کا بیٹا فضل بن عباس۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رب رسول اللہ ﷺ کی قسم! حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے وہ حملے جو آپ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حملہ آوروں پر آپ کے بچانے لئے کر رہے تھے، میں گن رہا تھا، آپ نے بیس حملے کئے اور ہر حملہ میں ایک ایک سوار کو گراتے رہے، حتی کہ آپ کے حملہ آور بھاگ پڑے اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت مرقال بن ہاشم رضی اللہ عنہ رومیوں کے ایک ایک گھوڑے کو پکڑ پکڑ کر سوار ہو گئے، اور پھر ایک اس زور سے حملہ کیا کہ گویا وہ ابھی تک لڑے نہیں تھے اور اب تازہ دم ہی حملہ کر رہے ہیں۔ تمام دن لڑائی نے یہی رنگ اختیار کیا، اور آخر کشتوں کے پشتے اور خون کی سرخ سرخ ندیاں دیکھ دیکھ کے سورج بھی زرد پڑنے لگ گیا اور قریب تھا کہ یہ مغرب کے ارغوانی دریا میں کود پڑے حملہ آور شیروں نے پھر ایک جان توڑ حملہ کیا اور روباہ مزاج نصرانیوں پر پل پڑے۔ ادھر مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی وجہ سے قلق واضطراب نے گھیرنا شروع کیا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو زور زور سے آوازیں دیں اور فرمایا اصحاب رسول اللہ ﷺ! خداوند تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عنایت کریں، اپنے مسلمان بھائیوں کی خبر لو۔ میری رائے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھی شہید ہو چکے ہیں، بڑھو بڑھو! اور نصرانیوں پر حملہ کر دو۔ تمام مسلمانوں نے اس پر لبیک کہا اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر حضرت ابوسفیان صخر بن حرب نے کہا ایھا الامیر! انشاء اللہ مسلمانوں کو فتح ہو گی اور عنقریب آپ انہیں بخیر و عافیت واپس آتا دیکھیں گے۔ ابھی جلدی نہ کریں۔ آپ نے اس پر مطلق توجہ نہ فرمائی اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ کو اس وقت سخت صدمہ اور قلق ہو رہا تھا، اور اپنے ان مسلمان بھائیوں کی وجہ

سے جو جنگ میں شریک تھے، آپ رو رہے تھے۔ قریب تھا کہ جناب حملہ کے متعلق احکام نافذ کریں کہ دفعتہً تکبیر و تہلیل کی آوازیں گونجنے لگیں۔ **اللہ اکبر** کے نعروں سے فضا آسمانی گونج اٹھی **اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له وان محمدا عبدهٗ ورسوله** ۔ کی صدائیں آنے لگیں اور انہی کے ساتھ ساتھ نصرانی عرب شکست کھا کر بھاگتے ہوئے اس طرح نظر آنے لگے کہ گویا آسمان سے کسی چیخنے والے نے انہیں چیخ چیخ کر بھگا دیا ہے۔

(فتوح الشام ص ۲۶۶۔ ۲۶۷)

حرم کعبہ میں پیغمبر ﷺ کا پہلا تاریخی خطبہ

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ "حرم کعبہ" میں گئے، اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت ﷺ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے۔

" جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا "

(بخاری باب فتح مکہ)

خاص خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے، سب نکال دیئے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں، شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت بلال وطلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا فرمائی، اس کے بعد جبابرہ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اسکا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں آج تمام مفاخر سارے انتقامات وخون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔"

''اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا ہے، تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر.

لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، خدا جاننے والا اور واقف کار ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔

خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرگروہ تھے، وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازشیں کیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا، کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ اگرچہ یہ سرکش تھے، گمراہ تھے، اسلام کے دشمن تھے، لیکن مزاج شناس تھے، بول اٹھے،'' اخ کریم وابن اخ کریم' ' تو شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقا

تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، اور چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دے دی۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال ؓ نے کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی، لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی، چنانچہ اذان

کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی، اور عتاب ابن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا، خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا میں باقی نہ رکھا، تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے عفو عام نے اکثر کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی۔ اس لئے صد ہا پُرغرور سر، آستانہ اسلام پر خم ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے، اور کفار جوق در جوق آکر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، پندرہ روز قیام کرنے کے بعد معاذ ابن جبل ؓ کو نومسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص ۷۰۔۷۱)

نوع انسانیت کے تیسرے جداعلیٰ، ایک معلوماتی تاریخی قطعہ

توریت میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے انتقال کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ترپن سال کے تھے۔ کیونکہ ارفخشد، سام کی صلب سے طوفان کے دو سال بعد پیدا ہوئے، اور جب ارفخشد، کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو شالخ پیدا ہوا۔ شالخ کی عمر تیس سال کی تھی کہ عابر پیدا ہوا، اور پینتالیسویں سال کی عمر میں عابر سے فالغ پیدا ہوا، اور فالغ کی عمر تیس سال کی تھی جب ارغو اور ارغو میں تارح پیدا ہوا، اور جس وقت تارح کی عمر پچھتر سال کی ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس حساب سے طوفان کے زمانے سے ولایت ابراہیم تک دوسو ستانوے سال بنتے ہیں۔ اور نوح علیہ السلام طوفان کے بعد تین سو پچاس سال تک زندہ رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے انتقال کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ترپن سال کے تھے۔ اور آپ نے اپنے جداعلیٰ کا زمانہ پایا۔ بعض مؤرخین کی یہ رائے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام بنی آدم کے جوان کے بعد پیدا ہوئے ہیں، جداعلیٰ ہیں۔ اس

اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح وآدم علیہما السلام کے بعد تیسرے جداعلیٰ قرار پائے۔ (ابن خلدون: ج۲ص۲۶)

قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ جیسے فاتح کے بارے میں خراسانی کا تاریخی جملہ

موسیٰ بن نصیر، قتیبہ بن مسلم، اور طارق ابن زیاد رحمھم اللہ جیسے نامور سپہ سالاروں کا زمانہ تھا۔ بعض وجوہات کی بنا پر قتیبہ کو گمان ہوا کہ سلیمان بن عبدالملک ان کو معزول کردے گا۔ لہٰذا سلیمان کے خلاف اعلان بغاوت کردیا۔ جس کی وجہ سے قتیبہؒ کے سرداروں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ ایک معرکہ میں قتل کردیئے گئے۔ ان کے قتل کی خبر سن کر ایک خراسانی نے آپؒ کی مدح میں درجہ ذیل جملہ کہا۔ (ازمؤلف)

قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ جیسا فاتح اسلام جس سے شاہان عجم وترکستان لرزہ براندام تھے، آپس کی بدگمانی اور مخالفت کی نذر رہوا۔

ایک خراسانی نے اس کے قتل کی خبر سن کر کہا۔

"خدا کی قسم! اگر قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ جیسا فاتح ہم میں ہوتا اور مرجاتا تو ہم اسے تابوت میں رکھتے اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت اس تابوت کی برکت سے فتح طلب کرتے۔ (ابن اثیر جلد۵)

سلطان سکندر کے انصاف کی تاریخی مثال

سلطان سکندر بن سلطان سکندر ۸۹۴ھ سے ۹۲۳ھ تک تخت نشین رہا۔ سلطان اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی رکھتا تھا، انتہائی پاکباز تھا، اور بندگان خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔ ۷ ذیقعدہ ۹۲۳ھ میں انتقال ہوا، ان کی حقیقت شناسی اور انصاف پسندی

کے چند متحیر العقول واقعات اس طرح ہیں۔ (از مؤلف)

(۱) ''گوالیار کے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے، مفلسی سے تنگ آ کر فوج میں شامل ہو گئے، ایک لڑائی میں انہیں غارت کے سلسلہ میں دو لعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا، دوسرا اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا۔ جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دے دینا۔ جب یہ گوالیار واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دے دیں، لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے اپنے بیوی سے استفسار کیا۔ اس نے انکار کیا، الغرض یہ معاملہ میاں بھورا تک پہنچا جو دربار سکندر لودھی کے امراء کبار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے۔ انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے۔ اور میاں بھورا نے ان گواہوں پر اعتبار کر کے فیصلہ کر دیا کہ ''لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہئے۔''

یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچی۔ بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا۔ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا، لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اس نے سوچ کر گواہوں سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا تو تم نے اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے دیکھا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا اور کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعے سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بنایا ہوا نمونہ دوسرے کے نمونے سے بالکل مختلف تھا اور لعل کی ہیئت و صورت سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی۔ بادشاہ نے گواہوں کو دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا، جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت نہ کرتا۔

(۲) ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیردار نے اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورا کو تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس مسئلے میں کچھ ایسے نزاعات پیش آئے کہ دو ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے میاں بھورا کو بلا کر کہا کہ کیوں اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا؟ آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے گا جب تک یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے تک بیٹھے رہے اور اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا۔

بادشاہ نے میاں ملک جاگیردار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم نے میرے خلاف حکم ظلم کیا اور وظائف واملاک کی زمین تم نے کیوں چھینی۔ میاں ملک نے اعتراف جرم کیا۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعتراف جرم کرا کر نادم کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا۔

(۳) ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۱۵۰۰۰، اشرفیوں کا دفینہ مل گیا۔ لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دفینہ پانے والے کو واپس دیا جائے۔

حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ مستحق نہیں ہے۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ ''اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دفینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں، اور وہی بہتر جانتا ہے۔ کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے۔

(۴) اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت بڑا دفینہ برآمد ہوا۔ اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی۔ علی خاں حاکم لاہور و دیپال پور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفینہ میرے حدود حکومت کے اندر برآمد ہوا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو۔'' شیخ نے انکار کیا۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ:

جودھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے۔

بادشاہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھا دیا کہ:

''تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو۔''

اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کر دیئے اور کہا کہ:

''تمہی رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔''

یہ واقعہ تاریخ سلاطین افاغنہ اور واقعات مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کر دیتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔

(۵) ایک بار اس نے ملک بدرالدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کر کے ایک پرگنہ تفویض کر دیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہو گئی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ''زائد دو لاکھ کی بابت کیا حکم ہوتا ہے۔''

بادشاہ نے کہا کہ ''تم رکھ لو'' دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہو گئی۔ اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا۔ ''جاگیر تمہاری ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو۔''

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیر بھی ایسے ہی دیانت دار وامین تھے۔ جاگیر مقرر کرنے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا، لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیردار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا۔ اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

(تاریخ ملت ج ۳ ص ۴۳۸ تا ۴۴۰)

ہجرت کے بعد اہم تاریخی امور

۱ھ۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) اور آذان کی تعلیم، اور مشہور لوگوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔

۲ ہجری۔ (۱) بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ (۲) روزے فرض ہوئے (۳) زکوٰۃ فرض ہوئی۔ (۴) صدقہ اور (۵) نماز عید اور (۶) قربانی کی تعلیم دی گئی۔ (۷) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور (۸) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

۳ھ۔ شراب حرام ہوئی۔

۴ھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی کے بموجب یہودیوں کی لکھائی سیکھی تاکہ ان سے خط و کتابت ہو سکے۔

۵ھ حج فرض ہوا۔ متبنیٰ یعنی لے پالک بنانے کا قاعدہ منسوخ ہوا جو عرب میں بہت رائج تھا۔ جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے جیسے حقوق ملتے تھے۔ وہی وراث ہوتا تھا اور اس کی بیوی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام مانی جاتی تھی۔

۷ھ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔

۸ھ حضرت ابوسفیان ؓ بن حرب ان کے صاحبزادے حضرت معاویہ ؓ ،حضرت ابو قحافہ ؓ والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق ؓ ، حضرت سفیان بن حارث ؓ پسر عبدالمطلب یعنی حضور ﷺ کے تائے زاد بھائی مسلمان ہوئے۔

۹ھ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو حج کا امیر بنا کر مکہ معظمہ روانہ کیا گیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جا کر وہ مشہور اعلان کیا جس کی ہدایت قرآن میں سورۂ برأت میں نازل ہوئی تھی۔

۹ھ یا ۱۰ھ میں بعض علماء کے خیال کے بموجب حج فرض ہوا۔

(تاریخ اسلام (مولانا محمد میاں) حصہ دوم :ص ۲۱۲۔۲۱۳)

معرکہ بالاکوٹ کا ایک عبرتناک تاریخی واقعہ

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی تو سب لوگ وضو کر کے مسلح ہو کر حاضر ہوئے، امیر المومنین سید احمد شہید رحمہ اللہ نے نماز پڑھائی۔ بعد از نماز لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ پھر یہ مندرجہ ذیل واقعہ پیش آیا۔ (از مؤلف)

میاں خدا بخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ ضلع اجوری کا ایک شخص پنجتار سے حضرت کے لشکر میں شریک ہوا تھا۔ اس کا نام معلوم نہیں۔ مگر راجہ کر کے مشہور تھا۔ جب اس نے شیر سنگھ کا لشکر دیکھا کہ سامنے پڑا ہے۔ خدا معلوم اس کے دل میں کیا آیا کہ یکبارگی اپنے ہتھیار لے کر لشکر مجاہدین سے نکل کر شیر سنگھ کے لشکر میں چلا گیا اور ان میں شریک ہو گیا۔ تقدیر الٰہی سے اسکے جانے کے بعد شیر سنگھ کے لشکر کا ایک سکھ حضرت کے پاس آ کر مسلمان ہوا اور غازیوں میں شریک ہوا۔ حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا ۔جس دن بالاکوٹ میں لڑائی شروع ہوئی اور سکھوں نے غازیوں پر یورش کی، تب وہ جو راجہ کر کے مشہور تھا، ہتھیار باندھے سب سکھوں کے آگے تھا۔ ادھر کی گولی اس کے لگی اور وہ وہیں مردار ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طرف سے ایک گولی اس سکھ نومسلم کے لگی

اور وہ اسی جگہ شہید ہو گیا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۶ ص ۴۲۴)

معرکہ بالاکوٹ کے پہلے شہید کا تاریخی قصہ

الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سید چراغ علی تھے، وہ کھیر پکار ہے تھے اور قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی۔ سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اتر رہے تھے۔ وہ اپنی کھیر بھی چمچہ سے ہلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے۔ اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت واقع تھی۔ یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنچے ہوئے آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہوئے۔ کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب ٹھہر جاؤ، ہم بھی چلیں گے، انہوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گھس گئے اور داد جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔

(حوالہ بالا: ص ۴۲۵)

لشکر اسامہ ﷺ کی روانگی کے وقت ۱۰ نصیحتیں اور ایک تاریخی نکتہ

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جب لشکر اسامہؓ کو روانہ کیا تو............

آپ ﷺ نے اسامہ کو ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے دس باتوں کی نصیحت اور وصیت کی۔ آپ نے فرمایا:

۱۔ خیانت نہ کرنا۔

۲۔ جھوٹ نہ بولنا۔

۳۔ بدعہدی نہ کرنا۔

۴۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

۵۔ کسی ثمر دار درخت کو نہ کاٹنا نہ جلانا۔

۶۔ کھانے کی ضرورت کے سوا اونٹ، بکری اور گائے وغیرہ کو ذبح نہ کرنا۔

۷۔ جب کسی قوم پر گزرو تو اس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔

۸۔ جب کسی سے ملو اس کے حفظ مراتب کا خیال رکھو۔

۹۔ جب کھانا تمہارے سامنے آئے تو اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو۔

۱۰۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ان لوگوں سے جنھوں نے دنیاوی تعلقات سے الگ ہو کر اپنے عبادت خانوں میں رہنا اختیار کر رکھا ہے، کوئی تعرض نہ کرو۔ ان تمام کاموں میں جن کے کرنے کا حکم آنحضرت ﷺ نے تم کو دیا، نہ کمی کرنا، نہ زیادتی۔ اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں کفار سے لڑو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحتیں کر کے مقام جرف سے واپس لوٹے۔ واپس آتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے اسامہ سے کہا کہ ''اگر تم اجازت دو تو عمر رضی اللہ عنہ میری مدد اور مشورے کے لئے میرے پاس رہ جائیں۔'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی، اور وہ اس لشکر سے جدا ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں تشریف لے آئے۔

اس جگہ غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ خلیفہ وقت اپنے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک سکتے تھے۔ مگر انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کرنی ضروری سمجھی۔ یہ بھی اس لشکر کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم نصیحت تھی جو خلیفہ وقت نے اپنے نمونے کے ذریعہ کی۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ا ص ۲۲۸۔۲۲۹)

یمن (زمانہ یوسفؑ) میں قبر کھلنے کا تاریخی واقعہ

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی، جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں، اس کے سرہانے ایک لوح تھی، جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا۔

باسمک اللّٰھم الہ حمیرا ناتاجۃ بنت ذی شفر بعثت مایرنا الی یوسف فابطاء علینا فبعثت لاذتی بمدمن ورق لتاتینی بمد من طحین فلم تجدہ فبعثت بمدمن ذھب فلم تجدہ فبعثت بمدٍ من بحری فلم تجدہ فامرت بہ فطحن فلم انتفع بہٖ فا فتعلت فمن سمع بی فلیر حمنی و اٰیۃ امراء ۃلبست حلیا من حلتی فلا ماتت الاسیتتی.

ترجمہ: تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذوشفر کی بیٹی تاجہ ہوں، میں نے اپنے قاصد کو یوسف (علیہ السلام) کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی، پھر سونا بھیجا کہ آدھ سیر آٹا لے آئے، لیکن حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس کر آٹا بنایا جائے۔ لیکن وہ بیکار تھا، جو شخص میرا حال سنے اس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہئے، جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور اس سے اس قحط کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا، اور یہ کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

(تاریخ ارض القران ص ۳۴)

خراسان کی فتح کے بعد امیر المؤمنین کی تاریخی تقریر

سیستان ایران کی آخری حد ہے، اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کی حدود کی طرف بڑھا، چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمر تغلبی مکران کی طرف بڑھے، یہاں کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے مقابلے میں آیا، دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خون ریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی۔ اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی، حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دیکر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا انہوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا۔

ارض سهلها جبل وماء ها وشل ثمر ها وقل وعد ها طل وخير هاشر وشر ها طويل والكثير بها قليل

حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام، صحار نے عرض کیا واقعی حالات میں عرض کر رہا ہوں، یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حاکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے، چنانچہ مکران مشرق میں فاروقی فتوحات کی آخری سرحد ہے۔ لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ تک فوجیں پہنچ گئی تھیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم بلند ہو چکا تھا۔

ان فتوحات کے دوران یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، خراسان کی مہم احنف بن قیس سے (جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا) متعلق ہوئی تھی، چنانچہ انہوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی، لیکن چونکہ خراسان کی فتح ساسانی حکومت کا دم واپسیں تھی اس لئے ہم

نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب نہ سمجھا۔

خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا، مقدس آگ ساتھ تھی، یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، اس لئے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہجانی کا رخ کیا، اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، مروشاہجہاں کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد مروالروز چلا گیا اور خاقان چین کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، احنف کو خبر ملی، تو وہ فوراً مروالروز پہنچ گئے، یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا اور احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگیں ہو گیا، احنف نے مروالروز واپس ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا، احنف اس وقت مروالروز میں تھے، یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا، کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل ودمامہ بجاتے ہوئے نکلے، احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا، خاقان نے اس سے فال بدلی، اس کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ بھی ہو گیا تھا، اس لئے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کے واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہوکر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا، ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ ''چینیوں کا کوئی دین مذہب نہیں ہے، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے، ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین ومذہب رکھتے ہیں، عہد کے پاسدار ہیں۔ اس لئے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لیجانے پر مصر ہوا، ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جارہی ہے تو زبردستی چھین لی، اور یزدگرد ناکام ونامراد ترکستان چلا گیا۔

یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف کے پاس جاکر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کردیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کے صلے میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی۔

اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خط لکھا، آپ اسے لے کر مسجد میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر مؤثر تقریر کی۔

آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی، اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضے میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لئے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے، اس لئے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا، مجھ کو اس امت کے لئے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔

(طبری ج ۵) بحوالہ (تاریخ اسلام ندوی ج۱ص ۱۵۳تا ۱۵۵)

اسلام کے سفیر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی جبار بادشاہ قازان سے جرأت مندانہ تاریخی گفتگو

دوشنبہ ۳ ربیع الثانی ۶۹۹ھ کو مقام نبک میں اہل دمشق کے نمائندہ اور اسلام کے سفیر ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور تاتاریوں کے جبار بادشاہ قازان کی ملاقات ہوئی، شیخ کمال الدین بن الانجا جو دمشق سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ گئے تھے، اور اس مجلس میں شریک تھے، اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں۔

''میں شیخ کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھا، وہ سلطان (قازان) کو عدل وانصاف کی آیات واحادیث اور اللہ ورسول ﷺ کے ارشادات واحکام سناتے تھے، ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی، اور برابر سلطان کے قریب ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کے گھٹنے اس کے گھٹنے سے مل جائیں، سلطان کو اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوئی، وہ بڑی توجہ سے کان لگائے ان کی گفتگو سن رہا تھا، اور ہمہ تن متوجہ تھا، اس پر ان کا رعب ایسا طاری تھا، اور وہ ان سے ایسا متأثر تھا کہ اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ عالم کون ہے؟ میں نے ابھی تک ایسا شخص نہیں دیکھا اور نہ اس شخص سے زیادہ کوئی دلیر اور قوی القلب آج تک دیکھنے میں آیا، مجھ پر ابھی تک کسی کا ایسا اثر نہیں پڑا تھا، لوگوں نے ان کا تعارف کرایا، اور ان کے علمی اور عملی کمالات کا تذکرہ کیا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قازان سے کہا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مسلمان ہو اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھ قاضی، امام شیخ اور مؤذنین بھی رہا کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم نے ہم مسلمانوں پر حملہ کیا، حالانکہ تمہارے باپ اور دادا کافر ہونے کے باوجود ایسے اعمال سے محترز رہے، انہوں نے جو کچھ عہد کیا تھا، وہ پورا کیا، اور تم نے جو عہد کیا، وہ توڑ دیا، اور جو کچھ کہا تھا، اس کو پورا نہیں کیا، اور بندگان خدا پر ظلم کیا۔''

شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ ایسی گفتگو کرنے کے باوجود شیخ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ واپس آئے، تاتاریوں کے ہاتھ میں مسلمان قید تھے، ان کی بڑی تعداد ان کی حسن سفارش سے چھوڑ دی گئی، شیخ کہا کرتے تھے کہ غیر اللہ سے تو وہ ڈرے گا جس کے دل میں کوئی بیماری ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے حکام سے اپنے اندیشہ اور خوف کا اظہار کیا، فرمایا کہ ''اگر تم تندرست ہوتے تو کسی سے نہ ڈرتے۔''

ایک دوسرے ہمراہی قاضی القضاۃ ابوالعباس اتنا اور اضافہ کرتے ہیں:

''اس مجلس میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کے سامنے کھانا رکھا گیا، اور سب شریک ہوگئے لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ دست کش رہے، دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں نہیں شرکت کرتے؟ فرمایا کہ یہ کھانا کب جائز ہے؟ یہ تو غریب مسلمانوں کی بھیڑ بکریوں کے گوشت سے تیار کیا گیا ہے، اور لوگوں کے درختوں کی لکڑی کے ایندھن سے پکایا گیا ہے، قازان نے ان سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی کہ خدایا اگر آپ کے نزدیک قازان کا اس جنگ سے مقصد تیرے کلمے کی بلندی اور جہاد فی سبیل اللہ ہے تو اس کی مدد فرما، اور اگر سلطنت دنیا اور حرص وہوس ہے، اس سے تو سمجھ لے، حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ دعا کر رہے تھے، اور قازان آمین کہہ رہا تھا، ہمارا حال یہ تھا کہ ہم اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے کہ اب جلاد کو انکی گردن مارنے کا حکم ہوگا، ان کے خون کے چھینٹے ہمارے دامن پر کیوں آئیں؟

ابوالعباس کہتے ہیں کہ:۔

''جب مجلس برخاست ہوئی اور ہم دربار کے باہر آئے تو ہم نے کہا کہ آپ نے تو ہماری ہلاکت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، ہم اب آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے، انہوں نے کہا کہ میں خود تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، چنانچہ ہم لوگ تو روانہ ہوگئے اور وہ ذرا ٹھہر کر واپس ہوئے، خوانین وامراء کو جب اس وقعہ کی اطلاع اور ان کی موجودگی

کاعلم ہوا تو ہر طرف سے انہوں نے ہجوم کیا، اور برکت وحسن اعتقاد میں چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا، اور وہ اس شان سے دمشق واپس ہوئے کہ تین سو (۳۰۰) سوار ان کی رکاب میں تھے۔

اس کے مقابلے میں ہم پر یہ گزری کہ ہم راستے میں تھے کہ ایک گروہ حملہ آور ہوا اور اس نے ہمارے کپڑے اتار لئے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲ ص ۴۹ تا ۵۱)

ابتداء سے انتہا تک مقدار زمانہ کی تاریخی حیثیت

ابتدا سے انتہا تک یعنی تخلیق آدم سے قیامت تک زمانے کی کل مقدار کے بارے میں علمائے سلف کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ زمانے کی کل مقدار سات ہزار سال ہے۔ اس قول کے قائل حضرت ابن عباس ؓ ہیں۔ ان سے مروی ہے کہ ''دنیا کی مجموعی عمر آخرت کے مقابلے میں سات ہزار سال ہے، اس میں چھ ہزار دو سو سال گزر چکے ہیں اور چند سو سال باقی ہیں۔ (یعنی چند صدیاں باقی ہیں نہ کہ ہزار)

بعض فرماتے ہیں کہ زمانے کی کل تعداد چھ ہزار سال ہے، حضرت کعب احبار ؓ سے یہی مروی ہے اور حضرت وہب بن منبہ ؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کو پانچ ہزار چھ سو سال گزر چکے ہیں اور ہر زمانے کے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سلاطین گزرے ہیں، میں ان سب سے واقف ہوں، راوی نے پوچھا، دنیا کی کل مدت کتنی ہے، فرمایا ''چھ ہزار سال''۔

ان میں سے درست قول وہ ہے جس کی تائید وتقویت بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ تمہاری عمر گذشتہ امتوں کے مقابلے میں اتنی ہے جتنا نماز عصر سے

غروب شمس تک کا وقت، (یعنی جونسبت اس قلیل وقت کو پورے دن سے ہے وہی نسبت تمہاری مجموعی عمر کو گذشتہ امتوں کی مجموعی عمر سے ہے۔)

ابن عمرؓ سے یہ مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ خبردار بلاشبہ تمہاری عمران امتوں کے مقابلے میں جوتم سے پہلے گزر چکی ہیں اتنی ہے جتنا کہ نماز عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔

ابن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے لئے دنیا کی عمر میں صرف اتنی مقدار بچی ہے جتنی کہ بعد نماز عصر سورج کی مقدار غروب ہونے سے باقی رہ جاتی ہے۔

ابن عمرؓ سے ہی مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس عصر کے بعد بیٹھے ہوئے تھے اور سورج ''قعقعان'' نامی پہاڑ پر چمک رہا تھا، پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری عمریں گزریں ہوئی امتوں کے مقابلے میں بس اتنی ہیں جتنا دن کا یہ حصہ گزرے ہوئے دن کی نسبت باقی رہ گیا ہے۔

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب کو خطبہ دیا اور سورج غروب ہونے کے قریب تھا، بس قلیل سا وقت باقی رہ گیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، دنیا کی بقیہ عمر گزری ہوئی عمر کی نسبت صرف اتنی رہ گئی ہے جتنا کہ یہ تمہارا دن گزرے ہوئے دن کی نسبت باقی ہے اور تم سورج کو غروب کے قریب ہی دیکھ رہے ہو۔

ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غروب شمس کے قریب فرمایا کہ دنیا کا باقی ماندہ حصہ گزرے ہوئے حصہ کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے کہ تمہارے آج کے دن کا بقیہ حصہ گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں۔

(تاریخ طبری ج ۱ ص ۴۵۔۴۶)

عبدالرحمٰن الداخل کے دور میں جامع مسجد قرطبہ کی تاریخی شان

میریا کالیکٹ تاریخ اسپین میں لکھتا ہے:

"عبدالرحمٰن اپنے ہمراہ مشرق سے علم معماری اور مذاق عمارت کی عالی شان اور خوشنمائی کا (نقشہ) لایا تھا۔ اور یہ صرف نقشہ جات ہی کے بنانے میں واقف کار اور ہوشیار نہیں تھا بلکہ عمدہ معمار بھی تھا اور یہ مذکور ہے کہ مسجد اعظم کارڈاوا (قرطبہ) کو اپنے ہاتھ سے بنانا شروع کیا تھا۔

اس مسجد کی تعمیر میں دو لاکھ سکہ طلائی سے زیادہ صرف کیا تھا، اور وہ مسجد چھ سو فٹ طول اور اڑھائی سو فٹ عرض میں تھی، اور شمال سے جنوب تک انیس محرابیں تھیں، اور ایک سو ترانوے ستون سنگ مرمر کے نہایت خوبصورت تھے، اور انیس کلاں دروازے جانب جنوب کے پیتل کے ڈھلے ہوئے تھے۔ پچھم کے دروازے میں بالکل سونے کے پترے جڑے ہوئے تھے، اور نو دروازے شرق اور نو دروازے غرب میں تھے۔ مینار مسجد کا دو سو چالیس فٹ بلند تھا، اور تین سنہرے گولے مینار پر تھے، اور گولوں پر بشکل انار مخروطی کلس طلائی تھا۔ روزانہ روشنی کے لئے چار ہزار چھ سو فتیل سوز روشن کئے جاتے۔ تیل کا خرچہ تین سو من سالانہ تھا۔ عنبر، عود اور لوبان خوشبو کے لئے جلتا رہتا اور امام کی جگہ سونے کا چراغ دان جلتا تھا۔ اس میں نہایت درجہ کارسازی اور عمدہ صناعی تھی۔ (تاریخ ملت ج۱ص۵۴۴۔۵۴۵)

سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ اور ابو حازم رحمہ اللہ کے درمیان تاریخی سوال و جواب

سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ نے ۹۷ھ میں لوگوں کو حج کروایا، اور وہ مکہ جانے کے لئے مدینہ سے گزرے، اور کہنے لگے کیا یہاں کوئی ہمیں نصیحت کرنے والا ہے؟

اسے بتایا گیا کہ ابو حازم ہیں، اس نے پیغام بھیج کر آپ کو بلایا۔ اور جب آپ اس کے پاس آئے تو اس نے کہا، اے ابو حازم (رحمہ اللہ) یہ کیا بد سلوکی ہے؟ آپ نے کہا، یا امیر المومنین، میں آپ کو اس سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، کہ آپ وہ بات کہیں جو نہیں ہوئی، اس سے پہلے نہ آپ مجھے پہچانتے ہیں اور نہ میں نے آپ کو دیکھا ہے، تو سلیمان، محمد ابن شہاب کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، شیخ نے درست کہا اور میں نے غلطی کی ہے، سلیمان نے پوچھا، اے ابو حازم! ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے، اور دنیا کو آباد کر لیا ہے، اور تم آبادی سے ویرانے کی طرف منتقل ہونے کو ناپسند کرتے ہو۔ اس نے کہا، آپ نے درست کہا ہے، کل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا، اچھے کام کرنے والا یوں آئے گا جیسے غائب، اپنے اہل کے پاس آتا ہے، اور برے کام کرنے والا بھگوڑے غلام کی طرح ہوگا، جو اپنے آقا کے پاس آتا ہے۔

پس سلیمان رو پڑا، اور کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہو کہ میں اللہ کے پاس کیا ہوں؟ آپ نے فرمایا یا، امیر لمومنین! اپنے اعمال کو، کتاب اللہ پر پیش کیجئے۔ اس نے پوچھا، میں اسے کیا پاؤں گا؟ آپ نے فرمایا:

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم.

اس نے پوچھا، اے ابو حازم کون سے بندے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا، مروت اور تقویٰ والے، اس نے پوچھا کون سے اعمال افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا ،محارم سے بچنے کے ساتھ ساتھ فرائض کا ادا کرنا، اس نے پوچھا، کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا، محسن کا محسن کے لئے دعا کرنا، اس نے پوچھا، کون سا صدقہ زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا، تنگدست سائل کا صدقہ۔ اور مشقت سے گذر اوقات کرنے والے غریب کا، جس میں احسان نہ ہو، اور نہ تکلیف ہو۔ اس نے پوچھا،

کون سی بات زیادہ عدل وانصاف والی ہے؟ آپ نے فرمایا، اس شخص کے پاس سچی بات کہنا، جس سے خوف زدہ ہو، یا اس سے امید رکھتا ہو، اس نے پوچھا، سب سے بڑا احمق کون ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ شخص جو اپنے ظالم بھائی کی محبت میں بڑھ جائے۔ اور دوسرے کی دنیا کے بدلے میں اپنی آخرت کو فروخت کردے، اس نے کہا، آپ نے درست فرمایا ہے۔ ہم جس حال میں ہیں اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یاامیر المومنین: کیا آپ مجھے اس بات سے معاف فرمائیں گے؟ اس نے کہا، نہیں، بلکہ یہ ایک نصیحت ہے جو آپ مجھے کریں گے۔ آپ نے فرمایا، تیرے آباء نے لوگوں کو تلوار سے مغلوب کیا، اور مسلمانوں کے مشورہ اور رضامندی کے بغیر زبردستی حکومت پر قابض ہو گئے۔ کاش تو وہ بات سنتا، جو انہوں نے کہی، اور جو انہیں کہی گئی ہے، پس سلیمان بے ہوش ہو گیا اور اس کے ہم نشینوں میں سے ایک نے کہا، اے ابو حازم، آپ نے بہت بڑی بات کی ہے۔ ابو حازم نے کہا، اے دشمن خدا، تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے واسطے اسے کھول کر بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔

سلیمان کو ہوش آیا، تو اس نے کہا، اے ابو حازم، ہم لوگوں سے کیسے بھلائی کریں، آپ نے فرمایا، ڈینگیں مارنا چھوڑ دو، اور مروت کو لازم پکڑ و اور برابر تقسیم کرو، سلیمان نے کہا، اس کے لینے کا طریق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، مال کو اس کی حلال جگہ سے لو، اور اسے اس کے اہل کو دو۔ سلیمان نے کہا، کیا آپ ہمارے ساتھ رہیں گے کہ آپ ہم سے اور ہم آپ سے (فائدہ) حاصل کریں؟ آپ نے فرمایا، یا امیر المؤمنین، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس نے پوچھا، کیوں؟ آپ نے فرمایا، میں ڈرتا ہوں کہ میں تھوڑا سا تمہاری طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور اللہ مجھے موت وحیات سے دگنے عذاب کا مزا چکھائے گا۔ اس نے کہا، اے ابو حازم، مجھے اپنی حاجات

بتائیں۔آپ نے فرمایا، مجھے دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیجئے گا۔،اس نے کہا، یہ بات میرے بس میں نہیں۔آپ نے فرمایا اس کے سوا مجھے کوئی حاجت نہیں ہے۔اس نے کہا، اے ابو حازمؒ، میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔آپ نے فرمایا، اے اللہ!اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی میسر کر۔ اور اگر تیرا دشمن ہے تو تو جب چاہے اس کی پیشانی کو پکڑ۔

سلیمان نے کہا، مجھے مزید دعا دیجئے ،آپ نے فرمایا، یا امیر المؤمنین، اگر آپ اس کے اہل ہیں تو بھی اختصار و اکثار کر دیا ہے۔اور اگر آپ اس کے اہل نہیں تو مجھے بے تانت کمان سے تیر اندازی نہیں کرنی چاہئے۔اس نے کہا، اے ابو حازم، مجھے وصیت کیجئے۔آپ نے فرمایا، میں تجھے ضرور مختصر وصیت کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔اپنے رب کی تعظیم کر، اور وہ تجھے اس مقام پر نہ دیکھے، جہاں سے اس نے تجھے منع کیا ہے۔ اور وہاں سے گم نہ پائے جہاں کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے، تو سلیمان نے آپ کی طرف ایک سو دینار بھجوائے ۔ اور آپ کو لکھا کہ انہیں خرچ کر دیجئے ۔آپ کے لئے اس قسم کے بہت دینار ہیں، آپ نے انہیں واپس کر دیا، اور اسے خط لکھا،

''یا امیر المؤمنین! میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کا مجھ سے سوال کرنا ہزل ہو۔ اور میرا آپ کو اس کا جواب دنیا باطل ہو۔خدا کی قسم! میں تو انہیں آپ کے لئے بھی پسند نہیں کرتا، اپنے لئے کیسے پسند کر سکتا ہوں؟ یا امیر المؤمنین!اگر یہ ایک سو دینار، ان باتوں کا معاوضہ ہے جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں، تو اضطرار میں مردار اور خنزیر کا گوشت ان سے زیادہ حلال ہے۔اور اگر یہ بیت المال میں میرا حق ہے تو میرے لئے یہ معاملہ قابل غور ہے۔پس اگر آپ نے ہمارے درمیان برابری کی ہے تو بیشک، ورنہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس کے ہم نشینوں نے اس سے کہا، یاامیر المؤمنین! کیا آپ کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ سب لوگ آپ کی مانند ہو جائیں۔ اس نے کہا، قسم بخدا، نہیں، ابو حازم نے کہا، یا امیر المؤمنین ، بنی اسرائیل جب تک رشد و ہدایت پر رہے، ان کے امراء اپنے علماء کے پاس، جو کچھ ان کے پاس تھا، اس کی رغبت سے آتے رہے، (اور جب دیکھا گیا کہ رذیل لوگوں نے علم سیکھ لیا ہے تو وہ اسے امراء کے پاس لے آئے) وہ اس دنیا کے خواہاں تھے، (اور امراء علماء سے مستغنی ہو گئے) ، پس وہ ہلاک ہو گئے۔ اور ذلیل ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر گئے۔ اور اگر علماء اس چیز سے بے رغبتی کرتے جو ان کے پاس تھی، تو امراء ان کے علم میں رغبت کرتے ، لیکن انہوں نے اس میں رغبت کی جو امراء کے پاس تھا، پس انہوں نے اس سے بے رغبتی کی ، اور وہ ان کی نگاہوں میں حقیر ہو گئے۔

زہری نے پوچھا، اس کی مراد میں ہوں، اور آپ نے مجھ پر چوٹ کی ہے؟ ابو حازم نے کہا، خدا کی قسم! میں نے آپ کا قصد نہیں کیا، لیکن بات وہی ہے جو آپ سن رہے ہیں۔ سلیمان نے زہری سے کہا، کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ زہری نے کہا، یا امیر المؤمنین یہ تیس سال سے میرے پڑوسی ہیں، میں نے ان سے بات نہیں کی۔

ابو حازم نے کہا، قسم بخدا، بے شک اگر آپ اللہ سے محبت رکھتے تو مجھے پہچان لیتے ، لیکن آپ نے اللہ سے محبت نہیں کی ، مجھے بھول گئے۔ زہری نے کہا، اے ابو حازم ۔ آپ مجھے دشنام دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ، بلکہ آپ نے خود اپنے آپ کو دشنام دی ہے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ پڑوسی کا حق ، قرابتداری کی طرح ہے؟

(ابن خلکان ج ۲ ص ۳۴۸ تا ۳۵۰)

صحابہ کی قبر کھولنے کا ایک عجیب ایمان افروز تاریخی واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزارات کے

ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، (حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ) یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم سے سنا تھا۔ پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائریکٹر تعلقات عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ اور حضرت عبداللہ بن جابر ﷺ کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمانؓ کے احاطے میں) نہیں تھیں، بلکہ یہاں سے کافی فاصلے پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ اور حضرت عبداللہ بن جابر ﷺ اس سے فرمارہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے۔ اس کا مناسب انتظام کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ گہری کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رس رہا ہے یا نہیں۔ کھدائی کی گئی، لیکن پانی رسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا۔

لیکن اس کے بعد پھر۔۔۔۔۔۔ غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ۔۔۔۔ وہی خواب دکھائی دیا۔ جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی، اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اس وقت مشورے اور بحث وتمحیص کے بعد رائے یہ قرار پائی گئی کہ دونوں بزرگوں کی قبر کھود کر دیکھا جائے۔ اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے۔ اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے

اتفاق کرلیا۔

چونکہ قرون اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابۂ رسول اللہ ﷺ کی قبروں کو کھودنے کا یہ واقعہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ اسلئے حکومت عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا۔ اس کے لئے ایک تاریخ مقرر کی، تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہوسکیں۔ اتفاق سے وہ تاریخ ایام حج کے قریب تھی، جب ارادے کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کردیا جائے، تاکہ حج سے فارغ ہوکر جو لوگ عراق آنا چاہیں۔ وہ آسکیں، چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کردی۔

کہاجاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرون عراق، بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدحام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لئے بڑی بڑی اسکرینیں دور دور تک فٹ کیں، تاکہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں۔ اور ہزار ہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارک صحیح سالم اور تروتازہ تھیں۔ ایک غیر مسلم ماہر امراض چشم وہاں موجود تھا۔ اس نے نعش مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

نعش مبارک کو منتقل کرنے کے لئے پہلے سے حضرت سلمان فارسی ؓ کے قریب جگہ تیار کرلی گئی تھی، وہاں تک لے جانے کے لئے نعش مبارک کو جنازے پر رکھا گیا۔ اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے، اور ہزار ہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب

ہوئی، اور اس طرح اب ان دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم کا بیان ہے کہ ۱۹۲۹ء کا یہ واقعہ مجھے یاد ہے۔ اس زمانے میں اخبارات کے اندر اس کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ اور اس وقت ہندوستان سے ایک ادبی گھرانے کا ایک جوڑا عراق گیا ہوا تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا۔ اور غالباً بیوی نے اپنے اس سفر کی روداد ایک سفرنامے میں تحریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوا، اور اس کی ایک کاپی حضرت مولانا مدظلہم کے پاس محفوظ ہے۔

اس سفرنامے میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت کسی غیر ملکی فرم کے ذریعے اس پورے عمل کی عکس بندی بھی کی گئی تھی۔ اور بہت سے غیر مسلم بھی یہ واقعہ خاص طور پر دیکھنے کے لئے آئے تھے، وہ اس اثر انگیز منظر سے نہ صرف بہت متاثر ہوئے، بلکہ بہت سے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنے دین کی حقانیت کے ایسے معجزے کبھی کبھی دکھلاتے ہیں۔

سنریھم آیا تنا فی الاٰ فاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق

ہم ان کو آفاق میں بھی اور خود ان کے وجود میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہی دین حق ہے۔

(جہان دیدہ ص ۵۵ تا ۵۸)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر عبداللہ بن جابرؓ حضرت جابرؓ ہی کے صاحبزادے ہیں تو یہ عجیب وغریب اتفاق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ان کے دادا کے ساتھ بھی بعینہ اسی طرح کا واقعہ پیش آچکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد عبداللہؓ غزوۂ احد کے سب سے پہلے شہید

تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن فرمایا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ شہدا کے لئے کفن تک میسر نہ تھے، اس لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا، جس میں چہرہ تو چھپ گیا، لیکن پاؤں کھلے رہے جن پر گھاس ڈالی گئی۔ اتفاق سے یہ قبر نشیب میں واقع تھی۔ چالیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہاں سیلاب آ گیا، اور وہاں سے ایک نہر بھی نکالنی تھی۔ اس موقع پر قبر کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کھولا گیا تو دونوں بزرگوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم اور تروتازہ تھے، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے چہرے پر جو زخم تھا، ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا۔ لوگوں نے ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو تازہ خون بہنے لگا۔ پھر ہاتھ دوبارہ وہاں رکھا تو خون بند ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد ص ۵۶۲، ۵۶۳ ج ۳، بحوالہ ایضاً)

صفحۂ تاریخ میں تاتاریوں کے ظلم وستم کی تاریخی داستان

ابن اثیر اپنی تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ حادثہ تاتار حوادث عظمیٰ اور مصائب کبریٰ میں سے ہے، جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ مخلوق خدا کو ایسی مصیبت کا سامنا کبھی نہیں ہوا، خاص کر مسلمانوں کو تو ایسے حادثہ جانکاہ سے کبھی سروکار نہیں ہوا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اس وقت سے اب تک ایسی بلا میں مخلوق خدا گرفتار نہیں ہوئی تو یہ بالکل صحیح ہے۔ تواریخ اس کی مثال دکھانے سے بالکل عاری ہے۔

اہل تواریخ بخت نصر کے ظلم کو جو اس نے بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا تھا۔ سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں مگر اس ملعون (چنگیز خاں) نے جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا، اسکے مقابلے میں بخت نصر کا ظلم عشر عشیر بھی نہیں ہے، بیت المقدس کے واقعہ اور بنی اسرائیل کو کچھ ان واقعات سے نسبت نہیں ہے جو مسلمانوں پر

انہیں کے ممالک میں اس ملعون کے ہاتھ پیش آئے، نہ بنی اسرائیل اس وقت اتنے قتل
ہوئے تھے جتنے مسلمان اس کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ یہ حادثہ ایک آگ تھی جس کے
شرارے بھڑک رہے تھے اور جس کا ضرر عام تھا۔ اہل تاتار ایک ایسے بادل تھے جن کو
ہوا بہت تیزی کے ساتھ اڑائے پھرتی تھی۔ یہ چین سے نکلے، ترکستان کے شہروں جیسے
کاشغر، شاغرق کو تباہ کیا۔ بخارا سمرقند پہنچے۔ انہیں لوٹا ظلم کیا، ان میں سے کچھ خراسان
گئے، وہاں کی ہلاکت بخیریب، قتل بربادی سے فارغ ہوئے، رے اور ہمدان سے بھی
یہی سلوک کرتے، حدود عراق پر پہنچے، یہاں سے آذربائجان کا قصد کیا، اسے اور اس
کے نواحی کو تباہ کرڈالا، اور ان تمام ملکوں کو ایک ہی سال میں خاک سیاہ کیا اور ساری
آفات ایک ہی سال میں توڑ دیں، جس کی مثال بہت کم ملتی ہے، کہ ایک ہی سال میں
کسی قوم نے اتنی فتوحات کی ہوں، آذربائجان سے نکلے تو دربند شیرواں جا پہنچے،
اور اس کو برباد کر دیا، پھر وہاں سے لان اور لکو گئے اور ان کو جلا کر خاکستر کر دیا، بہت
سوں کو قتل اور اکثر کو قید کر لیا۔ یہاں سے قفجان کی طرف رخ کیا، تو وہاں کے باشندوں
کو جو اکثر ترک تھے قتل کر ڈالا۔ یہاں جو رہ گئے تھے وہ قتل ہو گئے اور جو بھاگ نکلے تھے
وہ بچ گئے اور اہل تاتاران کے ملک پر قابض ہو گئے۔ اہل تاتار کا ایک حصہ انکے علاوہ
غزنی، بجستان اور کرمان کی طرف گیا اور وہاں اس سے بھی زیادہ ظلم ڈھایا جسکی نظیر صفحہ
تاریخ پر نہیں مل سکتی۔ اسکندر رومی جو دنیا کے اکثر حصہ پر قابض و متصرف ہو گیا تھا، وہ
بھی اس تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کر سکا تھا، کیونکہ اس کی فتوحات میں کم از کم دس سال
کا عرصہ لگا تھا، اور اس فتوحات کے باوجود اس نے قتل و غارت اپنا مقصد نہیں بنایا تھا، نہ
اس نے کسی کو قتل کیا تھا اور جہاں سختی کے بغیر کام نکلا اس نے وہاں میان سے تلوار نہیں
نکالی تھی۔ برخلاف اسکے کہ ان ملعونوں نے اکثر معمورہ زمین کو ایک سال میں فتح کر لیا
اور ان میں اپنا رعب و دبدبہ قائم کر لیا، ایسا کوئی شہر نہیں بچا کہ جس میں ہر شخص ان کے

خوف سے نہ کانپتا ہو، سب سے زیادہ لطف یہ ہے کہ ان کو نہ مدد کی ضرورت تھی، نہ رسد کی، محض قوت لایموت اور بہت کم خوراک کے محتاج تھے اور وہ خود ان کے پاس موجود تھی، کیونکہ بھیڑ، بکریاں، بیل، گھوڑے ان کے ساتھ تھے، جو ان کی خوراک کیلئے کافی ذخیرہ تھا، انہی کا گوشت کھا کر پیٹ بھر لیتے تھے، ان کے گھوڑے اپنی ٹاپوں اور سموں سے زمین کھود کر گھاس کی جڑیں نکال کر پیٹ بھر لیتے تھے، دانہ (چنہ) وغیرہ تو ان گھوڑوں نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔ باقی رہا ان لوگوں کا مذہب، اسکا یہ حال تھا کہ آفتاب کو اس کے طلوع کے وقت سجدہ کر لیتے تھے، اور بس۔ ان کے یہاں کوئی چیز حرام نہیں تھی۔ تمام جانور بلکہ انسان تک بھی ان کے یہاں حلال تھا۔ نکاح کا جھگڑا بھی ان کے ہاں بالکل نہیں تھا۔ ایک عورت کئی کئی مردوں کے لئے کافی ہوتی تھی۔

۶۵۶ھ ہجری میں دو لاکھ فوج ان لٹیروں کی سرکردگی میں ہلاکو خاں کی بغداد پر حملہ آور ہوئی، خلیفہ کی افواج نے ان کا مقابلہ کیا، مگر افسوس کہ اس نے شکست کھائی، اور کم بخت غارتگر تاتاری دس محرم الحرام کو بغداد میں داخل ہو گئے۔ لعنتی وزیر نے خلیفہ مستعصم کو ان سے صلح کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ سپہ سالار افواج تارتار سے چل کر ملئے۔ میں اس سے صلح کے متعلق گفت وشنید کر رہا ہوں۔ نمک حرام وزیر یہ کہہ کر اول خود گیا اور اپنے لئے امان لے کر عہد و پیمان کیا، پھر خلیفہ مستعصم کے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ تاتار اپنی بیٹی کی شادی آپ کے بیٹے امیر ابوبکر کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ آپ کو اسی طرح منصب خلافت پر قائم رکھے۔ جس طرح آنجناب کے بزرگوں کو سلاطین سلجوق نے رکھا تھا اور وہ خود بحیثیت نائب السلطنت سلجوقیوں کی طرح بننا چاہتا ہے کہ سیاہ سفید کا مالک وہ خود ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنی تمام افواج لے کر واپس چلا جائے گا۔ بہتر ہے کہ آپ اس کو بخوشی اور بطیب خاطر منظور کر لیں، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی تدبیر مسلمانوں کے خون بچانے کی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ

آپ جو کچھ چاہیں گے وہ کر سکیں گے، مگر اب یہی مصلحت ہے کہ آپ ہلاکو خاں کے پاس تشریف لے چلیں۔ یہ سن کر خلیفہ مستعصم تمام اعیان کو لے کر ہلاکو خاں کے پاس چلا اور ایک خیمہ میں جا کر سب کے ساتھ بیٹھ گیا، سب سے پہلے وزیر ہلاکو خاں کے پاس پہنچا اور اس نے وہاں جا کر سب سے اول علماء اور فقہاء کو شرائط صلح طے کرنے کے حیلے سے بلوایا، جس وقت یہ حضرات وہاں پہنچے، فوراً ان کی گردنیں ماردی گئیں۔ اس کے بعد اسی طرح ایک ایک طائفہ اور جماعت کو بلوا کر قتل کراتا رہا۔ جب تمام علماء، امراء، حجاب اور اعیان سلطنت ختم ہو چکے تو راستہ صاف ہو گیا، تلوار میان سے باہر رہی، کئی لاکھ آدمی قتل ہو گئے، جو لوگ کنوؤں یا نامعلوم جگہوں میں چھپ گئے وہ بچ گئے، ورنہ تمام تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے، بے چارہ مصیبت زدہ خلیفہ ٹھوکریں کھاتا اور لاتیں کھاتا مر گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

ذہبی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں بیچارے مستعصم کو دفن ہونا بھی نصیب نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی بہت سی اولاد اور رشتہ دار، جیسے چچا تائے وغیرہ بھی قتل ہوئے اور بعض قید کر لئے گئے۔ تاتاریوں کی مسلمانوں کے لئے یہ ایسی بلا تھی کہ اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کو دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی۔ نامراد وزیر علقمی لعین بھی اپنی مرادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے بھی تاتاریوں کے ہاتھ خوب ذلت اٹھائی۔ اس واقعہ کے بعد زیادہ دونوں تک وہ زندہ بھی نہ رہا، بلکہ موت نے اس کی بھی جلد ہی خبر لے لی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۶۱۷ تا ۶۲۰)

بیت المقدس کی فتح پر لکھا گیا تاریخی معاہدہ

۱۶ھ میں بیت المقدس کی فتح کے بعد جو عہد نامہ لکھا گیا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

(از مؤلف)

یہ عہد نامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی

فرقے کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا تھا۔ اس لئے بجنسہٖ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائیگی۔ اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائیگا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہ پائیں گے، ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے، جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنی چاہے اس کے لئے بھی امن ہے۔ اس کو ایلیا والوں کی طرح جذیہ دینا ہوگا۔ ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں، تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائیں۔ اس تحریر پر خدا، رسول، خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں، اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ گواہ ہیں ۱۸ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص ۱۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ ۴۴ تاریخی اولیات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں مورخین انہیں اولیات سے

تعبیر کرتے ہیں، ان کی فہرست یہ ہے (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیر وں کی تنخواہیں مقرر کیں (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیائش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (۱۱) نہریں کھدوائیں (۱۲) شہر آباد کروائے (۱۳) ممالک محروسہ کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیلخانہ قائم کیا (۱۷) درہ کا استعمال کیا (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے (۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے (۲۵) قاعدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے (۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے (۲۷) مکاتب قائم کئے (۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے (۲۹) حضرت ابو بکر ﷺ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا (۳۲) فجر کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی (۳۴) تین طلاقوں کو اگر ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا (۳۵) شراب کی حد اسی ۸۰ کوڑے مقرر کی (۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی (۳۷) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کے بجائے زکوۃ مقرر کی (۳۸) وقت کا طریقہ ایجاد کیا (۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۴۰) مساجد میں وعظ کا

طریقہ جاری کیا (۴۱) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۴۲) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا (۴۳) ہجو کہنے والے کے لئے تعزیر کی سزا مقرر کی (۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔

(یہ اولیات تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء اور سیرۃ عمرؓ ابن جوزی میں مذکور ہیں)

تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کارنامہ اور تاریخی فتویٰ

رجب ۷۰۲ھ میں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ تاتاری اس مرتبہ شام کا عزم مصمم رکھتے ہیں، لوگوں میں اس خبر سے ایک اضطراب پیدا ہوا، نمازوں میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا گیا، اور بخاری شریف کا ختم ہوا، لوگ حسب عادت مصر اور محفوظ مقامات کا رخ کرنے لگے، جس قدر سلطان مصر اور مصری افواج کی آمد میں تاخیر ہوتی جاتی تھی، لوگوں کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا، بالآخر ۱۸ شعبان کو مصری فوج کا ایک بڑا حصہ نامور ترکی امراء کی قیادت میں پہنچا، پھر دوسرا دستہ پہنچا اور لوگوں میں سکون پیدا ہوا لیکن دوسرے مقامات سے پناہ گزینوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور شمالی شہروں سے بکثرت لوگ اپنا اپنا شہر چھوڑ کر دمشق میں آنے لگے، مختلف قسم کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں، امرائے شام نے جمع ہوکر دشمن کے مقابلہ کا عہد کیا اور قسم کھائی اور شہر میں اعلان کرایا گیا کہ کوئی شہر چھوڑ کر نہ جائے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دمشق سے باہر جاکر لشکر کو اس کی اطلاع دی اور ان سے بھی اس بات کی قسم لی، اور امراء اور عوام سے قسم کھا کر کہتے تھے کہ تم اس مرتبہ ضرور فتح پاؤ گے، ان کو اس کا اس قدر یقین تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ انشاء اللہ تو کہیئے، تو فرماتے کہ انشاء اللہ تحقیقاً لا تعلیقاً وہ فرماتے تھے کہ ہم مظلوم ہیں، اور مظلوم کی ضرور مدد ہوتی ہے۔

ثم بُغِيَ عليه لينصرنه الله (الحج۔۶۰)

جس پر زیادتی کی جا۔ ئے گی اس کی اللہ ضرور مدد کرے گا

اس لئے وعدہ خداوندی کی رو سے ہماری فتح یقینی ہے، اس میں ذرہ برابر شک نہیں۔

اس وقت ایک سوال یہ چھیڑا گیا کہ تاتاری بہرحال مسلمان ہیں، اس لئے ان سے جنگ کرنے کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ وہ نہ کافر ہیں نہ باغی ہیں، باغی اس لئے نہیں ہیں کہ کبھی وہ مسلمان امیر کی اطاعت میں داخل ہی نہیں ہوئے، اس لئے بغاوت کا بھی سوال نہیں، پھر ان سے جنگ کس بنیاد پر کی جائے، علماء کو اس بارہ میں تردد ہوا، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ خوارج کے حکم میں ہیں، خوارج نے سیدنا علی اور حضرت معاویہ ؓ دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی، وہ اپنے کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، یہ تاتاری اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو حکومت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ حق وانصاف کو قائم کر سکتے ہیں، وہ مسلمانوں پر گناہوں اور مظالم کا الزام لگاتے ہیں اور خود اس سے کہیں بڑھ کر افعالِ شنیعہ اور حرکاتِ ناشایستہ کے مرتکب ہیں، ان کی اس توضیح سے علماء کو اطمینان ہو گیا، اور یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، ان کو اس بارہ میں اتنا وثوق اور اطمینان تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر تم مجھے بھی اس حال میں تاتاریوں کی صف میں دیکھو کہ قرآن مجید سر پر رکھا ہے، تب بھی مجھے قتل کر دینا، اس سے لوگوں کا تردد دور ہوا، اور ان کے حوصلے بلند ہوئے۔

دمشق میں بڑی سراسیمگی تھی، سلطان کی آمد کی اطلاع نہ تھی، شامی ومصری فوجوں کے جنگ کرنے کا یقین نہ تھا، تاتاریوں کی آمد آمد کی اطلاع دم بدم مل رہی تھی، لوگ دوسرے شہروں سے بھاگ بھاگ کر دمشق میں پناہ لے رہے تھے، سارا شہر پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا، ابن تیمیہ لشکر گاہ جانے کے لئے چلے تو راستہ ملنا مشکل تھا، جن لوگوں کو

ان کے عزم کی اطلاع نہ تھی، انھوں نے طعنہ دیا کہ ہمیں تو آپ بھاگنے سے روکتے تھے، اور آپ خود دمشق سے فرار اختیار کر رہے ہیں؟ امام خاموشی سے سنتے ہوئے چلے گئے شہر میں کوئی حاکم نہ تھا، اور اوباشوں اور بدمعاشوں نے ادھم مچا رکھی تھی، لوگ میناروں پر چڑھ چڑھ کر اسلامی لشکر کو تلاش کرتے تھے، اور قیاس آرائی کرتے رہتے تھے، ہر شخص اپنی قسمت کے فیصلہ کا منتظر تھا جنگ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر جنگ ہوتی ہے تو فتح کس کو ہوگی، اگر خدانخواستہ اسلامی لشکر شکست کھاتا ہے، تو پھر مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں، اور عزت وآبرو، جان ومال کی خیر نہیں، غرض۔

واذزاغت الابصار و بلغت القلوب الحنا جرو تظنون باللّٰہ الظنونا . هنا لک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزلا شديدا.

(احزاب ۱۰۔۱۱)

''اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، اس موقع پر ایمان دار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیئے گئے ...... کا نقشہ تھا۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ شامی لشکر میں پہنچے تو امرائے لشکر نے اس سے خواہش کی کہ وہ آگے بڑھ کر سلطان سے ملیں، اور ان سے جلد تشریف آوری کی درخواست کریں، ابن تیمیہ نے سلطان سے ملاقات کی، ابن تیمیہ کی گفتگو سے ان کا عزم پختہ ہوگیا، اور وہ ابن تیمیہ کی معیت میں لشکر گاہ میں آگئے، سلطان نے ان سے خواہش کی کہ جنگ کے موقع پر وہ سلطان کے ساتھ ہوں، ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کے جھنڈے کے نیچے جنگ کرے، ہم شامی لشکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اسی کے جھنڈے کے نیچے جنگ کریں گے، انھوں نے سلطان کو دوبارہ جہاد کی تلقین کی، اور کہا کہ خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فتح ہماری ہی ہے، اس موقع پر بھی امراء نے ان کو یاد دلایا

کہ انشاء اللہ کہنا چاہئے، فرمایا۔

انشاء اللّٰہ تحقیقاً لا تعلیقاً.

۲۹، شعبان جمعہ کی شب کو رمضان کا چاند ہو گیا، اہل دمشق نے تراویح کی تیاری کی، رمضان کی مسرت بھی تھی اور دشمن کا خوف اور مستقبل کا اندیشہ بھی، جمعہ کا دن بہت سخت گزرا، سنیچر کو لوگوں نے میناروں سے دیکھا کہ لشکر کی جانب گرد اور سیاہی ہے، وہ سمجھ گئے کہ آج ہی مقابلہ ہے، دعاؤں کی کثرت ہوئی، عورتیں اور بچے کوٹھوں پر ننگے سر کھڑے تھے، اور شہر میں ایک غلغلہ تھا، سنیچر ۲ رمضان کو ظہر کے بعد سلطان کا فرمان جامع مسجد میں پڑھا گیا کہ سنیچر کے دن دو گھڑی دن گزرے، شامی اور مصری فوجیں سلطان کی ہمرکابی میں صف آرا ہوں گی، مسلمان اللہ سے فتح و نصرت کی دعا کریں، اور قلعہ اور شہر پناہ کی حفاظت میں مستعد رہیں۔

۲ رمضان کو شقحب کے میدان میں ایک طرف شامی و مصری فوجیں، دوسری طرف تاتاری لشکر صف آرا ہوا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ مجاہدین کو روزہ کھول لینا چاہئے تاکہ جنگ کی طاقت پیدا ہو، وہ ایک ایک علم اور ایک ایک دستہ کے پاس خود جاتے تھے، ان کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز تھی، وہ ان کو دکھا کر افطار کرتے تھے، اور حدیث سناتے تھے کہ۔

انکم ملقوا العدو غدا والفطر اقوی لکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل دشمن سے تمہارا مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ نہ رکھنے کی حالت میں تم زیادہ قوی ہو گے۔

جنگ شروع ہوئی، سلطان خود بنفس نفیس لشکر میں موجود تھا، خلیفۂ عباسی ابو الربیع سلیمان سلطان کے پہلو میں تھے، بالآخر دونوں لشکر آپس میں گتھ گئے، اور جنگ کا بازار گرم ہوا، سلطان نے بڑی ثابت قدمی دکھائی، اس نے اپنے گھوڑے کے پاؤں میں

بیڑیاں ڈال دیں کہ بھاگنے نہ پائے، اس نے اللہ سے اس موقع پر عہد کیا، سخت معرکہ ہوا، بڑے بڑے ترکی امراء کام آئے، بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رات کو تاتاریوں نے ٹیلوں، پہاڑوں اور ٹیکریوں پر پناہ لی، مسلمانوں نے رات بھر پہرہ دیا، اور ان کو بھاگنے نہیں دیا۔ اور اپنے تیروں پر رکھ لیا، بکثرت تاتاری قتل ہوئے، صبح مسلمان ان کو رسیوں میں باندھ باندھ کر لاتے تھے اور گردن اڑا دیتے تھے، بھاگنے والوں میں سے ایک کثیر تعداد گھاٹیوں اور خطرناک جگہوں میں گر کر اور بہت سے دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔

دوشنبہ ۴ رمضان کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دمشق میں داخل ہوئے، لوگوں نے ان کا بڑا استقبال کیا، ان کو مبارکباد اور دعائیں دیں۔

سہ شنبہ ۵ رمضان ۷۰۲ھ کو سلطان، اعیان سلطنت، خلیفہ اور افواج شاہی کے ساتھ منصور و کامران دمشق میں داخل ہوا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲ ص ۵۸ تا ۶۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مفصل تاریخی وصیت

جب وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو وصیت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ وصیت ہے جو علی بن ابی طالب نے کی، وہ اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ نے ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرما دیں، خواہ یہ بات مشرکین کو بری کیوں نہ معلوم ہو، یقیناً میری نماز اور میری قربانی میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبردار لوگوں میں سے ہوں۔

اے حسن! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد اور اپنے تمام گھر والوں کو اللہ سے ڈرنے

کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارا پروردگار ہے، اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم حالت اسلام میں دنیا سے رخصت ہونا، تم سب ملکر اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ، کیونکہ میں نے ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے تعلق رکھنا اوران کی اصلاح کرنا، نفل نمازوں سے بہتر ہے، تم اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اس سے اللہ تم پر حساب آسان فرمائیگا، یتیموں کے معاملات میں اللہ سے ڈرنا، نہ تو انہیں اتنا موقع دینا کہ وہ اپنی زبان سے تجھ سے مدد طلب کریں اور نہ ہی تمہاری موجودگی میں پریشانی میں مبتلا ہوں، اللہ سے ڈرو اور پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تمہارے نبی کی نصیحت ہے، آپ ہمیشہ پڑوسیوں کے حقوق کی وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ ہمیں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں حضور ﷺ پڑوسیوں کو وارث نہ بنادیں، قرآن کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کہیں قرآن میں عمل کرنے میں اغیار تم سے سبقت نہ لے جائیں، نماز کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے، تم اپنے رب کے گھر کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور جب تک زندہ ہو اسے خالی نہ چھوڑو، کیونکہ اگر اسے خالی چھوڑا گیا تو وہاں کوئی نظر نہ آئیگا، اور جہاد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، اور اپنے جانوں اور مالوں سے جہاد کرو، زکوٰۃ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ یہ پروردگار کے غصہ کو بجھاتی ہے، اپنے نبی کی ذمہ داری کے لئے بھی اللہ سے ڈرو، تمہارے موجود ہوتے ہوئے کسی پر ظلم نہ کیا جائے، اپنے نبی کے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں وصیت فرمائی ہے، فقراء اور مساکین کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور انہیں اپنے کھانوں میں شریک کرو، اپنے غلاموں کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو، نماز ادا کرو، دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف مت کرنا، اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے گا اور تمہارے خلاف بغاوت کریگا تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے

کافی ہوگا، لوگوں سے نیک بات کہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازم پکڑو، اور اسے ہرگز ترک مت کرو، اگر تم اسے ترک کردو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر برے لوگوں کو حاکم بنا دیں گے، پھر تم دعا کرو گے اور اس وقت تمہاری دعائیں قبول نہ ہونگی، صلہ رحمی کرو، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، پشت دکھانے، قطع رحمی اور تفرقہ اندازی سے احتراز کرو، نیکی اور تقویٰ کے معاملہ میں ایک دوسرے کی اعانت کرو، اور نافرمانی اور سرکشی میں کسی کی اعانت مت کرو اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے اہل بیت کی حفاظت کریں، جیسے اس نے تمہارے نبی کی کی۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجتا ہوں۔

اس کے بعد آپ لا الہ الا اللہ پڑھنے میں مشغول رہے، حتیٰ کہ طائر روح عالم بالا کو پرواز کرگئی، آپ کی شہادت رمضان المبارک ۴۰ھ میں ہوئی، آپ کو آپ کے بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا۔ جس میں قمیص نہ تھی اور حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۷۳۵۔۷۳۶)

سلطان محمدؒ فاتح کا ''راز'' سے متعلق تاریخی قول

سلطان فاتح کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی مہم پر خود روانہ ہوتا تو فوج کے کسی افسر حتیٰ کہ اس کے وزیر اعظم تک کو بھی یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس کا ارادہ کس طرف کا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سپہ سالار نے سلطان سے پوچھا تھا کہ آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ اور آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو سلطان نے اس کو جواب دیا تھا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میری داڑھی کے ایک بال کو میرے ارادے کی اطلاع ہوگئی ہے تو میں اپنی داڑھی کے اس بال کو نوچ کر فوراً آگ میں ڈال دوں۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلطان کو جنگی معاملات میں کس قدر احتیاط ملحوظ تھی۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی: ج ۲ص ۶۰۸)

قسطنطنیہ کی تاریخی فتح کا ایمان افروز تاریخی واقعہ

سلطان محمد خان جب قسطنطنیہ کے ارادے سے فوج لے کر چلا تھا تو اس نے ایک جماعت علماء وفضلاء اور عابدوں، زاہدوں کی بھی اپنے ہمراہ لی تھی۔ ان نیک لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کا اس کو ابتدا ہی سے بہت شوق تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی کے آخری چھ سال انہیں لوگوں کے پاس رہا تھا اور انہیں کے فیض محبت سے اس کے ارادے میں استقلال اور حوصلے میں بلندی پیدا ہوئی تھی۔ دوران محاصرہ میں بھی وہ انہیں روحانی اور نیک لوگوں سے مشورہ لینا کافی سمجھتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب محاصرہ کو طول ہوا تو اس جوان العمر و جواں بخت سلطان کو وہ تدبیر سوجھی جو اس وقت تک کسی کو نہ سوجھی تھی۔ شہر کی ایک سمت جو سمندر یعنی گولڈن ہارن (شاخ زرین) سے محفوظ تھی۔ اس پر محاصرے کی کوئی زد نہیں پڑ سکتی تھی۔ محاصرین کی تمام ہمت خشکی کی جانب صرف ہو رہی تھی۔ خاص سینٹ رومانس والے دروزاے کے جانب آلات قلعہ کشائی زیادہ کام میں لائے جا رہے تھے۔ لہذا شہر والے بھی اطراف سے بے فکر ہو کر اسی جانب اپنی پوری قوت مدافعت صرف کر رہے تھے۔

سلطان نے سوچا کہ شاخ زرین کی جانب یعنی سمندر کی طرف سے اگر شہر پر حملہ ہو سکے تو ان کی توجہ دو طرف تقسیم ہو سکے گی اور اس طرح فصیل شہر کو توڑ کر اس میں داخل ہونا ممکن ہو سکے گا۔ مگر سمندر کی جانب حملہ اس وقت ہو سکتا تھا کہ گولڈن ہارن (شاخ زریں) کے دہانے پر آہنی زنجیر نہ ہوتی اور جہاز اس میں داخل ہو سکتے۔ گولڈن ہارن سے مشرق کی جانب قریباً دس میل چوڑی خشکی گردن تھی، جس کے دوسری طرف آبنائے باسفورس کا سمندر تھا اور اس میں سلطانی جہاز آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ سلطان نے

ماہ جمادی الاول کی چودھویں تاریخ جب کہ ساری رات کی چاندنی تھی، باسفورس سے لے کر بندرگاہ ہارن تک برابر لکڑی کے تختے بچھوا دیئے۔ باسفورس کے کنارے خشکی پر اسی (۸۰) جہازوں کو چڑھالیا۔ ان اسی جہازوں کی ٹرین جب خشکی پر چڑھ آئی تو ان میں باقاعدہ ملاحوں اور سپاہیوں کو سوار کر دیا، پھر ہزار ہا آدمیوں نے دونوں طرف سے ان جہازوں کو دھکیلنا شروع کیا۔ اس طرف سے ہوا بھی موافق تھی۔

چنانچہ جہازوں کے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ لکڑی کے تختوں پر آدمیوں کے زیادہ زور لگائے بغیر خود بخود بھی چلنے لگے۔ اس چاندنی رات میں ہزار ہا آدمیوں کا شور وغل، خوشی کے نعرے اور فوجی گیت اور باجے شہر والے سنتے تھے اور کچھ نہ سمجھ سکتے تھے کہ آج عثمانی لشکر میں یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر صبح ہونے سے پہلے یہ دس میل کی مسافت خشکی میں طے کرا کر ان جہازوں کو بندرگاہ گولڈن ہارن میں لا کر ڈال دیا گیا۔ قسطنطین کے جہاز جو گولڈن ہارن میں موجود تھے، وہ سب گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب اور اس آہنی زنجیر کے متصل صف بستہ تھے تا کہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دیں۔ شہر کے متصل اور بندرگاہ کی نوک پر ان کو رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صبح ہونے پر شہر والوں نے دیکھا کہ عثمانیہ جہازوں نے فصیل شہر کے نیچے ایک پل بنا دیا ہے اور توپوں کو مناسب موقعوں پر رکھ کر اس طرف کی کمزور فصیل پر گولہ باری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے حواس جاتے رہے۔ ادھر عیسائی جہازوں نے گولڈن ہارن کے دہانہ کی طرف سے اندر کی جانب آنا اور عثمانی جہازوں پر حملہ کرنا چاہا تو بندرگاہ کے دونوں کنارے کے توپ خانے نے جو اسی غرض سے نصب کر دیا گیا، ان پر گولہ باری کی، اور جو جہاز آگے بڑھا، اسی کو گولہ کا نشانہ بنا کر ڈبو دیا۔ شاید اسی موقع پر سلطان محمد خان ثانی کے توپ خانے نے سب سے زیادہ مفید خدمت انجام دی۔ اس طرح یکا یک سمندر کی جانب سے حملہ ہونے پر عیسائیوں کو اپنی طاقت تقسیم کرنی پڑی اور وہ مجبور ہو گئے کہ شہر کی

اس جانب مدافعت اور حفاظت کے لئے زبردست فوج متعین کریں۔

اسی روز یعنی ۲۴ رمئی کو قسطنطین نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جس قدر خراج مجھ پر مقرر کریں میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھ کو باج گزار بنا کر قسطنطنیہ میرے ہی پاس رہنے دیجئے۔ سلطان نے جب کہ اس کو شہر کے مفتوح ہونے کا یقین ہو چکا تھا۔ جواباً کہلا بھجوایا کہ اگر تم اطاعت کرتے ہو تو تم کو یونان کا جنوبی حصہ دیا جا سکتا ہے، لیکن قسطنطنیہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں شامل کئے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ سلطان محمد خان جانتا تھا کہ قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت جو سلطنت عثمانیہ کے بیچ میں واقع ہے، جب تک قائم رہے گی خطرات اور مصائب کا سد باب نہ ہوگا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قسطنطنیہ سلطنت عثمانیہ کا بہترین دارالسلطنت ہو سکتا ہے۔ وہ قسطنطین اور اس کے پیش رو قیاصرہ کی مسلسل شرارتوں سے بھی بخوبی واقف تھا۔ وہ اس قدر طویل محاصرہ اور محنت کے بعد اب کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں قسطنطین کی درخواست پر اس کا جنوبی یونان کے دے دینے پر آمادہ ہو جانا بڑی ہی عظیم الشان شاہانہ فیاضی تھی، لیکن قیصر قسطنطین کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ مشرقی روم کی اس عظیم الشان اور پرانی سلطنت کا آخری فرماں رواں ہو۔ چنانچہ اس نے سلطان کی اس مہربانی سے کوئی فائدہ اٹھانا نہ چاہا اور پہلے سے چہار چند زیادہ جان فشانی و جاں فروشی کے ساتھ قسطنطین مخالفت میں مصروف ہو گیا۔

۱۹ رجمادی الاول سنہ ۸۵۷ھ مطابق ۲۸ رمئی سنہ ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد خان ثانی نے اپنی تمام فوج میں اعلان کرا دیا کہ کل علی الصبح شہر پر ہر طرف سے آخری حملہ ہوگا۔ فوج کو شہر میں تاخت و تاراج کی اجازت دی جائے گی، مگر اس شرط پر کہ وہ سرکاری عمارات کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور غیر مضافی رعایا جو اطاعت کے ساتھ امن طلب کرے اور ضعیفوں و بچوں وغیرہ کو ہاتھ نہ لگائیں، یہ خبر سنتے ہی کہ صبح کو فیصلہ کن حملہ

ہوگا، مسلمانوں کے لشکر میں رات بھر خوشی کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ ادھر شہر کے اندر قیصر شاہی میں قسطنطین نے سپہ سالاران فوج، عمائد سلطنت اور امرائے شہر کو مدعو کر کے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ صبح فیصلہ کن حملہ ہونے والا ہے۔ اس نے شہر والوں کو آخر تک لڑنے اور مارنے کی ترغیب دی اور خود بھی اسی طرح قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے مورچوں کی طرف پہرہ دینے چلے گئے۔ قیصر اس جلسہ سے فارغ ہو کر سینٹ ابا صوفیہ کے گرجا میں آ کر اپنی آخری عبادت میں مصروف ہوا۔ اس کے بعد اپنے محل میں آیا جہاں یاس و ہراس چھایا ہوا نظر آتا تھا۔ وہاں چند لمحہ آرام کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور سینٹ رومانس کی طرف آیا، جہاں محاصرین کے حملہ کا بہت زور تھا۔

ادھر سلطان محمد خان ثانی بھی نماز فجر سے فارغ ہو کر اور مجمع علماء اور نیک لوگوں سے دعا کی فرمائش کر کے اپنی رکاب میں دس ہزار چیدہ چیدہ سوار لے کر حملہ آوری کے کام میں مصروف ہوا۔ سلطان کے پیر و مرشد نے جو اس کے ساتھ مجمع علماء میں موجود تھے، اس روز اپنے لئے ایک الگ چھولداری نصب کرائی اور باہر ایک دربان کو بٹھا دیا کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے اور خود دعا میں مصروف ہو گئے۔ حملہ ہر طرف سے شروع ہوا، توپوں اور منجنیقوں نے جا بجا شہر کی فصیل میں سوراخ کر دیئے، اور محاصرین نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان رخنوں کے ذریعہ شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی، مگر وہ ہر مرتبہ نہایت سختی کے ساتھ واپس لوٹا دیئے گئے۔ کئی مرتبہ عثمانی لشکر کے بہادر شہر کے برجوں اور فصیل کے شکستہ حصوں پر چڑھ جانے میں کامیاب ہوئے، مگر اندر سے شہری سپاہی اور ان کی عورتیں اور بچے تک بھی لڑنے اور مدافعت کرنے میں مصروف تھے۔ ہر طرف یہی حالت تھی اور سمندر و خشکی، ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ حملہ جاری تھا۔

ایک عجیب ہنگامہ رست خیز برپا تھا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے، مگر محاصرو محصوردونوں میں سے کوئی بھی ہمت نہ ہارتا تھا۔ دوپہر کے قریب ہنگامہ کارزار میں سخت شدت پیدا ہوگئی اور سلطان نے اپنے ایک وزیر یا مصاحب کو اپنے پیرومرشد کی خدمت میں روانہ کیا کہ یہ وقت خاص طور پر دعا اور روحانی امداد کا ہے۔ محصورین کی ہمت اور سخت مدافعت کو دیکھ کر حملہ آوروں کے دل چھوٹے جاتے تھے اور سلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر آج شہر فتح نہ ہوا تو پھر اس کا فتح ہونا سخت دشوار ہوگا کیونکہ حملہ آور اپنی پوری ہمت اور طاقت صرف کر چکے تھے۔ بادشاہ کا فرستادہ جب اس اللہ والے کی چھولداری کے قریب پہنچا، تو دربان مانع ہوا، تو اس نے سختی کے ساتھ دربان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں ضرور حاضر خدمت ہو کر سلطانی پیغام پہنچاؤں گا، کیونکہ یہ بڑا نازک وقت اور خطرہ کا مقام ہے۔ یہ کہہ کر سلطانی فرستادہ چھولداری میں داخل ہوا، تو اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ سر بسجود اور دعا میں مصروف ہے۔ اس کے داخل ہونے پر انہوں نے سر اٹھایا اور کہا کہ شہر قسطنطنیہ فتح ہو چکا۔ اس کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا۔ مگر وہاں سے واپس ہو کر دیکھا تو واقعی فصیل شہر پر سلطانی جھنڈا لہرا رہا تھا۔

بات یہ ہوئی کہ جس وقت سلطان نے استمداد دعا کے لئے اپنے وزیر کو روانہ کیا، وہ نہایت نازک وقت تھا۔ ٹھیک اسی وقت فصیل شہر کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا، یکا یک خود بخود گر پڑا اور اس کے گرنے سے خندق پر ہو کر شہر میں داخل ہونے کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ ادھر فصیل کا یہ حصہ گرا، ادھر عین اسی وقت بندرگاہ کی طرف سے بحری فوج نے ایک برج پر قبضہ کر کے سلطانی علم بلند کیا۔ اس علم کو بلند اور سامنے کی دیوار کو منہدم دیکھ کر ادھر سے بلا تامل سلطان کی رکابی فوج نے حملہ کر دیا۔ عیسائیوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر وہ دست بدست لڑائی میں مسلمانوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ہر طرف سے حملہ آوروں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔

دروازوں کو توڑ توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کے چاروں طرف فصیل کے اندرونی جانب عیسائیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ سلطان اپنے گھوڑے پر سوار اسی منہدمہ فصیل کے راستے شہر میں داخل ہو کر سیدھا سینٹ آیا، صوفیہ کے گرجے کی طرف روانہ ہوا، اس گرجے میں پہنچتے ہی اس نے اذان دی۔ پہلی مرتبہ اس جگہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ یہاں اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے نماز ظہر ادا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد قسطنطین کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا۔ سینٹ رومانس کے قریب جس طرف فصیل منہدم ہوئی تھی، وہاں عیسائیوں نے حملہ آوروں کا خوب جم کر مقابلہ کیا تھا اور سب سے زیادہ کشت وخون وہیں ہوا تھا۔ اسی جگہ لاشوں کے درمیان قسطنطین کی لاش ملی، جس کے جسم پر صرف دو زخم آئے تھے۔

قسطنطین کا سر کاٹ کر لوگ سلطان کی خدمت میں لے آئے۔ اس طرح فتح قسطنطنیہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ سلطان اس کے بعد قیصر شاہی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں اس نے دیکھا تو ہو کا عالم تھا۔ اس خاموشی و ویرانی کو دیکھ کر بے اختیار سلطان کی زبان سے نکلا کہ۔

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند: گنبد افراسیاب

یہ فتح ۲۰ رجمادی الاول سنہ ۸۵۷ھ مطابق ۲۰ رمئی سنہ ۱۴۳۵ء کو وقوع پذیر ہوئی۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ فصیل قسطنطنیہ کا گرنا اسی نیک بندے کی دعا کا نتیجہ تھا اور اسی لئے مشہور ہے کہ قسطنطنیہ دعا کے ذریعہ فتح ہوا۔ اسی تاریخ سے سلطان محمد خان ثانی سلطان فاتح کے لقب سے مشہور ہوا۔ چالیس ہزار عیسائی مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اور ساٹھ ہزار جنگجو عیسائیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ بہت تھوڑے ایسے تھے جو فتح قسطنطنیہ کے بعد کسی نہ کسی طرح خشکی یا سمندر کے راستے بچ کر نکل

بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکثر اٹلی میں اور کمتر دوسرے مقامات میں جا کر آباد پناہ گزین ہوئے۔ قیصر قسطنطین کا ایک پوتا چند روز کے بعد مسلمان ہو گیا تھا اور قسطنطنیہ میں آکر رہنے لگا تھا۔ بالآخر بہت جلد اس خان کا نام نشان گم ہو گیا۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۲ ص ۵۹۷ تا ۶۰۰)

سلطان الحکم بن ہشام کے عدل کی ایک تاریخی مثال

سلطان الحکم میں مثل اپنے باپ کے عدل گستری تھی اور اس بادشاہ کو ضد نہ تھی اگر کوئی غلطی کرتا تو اعتراف بھی کر لیا کرتا۔ اتفاقیہ خلیفہ الحکم کے محل کی توسیع میں ایک غریب بیوہ کی جائداد آ گئی۔ اس سے کہا بھی گیا کہ اس جائداد کو معقول داموں میں علیحدہ کر دے۔ مگر موروثی جائداد کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا۔ مگر میر عمارت نے زبردستی وہ زمین لے لی اور بنگلہ تعمیر ہو گیا۔ اس عورت نے قاضی کے روبرو استغاثہ پیش کیا۔ قاضی نے فرمایا کہ تو تامل کر میں انصاف سے کام لوں گا۔

جس روز خلیفہ الحکم پہلے پہل مکان اور باغ ملاحظہ کرنے گیا قاضی بھی خبر پا کر پہنچ گئے۔ ایک گدھا مع خالی بورے کے ہمراہ لیا۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی صاحب نے کہا کہ امیر المؤمنین اس زمین کی مٹی مجھے چاہئے۔ اجازت ہو تو لے لوں۔ خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی۔ قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا اور خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھ کو اس بورے کو گدھے پر رکھنے میں حضور ذرا معاونت فرما دیں۔

خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ بورا ہر دو اٹھانے لگے۔ مگر بھاری وزن تھا اٹھ نہ سکا۔ خلیفہ ہانپ گیا۔ قاضی نے کہا۔ سرکار! اس بوجھ کو تو آپ اٹھا نہ سکے تو انصاف کے دن (یوم قیامت) کو یہ جو زمین بڑھیا کی ضبط کر لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ بڑھیا دعویٰ ضرور کرے گی۔

شاہ الحکم آبدیدہ ہو گیا اور میر عمارت کو حکم دیا کہ فوراً بڑھیا کی زمین اس کو واپس

کرو، اور محل کا وہ حصہ معہ ساز و سامان کے میں نے اس کو دے دیا۔ غرضیکہ بڑھیا مالا مال ہوگئی۔ (تاریخ ملت ج۱ص ۵۵۲)

خواتین اسلام کی حیران کن اور دلچسپ تاریخی بہادری

جب لشکر اسلام کی اجنادین کی طرف روانگی ہوئی تو اس سفر میں بولص کے بھائی بطرس نے اپنی پیدل فوج کے ذریعہ چند خواتین اسلام کو گرفتار کرلیا، جن میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ خواتین اسلام نے گرفتاری کے باوجود جو بہادری دکھائی وہ قابل تحسین ہے، اس کا کچھ منظر نظر کارئین ہے۔ (از مؤلف)

کہتے ہیں کہ جس وقت بولس کا بھائی بطرس خواتین عرب کو گرفتار کر کے نہر استریاق پر پہنچا تو اپنے بھائی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ وہاں اس نے اپنے سامنے ان عورتوں کو بلا کر کھڑا کیا۔ حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا سے زیادہ خوبصورت چونکہ اس کو کوئی عورت نظر نہ آئی، اس لئے اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ میری ہے اور میں اس کا ہوں۔ اس کے بارے میں کوئی شخص مجھ سے معارضہ نہ کرے۔ لوگوں نے اس کی اس بات کو منظور کرلیا۔ اسی طرح ہر ایک دمشقی ایک ایک عورت کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہنے لگا کہ یہ عورت میرے لئے ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بکریوں اور اس مال کو جو لوٹ کر لے گئے تھے جمع کیا اور بولص کا انتظار کرنے لگے۔

ان گرفتار شدہ عورتوں میں اکثر قوم حمیر، قبیلہ عمالقہ اور تبابعہ کی بڑی بوڑھیاں بھی تھیں، جو گھوڑے کی سواری، راتوں رات سفر کرنے، اور وقت پر قبائل عرب سے مقابلہ کرنے کی خوگر اور عادی تھیں۔ کہتے ہیں کہ خواتین آپس میں جمع ہوئیں، اور حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا نے انہیں مخاطب کر کے کہا، حمیر کی بیٹیو! اور اے قبیلہ تبع کی یادگارو! کیا تم اس بات پر رضامند ہو اور یہ چاہتی ہو کہ رومی کافر اور بے دین تم پر غالب

آ جائیں ۔تم ان کی لونڈی یا باندی بن کر رہو، کہاں گئی تمہاری وہ شجاعت اور کیا ہوئی تمہاری وہ غیرت جس کا چرچا عرب کی لونڈیوں اور جس کا ذکر عرب کی مجلسوں میں ہوا کرتا تھا۔افوس! میں غیرت وحمیت سے خالی اور شجاعت سے علیحدہ دیکھ رہی ہوں ۔ میرے نزدیک اس آنے والے مصیبت سے تمہارا قتل ہو جاتا بہتر اور رومیوں کی خدمت کرنے سے مر جانا افضل ہے۔

یہ سن کر عفرہ بنت غفار حمیر یہ نے کہا اے بنت ازور! تم نے ہماری شجاعت وہمت ،عقل ودانائی، بزرگی اور مرتبہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ واقعی سچ ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیں گھوڑے کی سواری کی عادت اور دشمن کا رات کے وقت بھی قافیہ تنگ کر دینا آتا ہے۔مگر یہ تو بتلایئے کہ جو شخص نہ گھوڑا رکھتا ہو نہ نیزہ ،اس کے پاس کوئی ہتھیار ہو نہ تلوار ،ایسا شخص کیا کر سکتا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں دشمن نے اچانک گرفتار کر لیا۔ ہمارے پاس اس وقت کوئی سامان نہیں، ہم بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

یہ سن کر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا،قبیلہ تبابعہ کی بیٹیو! تمہاری غفلتوں کا کچھ ٹھکانہ ہے؟ خیموں کی چوبیں اور ستون موجود ہیں۔ہمیں چاہئے کہ ہم انہیں اٹھا اٹھا کر بدبختوں پر حملہ آور ہوں۔ممکن ہے کہ ارحم الراحمین ہمیں ان پر مدد دیں اور ہم غالب آ جائیں۔ورنہ کم از کم شہید ہی ہو جائیں تا کہ یہ کلنک کا ٹیکہ تو ہماری پیشانیوں پر نہ لگنے پائے۔عفرہ بنت غفار نے کہا واللہ! میرے نزدیک بھی یہ آپ کی رائے بہت زیادہ انسب ہے۔

اس کے بعد ہر ایک عورت نے خیمہ کی ایک ایک چوب اٹھائی۔حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا کمر باندھ کر ایک چوب کاندھے پر رکھ کر آگے ہوئیں۔ان کے پیچھے عفرہ بنت غفار، ام ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت زارع، لبنی بنت حازم، مزروعہ بنت عملوق

اور سلمہ بنت نعمان اور دیگر عورتیں چلیں۔

خواتین اسلام کی بہادری

ھل من بارز کا نعرہ مارا، جنگ کی منتظر ہوئیں اور اپنی نسوانی فوج کو مخاطب کر کے حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا اس طرح تنظیم اور قواعد کا سبق دینے لگیں ۔(دیکھو!) زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسری سے ملی رہنا، متفرق ہرگز نہ ہونا۔ اگر خدانخواستہ تم منتشر اور متفرق ہو گئیں تو یاد رکھنا کہ تمہارے سینوں کو نیزے توڑ دیں گے، تمہاری گردنوں کو تلوار کاٹ دے گی۔ تمہاری کھوپڑیاں اڑ جائیں گی اور تم سب کا یہیں ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

یہ کہہ کر آپ نے قدم بڑھایا اور ایک رومی کے سر پر اس زور سے چوب ماری کہ وہ زمین پر آ رہا اور مر گیا۔ رومیوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ کیا ہوا؟ اچانک چوبیں اٹھائے عورتوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ بطرس نے چیخ کر عورتوں سے کہا۔ بدبختو! یہ کیا کر رہی ہو؟ حضرت عفرہ بنت غفار الحمیر یہ نے جواب دیا کہ آج ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان چوبوں کے ذریعے تمہارے دماغوں کو درست اور تمہاری عمروں کو منقطع کر کے اپنے اسلاف کے چہروں سے ننگ و عار کا دھبہ مٹا دیں۔ بطرس یہ سن کر ہنسا اور اپنی اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ تم پر تف ہے تمہیں چاہئے کہ تم انہیں متفرق کر کے زندہ ہی پکڑ لو۔ تم میں سے جو شخص خولہ کو پکڑے اسے چاہئے کہ کسی امر مکروہ کا خیال تک نہ لائے۔

کہتے ہیں کہ رومیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر کر حلقہ باندھ لیا۔ چاہتے تھے کہ ان تک پہنچیں مگر چونکہ جو شخص ان کے قریب پہنچتا تھا، یہ پہلے چوب سے اس کے گھوڑے کے ہاتھ پیر توڑ دیتی تھیں اور جس وقت سوار الٹے منہ گرتا تھا، مارے ضربوں کے اس کا سر توڑ دیتی تھیں، اس لئے ان تک کوئی نہ پہنچ سکا۔

واقدی فرماتے ہیں کہ عورتوں نے اسی طرح تیس سوار موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ بطرس یہ دیکھ کر آگ بگولا ہوگیا۔ گھوڑے سے نیچے اترا اور اس کے ساتھ اس کے ہمراہی بھی پیدل ہوگئے۔ پیش قبض اور تلواریں لے کر ان کی طرف بڑھے۔ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی طرف لپکیں اور آپس میں کہنے لگیں۔ ذلت کی زندگی سے عزت کے ساتھ مر جانا بہت زیادہ افضل ہے۔

بطرس نے عورتوں کے مقابلے میں اگرچہ بہت ہاتھ پیر مارے مگر ان کی بہادری اور شجاعت کے سامنے کف افسوس ملنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکا۔ حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا کی طرف اس نے دیکھا جو ایک شیرنی کی طرح دڑوک رہی تھیں، اور جن کی زبان پر بہادری کے یہ اشعار جاری تھے۔

ترجمہ: ''ہم قبیلہ تبع اور حمیر کی لڑکیاں ہیں، ہمارا تمہیں قتل کرنا کوئی کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لڑائی میں دہکتی ہوئی آگ ہیں۔ آج تم سخت عذاب میں مبتلا ہوگے۔''

بطرس نے جس وقت آپ کی زبان سے یہ اشعار سنے۔ آپ کا حسن و جمال دیکھا اور قد رعنا ملاحظہ کیا، تو آپ کے قریب آ کر کہنے لگا۔ عربیہ! تم اپنے ان کاموں سے باز رہو! میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہارے متعلق اپنے دل میں ایک ایسا راز رکھتا ہوں۔ جس کو سن کر تم ضرور خوش ہوگی۔ کیا تمہیں یہ مرغوب نہیں ہے کہ میں تمہارا مالک ہو جاؤں۔ حالانکہ میں وہ شخص ہوں جس کی تمنا میں نصرانی عورتیں رہتی ہیں۔ نیز میں زراعتی زمین، باغات اور مال و اسباب اور اکثر مویشیوں کا مالک اور بادشاہ ہرقل کے نزدیک ذی مرتبت اور صاحب عزت شخص ہوں۔ اور یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ تمہیں چاہئے کہ خود معرض ہلاکت میں نہ پڑو اور اپنی جان کو خود اپنے ہاتھوں سے نہ گنواؤ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کافر بد بخت فاجر کے بچے، خدا کی قسم! اگر میرا بس چلے تو میں ابھی اس چوب سے تیرا سر توڑ کے نکال ڈالوں۔ واللہ! میں اونٹ اور بکریاں بھی تجھ

سے نہ چرواؤں، چہ جائیکہ تو میری برابری اور ہمسری کا دعویٰ کرے،" بطرس یہ سن کر غصہ میں بھر گیا اور ساتھیوں سے کہنے لگا۔ تمام ملک شام اور گروہ عرب میں اس سے زیادہ اور کیا شرم کی بات ہوگی کہ عورتیں تم پر غالب آ جائیں۔ یسوع مسیح اور بادشاہ ہرقل کے خوف سے ڈرو اور انہیں قتل کر دو۔

واقدی کہتے ہیں کہ کفار یہ سن کر جوش میں آئے اور یک لخت حملہ کر دیا۔ خواتین اس حملہ کو صبر وسکون سے برداشت کر رہی تھیں کہ انہوں نے اسی حالت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کا جو لشکر قریب آ گیا تھا، اس کا گرد و غبار اڑتا ہوا، تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں۔ ادھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما نے کچھ فاصلے پر ٹھہر کر اپنے جاں بازوں کو مخاطب کر کے فرمایا! تم میں کون سا شخص ہے جو مجھے اس معاملہ کی خبر لا کر دے۔ حضرت رافع بن عمیرۃ الطائی نے آگے بڑھ کر خود کو پیش کیا اور گھوڑے کی راس چھوڑ دی۔ عورتوں کے قریب پہنچ کر لوٹے اور جناب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خواتین اسلام کی مدافعانہ جنگ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا نہایت تعجب کی بات ہے، وہ عورتیں خاندان عمالقہ اور قبیلہ تبابعہ کی ہیں، بعض ان میں سے تبع بن اقرن کی، اور بعض تبع بن ابی بکر کرب کی، بعض ذی رعین، بعض عبدالکلال المعظم اور بعض تبع بن حسان بن تبع کی ہیں۔ تبع بن حسان تبع یہ وہی ہیں جنہوں نے قبل از ظہور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تھا۔ قبل بعثت آپ کی نبوت کی شہادت دی تھی۔ نیز آپ کی شان میں حسب ذیل اشعار مرتب کئے تھے۔

ترجمہ اشعار: میں حضرت احمد ﷺ کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ باری تعالیٰ جل مجدہ کے رسول ہیں۔ آپ کی ایک امت ہوگی جس کا نام زبور میں امت احمد ﷺ خیر الامم ہے اگر میری عمر نے آپ ﷺ کے زمانے تک وفا کی تو میں ان کا خادم اور ان کے ابن عم کا وزیر ہوں گا۔"

رافع! ان عورتوں کی حرب وضرب اکثر جگہ مشہور ہے، جیسا تم ذکر کرتے ہو، اگر واقعی انہوں نے ایسی ہی بہادری اور شجاعت دکھلائی ہے تو یاد رکھو انہوں نے مردوں اور عربوں کی لڑکیوں پر قیامت تک اپنا سکہ بٹھا کر اپنے سر سہرا باندھ لیا اور عورتوں کی پیشانیوں سے ننگ و عار کا دھبہ دھو دیا۔

کہتے ہیں کہ عورتوں کی بہادری سن کر خوشی کے مارے مسلمانوں کے چہروں پر سرخی دوڑنے لگی۔ حضرت رافع بن عمیرۃ الطائی سے یہ سن کر حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے ایک والہانہ جوش کے ساتھ ایک جست لگائی۔ آپ پر جو پرانی کملی تھی، اتار پھینکی ، نیزہ ہاتھ میں لیا، اور یہ ارادہ کرکے کہ میں سب سے پہلے مدد کے لئے پہنچوں گا۔ گھوڑے کی راس پھیر دی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ضرار! ذرا ٹھہرو، جلدی نہ کرو۔ جو شخص کسی کام کو صبر واستقلال کے ساتھ کرتا ہے وہ ہمیشہ خوشی کے ساتھ اس کو پورا کر دیتا ہے۔ لیکن جو لوگ جلد بازی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں انہیں دامن مراد بھرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا، ایھا الا میر! مجھے اپنی بہن کی نصرت اور مدد ہی میں صبر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ العزیز فرح اور فتح قریب ہے۔

اس کے بعد آپ نے لشکر کے قریب گھوڑوں کو برابر برابر سر سے ملا کر کھڑا کیا۔ نشانوں کو اونچا کرایا اور خود قلب لشکر میں پہنچ کر حسب ذیل تقریر کی:

''معاشر المسلمین! جس وقت حریف قوم کے قریب جاؤ، متفرق ہو کر فوراً چاروں طرف سے گھیر لینا۔ خداوند تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس طرح ہماری عورتوں کو مخلصی اور ہمارے بچوں پر رحم فرما دیں گے۔ مسلمانوں نے اس کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے اثبات میں دیا۔ حضرت خالد ﷺ اس کے بعد لشکر کے آگے آگے چلے۔ رومی عورتوں کے ساتھ جنگ میں مشغول ہی تھے کہ لشکر نشانات اور علم لئے ہوئے پہنچ گیا۔

حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ عنہا نے چلا کر کہا، تابعہ کی لڑکیو! خداوند تعالیٰ جل مجدہ کی طرف سے تم پر رحمت نازل ہوئی اور انہوں نے محض اپنی مہربانی سے تمہارے دلوں کو خوش کیا۔

کہتے ہیں کہ بطرس نے جس وقت توحید پرستوں کی فوج کو اس آن بان سے دیکھا کہ ان کے نیزے نیستان کے تیروں کی طرح ایک دوسرے سے چسپاں اور ان کی تلواریں برق کی طرح چمکتی ہوئی چلی آرہی ہیں، تو اس کا دل دھڑکنے لگا، ہاتھ پیروں میں رعشہ آگیا، شانے کا گوشت پھڑکنے لگا، تمام آدمی بوکھلا سے گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، بطرس بیچ میں سے نکلا اور عورتوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا، چونکہ ہماری بھی بہو بیٹیاں، ماں بہن اور خالائیں ہیں۔اس لیے میرے دل میں تمہاری محبت وشفقت آگئی، میں تمہیں اس صلیب کے صدقے میں چھوڑتا ہوں، جس وقت تمہارے مرد آجائیں انہیں میرے اس امر کی اطلاع دے دینا، یہ کہہ کر بھاگ جانے کا ارادہ کر کے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔مگر قبل اس کے کہ گھوڑا پویہ شروع کرے اس نے قلب لشکر سے دو سواروں کو جن میں سے ایک نے زرہ پہنے، دوسرا ننگے بدن عربی گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار نیزہ ہاتھ میں لیے نکلے اور گھوڑے سرپٹ دوڑائے شیر کی طرح اپنی طرف آتے ہوئے دیکھے، ان میں سے ایک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار افواج اسلامیہ اور دوسرے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ تھے، جس وقت خولہ نے اپنے بھائی حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آواز دی اور کہا بھائی جان کہاں چلے؟ آپ کی مدد اور معاونت سے تو ہمیں باری تعالیٰ مجدہ نے پہلے ہی مستغنی کر دیا۔بطرس حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی طرف چلا کر کہنے لگا تم اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤ۔اگرچہ مجھے تمہاری جدائی شاق ہوگی، مگر میں تمہیں ان کے حوالے کرتا ہوں، یہ کہہ کر چاہا کہ بھاگ پڑے، مگر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے فرمایا۔

''تم ہماری طرف ملاپ اور مہربانی کا ہاتھ بڑھاؤ مگر ہماری طرف سے بے رخی اور کج ادائی ہو۔ یہ ہم عربوں کا شیوہ نہیں ہے، تو اپنی خواہش کا بندہ اور اپنی مرضی کا جوئندہ رہ۔ یہ کہہ کر آپ اس کے سامنے ہوگئیں۔ بطرس نے کہا میرے دل سے تمہاری محبت نکل چکی ہے، اس لیے اب مجھے اپنی صورت نہ دکھلاؤ۔ آپ نے فرمایا مگر مجھے ہر حالت میں تیرا ساتھ دینا چاہئے، یہ کہہ کر آپ اس کی طرف لپکیں، ادھر حضرت ضرار اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما بھی اس کی طرف جھپٹے۔ فوج نے بھی اس کی طرف رخ کیا، جس وقت اس نے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور آپ بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ چلا کر کہنے لگا۔ اے عربی! لو اپنی بہن کو لے لو تمہیں مبارک ہو! یہ میری طرف سے تمہیں ایک ہدیہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا میں نے تیرا ہدیہ قبول کیا مگر میرے پاس اس وقت ہدیہ کا بدلا دینے کے لئے سوائے میرے اس نیزے کی سنان پیکان کے اور کچھ نہیں ہے، لے اسے لے لے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها (نساء: ۸۶) یعنی جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم بھی اسے اس سے اچھی یا کم از کم وہی دعا دیا کرو۔ اس پر حملہ کر دیا اور آپ کا نیزہ اس کے دل میں لگا، ادھر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے پیروں پر ایک ضرب رسید کی۔ گھوڑا چکرا کر سر کے بل آیا اور یہ دشمن خدا قریب تھا کہ زمین پر آرہے کہ حضرت ضرار ﷺ نے فوراً قبل اس کے کہ یہ گرے اس زور سے پہلو پر نیزہ مارا کہ پھل ادھر سے ادھر نکل گیا اور یہ مردہ زمین پر گر گیا۔ حضرت خالد ﷺ چلائے اور فرمایا شاباش: یہی وہ نیزہ ہے جس کا مارنے والا ناکامی کا کبھی منہ نہیں دیکھتا۔ ادھر مسلمانوں نے رومیوں پر حملہ کیا اور گھیر گھیر کر تین ہزار رومیوں کو قتل کر ڈالا۔

(فتوح الشام ص: ۸۶ تا ۸۹)

مردار کتے سے بندھے ناچار بت (خدا) کو دیکھ کر صحابی ﷜ کے قبول اسلام کا تاریخی واقعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب عقبہ ثانیہ (۱۲ نبوی) کے بعد رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والے لوگ مدینہ واپس چلے آئے تو انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کر دیا، ان کی قوم میں کچھ عمر رسیدہ لوگ اپنے قدیم دین، شرک و بت پرستی پر قائم تھے۔ من جملہ ان کے عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ تھے۔ ان کا شمار خاندان بنی سلمہ کے اشراف و اعیان میں ہوتا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں مناۃ نامی لکڑی کا ایک بت تراش رکھا تھا، جیسا کہ اس وقت کے رؤسا کا وطیرہ تھا کہ وہ گھروں میں بت رکھتے تھے، اس کا بیٹا معاذ جو عقبہ میں بیعت کر چکا تھا اور معاذ بن جبل جب اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے تو وہ رات کو عمرو بن جموح کے بت کو اٹھا کر کسی غلاظت والے گڑھے میں اوندھا پھینک دیتے۔ عمرو صبح کو تلاش کرتا اور اسے گم پا کر کہتا افسوس! آج رات ہمارے خدا پر کس نے ظلم برپا کیا ہے، پھر اسے تلاش کرتا، دھو دھلا کر، خوشبو لگا کر کہتا کہ واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے تو میں اس کو رسوا کن سزا دوں۔ معاذ وغیرہ پھر حسب سابق اسے کسی گڑھے میں پھینک آتے اور وہ صبح کو نکال لاتا۔ بالآخر تنگ آ کر عمرو بن جموع نے اس کے گلے میں تلوار لٹکا کر کہا واللہ! معلوم نہیں ہوتا کہ تیرے ساتھ یہ قبیح حرکت کون کرتا ہے، اگر تجھ میں کوئی خیر و خوبی ہے تو اپنی حفاظت خود کر، یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے۔

شام ہوئی تو عمرو سو گئے۔ معاذ وغیرہ نے حسب عادت بت کو پکڑ کر تلوار کو اس کی گردن سے اتارا اور ایک مردار کتے کی لاش سے اس کو باندھ کر بنی سلمہ کے ایسے ویران کنویں میں پھینکا جو غلاظت سے بھرا پڑا تھا، صبح عمرو بن جموح نے جب اسے نہ پایا تو

اسکی تلاش میں نکلا، اور اس کو ایک غلاظت سے بھرپور ویران کنوئیں میں مردار کتے سے بندھا ہوا منہ کے بل گرا ہوا پایا، تو اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر اس کا مردہ ضمیر بیدار ہوگیا، اس نے اپنے ہم قوم مسلمانوں سے اسلام سے متعلق گفتگو کی اور خود بھی اللہ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوکر اسلامی اصولوں کا پابند ہوگیا، اس نے اللہ کا شکر اور بت کی مذمت اس طرح سے کی کہ:

والله لو كنت الهالم تكن

انت و كلب وسط بئر في قرن

اف لملقاك الها مستدن

الا ن فتشناك عن سوء الغين

الحمد لله العلىٰ ذى المنن

الواهب الرزاق ديان الدين

هو الذى انقذنى من قبل ان

اكون فى ظلمة قبر مرتهن

(واللہ! اگر تو خدا ہوتا تو کنویں کے اندر کتے کے ہمراہ نہ ہوتا۔ افسوس! کہ تو مخدوم اور خدا ہوتے ہوئے بھی گر پڑا ہے۔ اب ہمیں تیرے بارے میں بدترین فریب کی تحقیق ہوئی۔ سب تعریف ہے اللہ کی جو بلند رتبہ، احسانات والا، رزق دینے والا، اعمال وحضال کی جزا دینے والا ہے۔ وہی ذات ہے جس نے مجھے قبر کی تاریکی میں بند اور گرو ہونے سے قبل نجات بخشی۔) (تاریخ ابن کثیر ج:۲ص:۲۳۳)

امیر معاویہ ﷺ کے عہد میں سندھ پر تاریخی مہم

قیقان سندھ کے مشہور شہروں میں سے تھا جو خراسان کے متصل ہے، اب اس کو قلات کہا جاتا ہے اور بلوچستان میں واقع ہے۔ اسی سرحد پر عہد معاویہ ﷺ میں حملہ ہوا

اور مفتوح ٹھہرا۔ (از مؤلف)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۴۴ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کیا اور بنہ اور الاہوار تک آیا۔ یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں دشمن اس کے مقابل ہوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی، مگر وہ ناکام رہے، بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انہوں نے مہلب سے جنگ کی، اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے:

ترجمہ: ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں ازدیوں پر شبخون مارا گیا، وہ مہلب کے لشکر کے بہترین سپاہی تھے۔''

عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا، اور کہا جاتا ہے کہ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا، پھر عبداللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے، اور کچھ عرصہ ان کے پاس قیام کیا، پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا، تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا، عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے:

''ابن سوار بہر حال مہمانی کی آگ روشن کرنے والا اور بھوک پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔''

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا، اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مطبخ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتا، اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی، ایک رات اس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو

کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے، اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے، تو اس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

زیاد ابن ابی سفیان نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی۔ یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدان جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور مکران کو بزور شمشیر فتح کیا، اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنا دیا، اور وہیں قیام اختیار کیا، اور تمام بلاد سندھ کا نظم ونسق قائم کیا۔ اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

''میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی جن کو وہ مہر بھی نہیں پہنچاتے۔ یقیناً آسان ہوگئی مجھ پر ابن محبق کی قسم، جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے سنہری زیورات کو بلند کیا، نمایاں کیا۔''

(تاریخ ملت ج ۳ ص ۲۷۴۔۲۷۵)

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کے تاریخی اقوال

ابو بحر ضحاک بن قیس المعروف بالاحنف رحمہ اللہ سادات تابعین میں سے تھے، آپؒ نے حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پایا مگر صحبت اختیار نہیں کی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ ان کے پاس آگئے۔ اپنی قوم کے سردار تھے۔ عقل ودانش اور علم وحلم سے موصوف تھے اور آپ نے حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بھی کی ہے، نیز خراسان کی بعض فتوحات میں بھی شامل ہوئے۔ بقول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی ناراضگی سے ایک لاکھ بنو تمیم ناراض ہو جاتے ہیں، آپ کی وفات ۶۷ھ، ۷۱ھ، یا ۷۲ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے حکمت سے لبریز چند اقوال نظر قارئین کئے جاتے ہیں۔ (از مؤلف)

☆ مجھ میں تین باتیں پائی جاتی ہیں، میں انہیں صرف اس لئے بیان کرتا ہوں کہ کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرے۔ میں نے دو آدمیوں کے درمیان کبھی دخل اندازی نہیں کی، حتیٰ کہ وہ دونوں خود مجھے اپنے درمیان داخل نہ کرلیں۔ اور میں کسی بادشاہ کے دروازے پر نہیں آیا، جب تک مجھے اس کی دعوت نہ دی جائے، اور لوگ جس بات کی طرف آتے ہیں۔ میں نے اس کے لئے کبھی ہلکا پن اختیار نہیں کیا۔

کیا میں تمہیں تکلیف کے بغیر قابل تعریف کام نہ بتاؤں؟ اخلاقی کمینگی اور بیہودہ گوئی۔

☆ شریف خائن نہیں ہوتا، عقلمند جھوٹ نہیں بولتا۔ اور مومن غیبت نہیں کرتا۔

☆ آباء نے بیٹیوں کے لئے اور مُردوں نے زندوں کے لئے، احساب وآداب والوں کے ساتھ نیکی کرنے سے بہتر بات نہیں چھوڑی۔ زیادہ ہنسنا ہیبت کو ضائع کر دیتا ہے اور زیادہ مذاق کرنا مروت کو کھو دیتا ہے، اور جو کسی چیز سے وابستہ ہوتا ہے اسی سے مشہور ہوتا ہے۔

☆ اور احنف نے ایک شخص کو بیان کرتے سنا، خواہ میری مدح کی جائے یا مذمت کی جائے، میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ آپ نے اسے کہا، جہاں سخاوت کرنے والے درماندہ ہو گئے ہیں، تو نے وہاں سے راحت پائی ہے۔ ہماری مجلس میں کھانے اور عورتوں کے ذکر سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ میں اس شخص سے نفرت کرتا ہوں جو اپنی فرج یا پیٹ کی تعریف کرنے والا ہو۔ اور مروت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی کھانے کو اس کی اشتہاء کے باوجود چھوڑ دے۔

☆ اور مشہور شاعر، ہشام بن عقبہ اخوذی الرمتہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے احنف بن قیس کو دیکھا کہ آپ کچھ لوگوں کے پاس آئے، جو خون کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا فیصلہ کرو، انہوں نے کہا ہم دو دیتوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ نے

فرمایا یہ تمہارا فیصلہ ہے اور جب وہ خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا جو تم نے مانگا ہے وہ میں تمہیں دیتا ہوں، مگر میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک دیت کا فیصلہ کیا ہے، اور رسول کریم ﷺ نے بھی ایک دیت کا فیصلہ کیا ہے، اور آج تم دیت کے طالب ہو، اور مجھے خدشہ ہے کہ کل تم سے دیت طلب کی جائے گی۔ اور لوگ تم سے اسی طریق سے راضی ہوں گے جو تم نے اپنے لئے بنایا ہے، انہوں نے کہا ہم اسے ایک دیت کی طرف لوٹا دیتے ہیں، تو آپ نے اللہ کی حمد وثناء کی اور سوار ہو کر چلے گئے، اور آپ سے حلم کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا صبر کے ساتھ ذلت اختیار کرنا، اور جب لوگ آپ کے حلم سے تعجب کرتے تو آپ فرماتے، جو تم محسوس کرتے ہو، میں بھی محسوس کرتا ہوں لیکن میں صبر کرنے والا ہوں۔ آپ کے ایک بھتیجے نے آپ کے ایک بیٹے کو قتل کر دیا، تو قاتل کو مشکیں باندھ کر آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے تو نے بہت برا کیا ہے، تو نے اپنی تعداد کو کم کیا ہے اور اپنے بازو کو کمزور کیا ہے، اور اپنے دشمن کو خوش کیا ہے، اور اپنی قوم سے برائی کی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اور مقتول کی ماں کے پاس دیت لے جاؤ، بلاشبہ وہ بے وطن ہے۔

(ابن خلکان ج ۲ ص ۳۹۷۔۳۹۸)

آپ ﷺ کی وفات سے قبل اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تاریخی وصیت

ابن مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اور ہمارے حبیب ﷺ نے ہمیں اپنی موت سے ایک ماہ قبل اپنی خبر موت کی سنادی، میرے ماں باپ، میری جان ان پر فدا ہوں، جب جدائی کا زمانہ قریب آگیا تو آپ ﷺ نے ہمیں ہماری ماں عائشہ کے گھر پر جمع کیا، ہمارے لئے آپ ﷺ نے سختی برداشت کی، فرمایا تم لوگوں کو مرحبا، اللہ

تمہیں سلامتی عطا کرے، اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تمہاری حفاظت کرے، اللہ تمہیں غنی کرے، اللہ تمہیں رزق دے، اللہ تمہیں بلند کرے، اللہ تمہیں نفع دے، اللہ تمہیں بچائے، میں تمہیں خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں، اللہ سے تمہارے لئے وصیت کرتا ہوں، اسی پر تم کو چھوڑتا ہوں، اور تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں، اس کی طرف سے تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، اللہ کے حکم کے خلاف اس کے بندوں اور اس کے شہروں میں زیادتی اور فساد نہ کرو، نیک انجام تو متقیوں ہی کیلئے ہے، اللہ نے فرمایا کیا متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ج:۲ص:۵۹۲)

خلیفہ منصور کا حکومت کے عناصر ترکیبی سے متعلق تاریخی قول

منصور کا قول تھا۔

''حکومت کے عناصر ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں، ان کا انتخاب بہت غور سے کرنا چاہئے۔''

۱: قاضی: جو نہایت بے باک اور نڈر ہو، جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے

۲: پولیس کا افسر: جس میں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو۔

۳: خراج کا افسر: جو نہایت دیانت دار ہو۔ ظلم و جور سے اس کو طبعی نفرت ہو۔

۴: ڈاک کا افسر: یہ لفظ منصور نے تین بار سبابہ انگشت کو دانتوں کے نیچے دبا کر کہا تھا، جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے اور اپنی طرف سے کچھ شامل نہ کرے۔

(تاریخ ملت ج:۲ص:۱۰۳)

مسلمانوں کی مثالی بہادری پر انگریز افسر کا تاریخی اقرار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہند سے متعلق ایک انگریز افسر فوربس مچل، جو موقع پر

موجود تھا، اپنی یادداشت میں غازیوں کی جنگ کے بارے میں لکھتا ہے۔

''خان بہادر خان کی فوج میں غازیوں کی ایک جماعت تھی، یہ شہادت کے نشے میں چور تھے۔ دین دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے۔ حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک بیس سالہ نوجوان تھا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا، صف سے آگے بڑھ کر ہم سے یوں مخاطب ہوا۔ کیا تم میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟ اگر ہے تو سامنے آئے۔ اس کی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا، کوئی آگے نہ بڑھا، ایک منٹ کے بعد پھر چیلنج دیا اور کہا۔ میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں، لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی، آخر جھنجھلا کر اس نے تلوار میان سے نکالی اور ہماری صفوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں اٹھارہ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ اس کی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اسقدر متاثر ہوا کہ اسکو زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ زخمی ہو جانے کے باوجود جبکہ اس کے ہر عضو سے خون کے فوارے نکل رہے تھے۔ اس نے دوبارہ اسی شدت سے حملہ کیا، جب کمانڈنگ آفیسر نے دیکھا کہ اگر اس کو قتل نہ کیا گیا تو شاید ساری کمپنی (سو آدمی) کا صفایا کر دے گا۔ تو مجبوراً اس نے حکم دیا کہ سنگینوں سے خاتمہ کر دو۔'' یہ سن کر سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور اپنی سنگینیں بہ یک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں، لیکن جب تک اس کی روح جسم میں باقی رہی برابر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہا۔''

غازیوں کی جوان مردی پر سادر کر یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

''دنیا کی تاریخ میں بے مثال بہادری اور شہادت کی مثالوں میں کوئی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔'' (تاریخ جنگ آزادئ ہند ۱۸۵۷ء ص:۶۲۱)

خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ کے چند قابل ذکر تاریخی واقعات

ایک مرتبہ حضرت فضیل نے ہارون سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اے حسین چہرے والے، تو اس امت کا ذمہ دار ہے، تجھ ہی سے اس کی باز پرس ہوگی۔''

یہ نصیحت سن کر ہارون زار وقطار رونے لگا۔ منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانے میں تین آدمی رقیق القلب تھے، خشیت الٰہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے تھے۔ فضیل بن عیاض۔ ابوعبدالرحمٰن زاہد اور ہارون الرشید۔

عبداللہ قواریری لکھتے ہیں۔ ایک دن ہارون نے فضیل بن عیاض سے **وتقطعت بھم الاسباب** کے معنی پوچھے۔ فضیل نے کہا کہ قیامت کے روز تمام دنیاوی وسائل منقطع ہو جائیں گے، خلیفہ یہ سن کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

ایک مرتبہ ابن سماک سے نصیحت کی درخواست کی انہوں نے فرمایا۔

''ہارون خدا سے ڈرا کر جس کا کوئی شریک نہیں، اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدائے تعالیٰ کے روبرو جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں سے ایک مقام اختیار کرنا پڑے گا، جس کے علاوہ تیسرا مقام نہیں ہے اور یہ مقام جنت، دوزخ ہیں۔''

یہ سن کر ہارون اتنا رویا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، فضیل بن حاجب پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہارون کا یہ حال دیکھ کر کہا۔ سبحان اللہ امیر المومنین کے جنت میں جانے میں بھی کوئی شبہ ہوسکتا ہے۔ آپ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں، اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں، اس کے صلہ میں انشاء اللہ ضرور مستحق جنت ہوں گے۔''

ابن سماک نے ہارون کو مخاطب ہو کے کہا۔

''امیر المؤمنین اس دن فضیل تیرے ساتھ نہ ہوگا، اس لئے خدا سے ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ۔''

یہ سن کر ہارون پھر زار زار رویا، سماک اٹھ کر چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ سے عشق

ہارون کو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ جب کبھی آپ کا نام مبارک اس کے سامنے کوئی لیتا تو بے قرار ہو جاتا اور ﷺ علیٰ سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث ہارون کے سامنے بیان کی۔ درباریوں میں سے ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا۔ ہارون جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے، اور اس وقت تلوار طلب کی۔ لیکن ابو معاویہ نے سمجھا بجھا کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

خلق قرآن

ہارون الرشید کو اسلام کی بے حرمتی کبھی گوارا نہ تھی، وہ دین میں رخنہ ڈالنے والے کاموں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ جب اسے اطلاع ملی کہ بشر المریسی خلق قرآن کا قائل ہے، تو کہنے لگا اگر وہ قابو میں آجائے تو اس کی گردن ماردوں۔

علماء کی قدردانی

ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے خلیفہ کے ساتھ کھانا کھایا (ابو معاویہ نابینا تھے)۔ تو کسی شخص نے معمول کے موافق میرے ہاتھ دھلائے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ خلیفہ نے دھلائے ہیں، چنانچہ خلیفہ نے کہا کہ محض اکرام علم کے لئے خود میں نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں۔

شجاعت و تہور

ہارون شجاع تھا اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا۔ بلکہ اکثر فوج کے آگے رہتا، اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔

اخلاقی حالت

ہارون کی اخلاقی حالت نہایت بلند تھی۔ حیا و مروت میں فائق تھا، مگر دشمن اور زندیق کے لئے اس کا جوش غضب بڑھ جاتا تھا۔ اپنے دادا منصور کے قدم بقدم تھا۔ لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے انعام دیتا۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ایک شب میں ہارون نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو بلایا اور ایک ضروری مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے بتا دیا، ہارون خوش ہو گیا اور ایک لاکھ درہم عطا کر دینے کا حکم دیا۔

قاضی صاحب نے فرمایا یہ درہم مجھے صبح سے پہلے پہلے مل جانے چاہئیں۔ ہارون نے حکم دیا فوراً ادا کئے جائیں۔

ایک مصاحب بولا! حضور خزانچی اپنے گھر میں ہے اور خزانہ کا دروازہ بند ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ دروازے تو اس وقت بھی بند تھے جب میں بلایا گیا تھا۔ یہ سن کر فوراً خزانہ کھلوا دیا گیا اور ایک لاکھ درہم قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کئے گئے۔

ایک قابل ذکر واقعہ

ایک دن امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ دور سے اپنے فرزندوں محمد امین اور مامون الرشید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں بھائی اپنے مکتب میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اٹھے اور باہر جانے لگے، امین اور مامون نے لپک کر استاد کے جوتے اٹھائے اور ان کے قریب رکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر ہارون کو تعجب ہوا، ایک خادم سے پوچھا، بتا وہ کون شخص ہے جس کے خدمت گار دنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں؟ اس نے کہا آپ۔ ہارون نے کہا نہیں، کسائی ہے، جس کے علم و فضل کی وجہ سے محمد امین و مامون اس کی خدمت کرتے ہیں، جب کسائی نے یہ واقعہ سنا تو کہا امیر المؤمنین اگر آپ اپنے دونوں فرزندوں سمیت میری خدمت

کرتے تب بھی تھوڑی تھی کیونکہ فضل وکمال کی زندگی زندگی ہوتی ہے۔ اور دولت واقبال ڈھلتی پھرتی چھاؤنی ہے، اس لئے اعتبار کے قابل چیز فضل وکمال ہے نہ کہ دولت واقبال۔

ہارون الرشید نے یہ قول بہت پسند کیا اور کسائی کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص ۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳)

گیارہ سردار گیارہ علم اور گیارہ دستوں کے ذریعے مرتدین کا تاریخی استیصال

حضور ﷺ کا دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مرتدین کا بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ آتے ہی ایک فرمان لکھا اور تمام مرتد قبیلوں کی طرف بھیج دیا کہ یا تو دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آؤ، ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ، اس اتمام حجت اور......... ان فرامین کو قاصدوں کے ہاتھ روانہ کرنے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گیارہ علم تیار کئے اور گیارہ سردار منتخب فرما کر ایک ایک جھنڈا ہر ایک سردار کو دیا، ہر ایک کے ساتھ ایک ایک دستہ فوج کیا اور حکم دیا کہ مکہ وطائف وغیرہ مقامات سے جہاں جہاں اسلام پر ثابت قدم قبائل ملیں ان میں سے کچھ لوگوں کو ان قبائل اور ان کے گھر بار کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیں، کچھ لوگوں کو اپنے لشکر میں شریک کرتے اور ساتھ لیتے جائیں، پہلا علم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، اور حکم ہوا کہ اول طلیحہ بن خویلد اسدی پر چڑھائی کرو۔ جب اس مہم سے فارغ ہو جاؤ تو مقام بطاع کی طرف مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہو۔

دوسرا علم عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب پر حملہ کرو۔

تیسرا علم شرحبیل بن حسنہ ﷺ کو سپرد ہو کر حکم ہوا کہ عکرمہ کی امداد کرو اور یمامہ سے فارغ ہو کر موت کی طرف بنو کندہ اور بنو قضا پر حملہ آوری کرو۔

چوتھا علم خالد بن سعید بن العاصی ﷺ کو ملا اور حکم ہوا کہ تمام ملک شام کی سرحد پر پہنچ کر اس طرف کے قبائل کو درست کرو۔

پانچواں علم عمرو بن العاص کو سپرد فرما کر حکم دیا کہ مرتدین بنو قضاہ کی طرف جاؤ۔

چھٹا علم حذیفہ بن محسن ﷺ کو دے کر ملک عمان کی طرف جانے کا حکم دیا۔

ساتواں علم عرفجہ بن ہرثمہ کو سپرد کر کے اہل مہرہ کی طرف جانے کا حکم دیا، حذیفہ اور عرفجہ کو یہ بھی حکم ملا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ جب ملک عمان میں رہیں تو حذیفہ امیر اور عرفجہ ماتحت ہوں گے، او جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہ امیر ہوں گے اور حذیفہ ماتحت سمجھے جائیں گے۔

آٹھواں علم طریفہ بن عاجز کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ بنو سلیم اور ان کے شریک حال بنو ہوازن کی طرف جاؤ۔

نواں علم سوید بن مقرن کو دیا گیا اور ان کو حکم ملا کہ یمن (تہامہ) کی جانب جاؤ۔

دسواں علم علاء بن الحضرمی کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ بحرین کی طرف جاؤ۔

گیارہواں علم مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ صنعاء کی طرف جاؤ، ان تمام سرداروں کو روانگی کے وقت ایک ایک فرمان ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا گیا۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا۔

منشور صدیقی

یہ عہد نامہ ہے ابوبکر خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے جو فلاں سردار کو دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ظاہراً اور باطناً اپنے تمام کاموں میں ڈرتا رہے گا۔ ہم نے اس کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرتدین سے لڑے مگر پہلے ان پر اتمام حجت کرے اور ان کو

اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کرلیں تو لڑائی سے باز رہے۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو ان پر حملہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اسلام کا اقرار کریں۔ پھر ان کو ان کے فرائض وحقوق سے آگاہ کیا جائے، جو ان پر فرض ہے وہ ان سے لیا جائے، اور جو ان کے حقوق ہیں وہ ان کو دیئے جائیں۔ اس میں رعایت کسی کی نہ کی جائے، مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے روکا جائے۔ جس نے احکام الٰہی کا انکار کیا اس سے لڑائی کی جائے گی، اور جس نے دعوت کو قبول کرلیا وہ بے گناہ سمجھا جائے گا، اور جو شخص اقرار باللسان کے بعد دل میں کچھ اور عقیدہ رکھتا ہوگا اس کا حساب اللہ تعالیٰ اس سے لے گا۔ جو لوگ منکر ہو کر لڑائی تک نوبت پہنچا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کریگا تو مال غنیمت علاوہ خمس کے تقسیم کردیا جائے گا، اور خمس ہمارے پاس بھیجا جائے گا۔ ہم نے یہ بھی ہدایت کردی ہے کہ سردار لشکر اپنے ہمراہیوں کو عجلت اور فساد سے منع کرے اور کسی غیر کو اپنے لشکر میں داخل نہ ہونے دے، جب تک کہ اس کو اچھی طرح جان پہچان نہ لے، تاکہ جاسوسوں کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ یہ بھی ہدایت کردی کہ مسلمانوں سے نیک سلوک کرے۔ روانگی اور قیام میں لوگوں سے نرمی کرے اور ان پر رحم کرے، نشست و برخاست اور گفتگو میں ایک دوسرے کے ساتھ رعایت اور نرمی کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہ تمام سردار ماہ جمادی الاول ۱۱ھ میں مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر، اپنے اپنے مقررہ علاقوں کی طرف جا کر مصروف عمل ہوئے۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج۱ص: ۲۳۳۔۲۳۴)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی تاریخی بہادری

امیر المؤمنین ابو جعفر منصور رحمہ اللہ نے عبداللہ بن طاؤس اور حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ کو بلایا، اور دونوں اس کے پاس آئے، تو اس نے کچھ دیر سر جھکایا، پھر ابن

طاؤس کی طرف متوجہ ہو کر اسے کہنے لگا، اپنے باپ کی کوئی روایت مجھ سے بیان کرو، اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے سخت تر عذاب اس شخص کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتدار میں شریک کیا، تو اس نے اپنے فیصلوں میں ظلم داخل کیا، پس ابو جعفر کچھ دیر رک گیا۔

حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے اس خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ مجھے اس کا خون لگ جائے گا۔ پھر منصور نے اسے تین بار کہا، مجھے یہ دوات دو، مگر اس نے دوات نہ دی، اس نے اسے پوچھا، تو مجھے دوات کیوں نہیں دیتا؟ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ تو اس کے ساتھ کوئی گناہ کی بات لکھے، تو میں اس میں تیرا شریک کار ہو جاؤں۔ پس جب اس نے یہ بات سنی تو اس نے کہا تم دونوں میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اس نے کہا، ہم یہی چاہتے تھے۔

امام مالک کا بیان ہے کہ اس روز سے میں ہمیشہ ہی ابن طاؤس کے فضل کو جاننے والا رہا ہوں۔ (ابن خلکان ج:۲ص:۴۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک تاریخی قول

بیہقی اور ابن عساکر رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قسم ہے وحدہ لاشریک کی اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ ہوتے تو روئے زمین پر کوئی خدا کی عبادت نہ کرتا۔ اسی طرح آپ نے تین مرتبہ کہا۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسا کیوں کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر شام کی طرف روانہ کیا تھا، ابھی اسامہ رضی اللہ عنہ نے ذی خشب میں ہی پڑاؤ کیا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا، اور حوالی مدینہ کے عرب مرتد ہو گئے۔ صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ اس لشکر کو واپس بلا لیجئے، کیونکہ خود مدینہ میں لوگ مرتد ہو گئے۔ ممکن ہے کہ یہاں ضرورت لاحق ہو، آپ نے فرمایا: قسم ہے

وحدہ لاشریک کی اگر پیغمبر خدا ﷺ کی بیویاں کے پاؤں کتے گھسیٹیں، تو بھی جس لشکر کو حضور نبی کریم ﷺ نے بھیجا ہے ہرگز نہ لوٹاؤں گا، اور جس جھنڈے کو خود حضور نبی کریم ﷺ نے باندھا ہے اس کو کبھی نہ کھولوں گا، پس آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ حضرت اسامہ راستہ میں جس قبیلہ کے پاس سے گزرتے تھے اور وہ قبیلہ ارتداد کا ارادہ رکھتا تھا تو اس قوم کو وحشت ہوجاتی تھی، اور وہ قبیلہ آپس میں کہتا تھا کہ اگر ان میں طاقت نہ ہوتی تو یہ ایسے وقت میں دوسروں پر کبھی لشکر کشی نہ کرتے۔ لیکن دیکھو رومیوں کے مقابلہ میں کیا ہوتا ہے۔ جب یہ لشکر سلطنت روم کی حدود میں پہنچا تو طرفین کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کا لشکر فتح حاصل کر کے سالم وغانم واپس ہوا تو اسلام کا بول بالا ہوا۔

(تاریخ الخلفاء ص:۸۳)

تلوار کا حق ادا کرنے والے نوعمر مجاہد کی تاریخی دلیری

غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ نے (۱) اسامہ بن زید (۲) عبداللہ بن عمر بن الخطاب، (۳) عمرو بن حرام (۴) براء بن عازب (۵) اسید بن ظہیر (۶) عرابہ بن اوس (۷) زید بن ارقم (۸) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو واپس کردیا تھا کیوں کہ ان تمام کی عمریں ابھی چودہ سال کی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار ابودجانہ سماک رضی اللہ عنہ ابن خرشہ کو عطا فرمائی، جو بنوساعدہ کے ایک بہادر مجاہد تھے اور میدان جنگ میں بڑے ناز اور فخر سے اترا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا، یارسول اللہ اس تلوار کا حق کیا ہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمن پر اتنا استعمال کرو کہ یہ تلوار کثرت استعمال کی وجہ سے ٹیڑھی ہوجائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس تلوار کا حق میں ادا کروں گا یارسول اللہ۔

(ابن خلدون ج:۳ ص:۱۱۰)

صحابیؓ رسول ﷺ کی دربار ہرقل میں تاریخی استقامت

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی ؓ رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہوگئے ، پھر آپ ؓ کو شاہ روم ہرقل کے پاس بھیج دیا، اور ادھر امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے ہرقل کے نام خط لکھا کہ جیسے ہی میرا مکتوب ملے فوراً ہمارے قیدی عبداللہ بن حذافہ کو میرے پاس بھیج دو۔ ورنہ ایسے آدمیوں کی فوج تیری طرف بھیجوں گا جنہیں ذکر اللہ سے نہ تجارت روکتی ہے نہ خرید وفروخت، اس کے بعد اگرچہ ہرقل نے آپؓ کو رہا کردیا، مگر دوران قید جو سوالات ہرقل نے آپ ؓ سے کئے اور آپ نے پوری جرأت کے ساتھ جواب دیئے، وہ ہمارے سوتے ایمان کو جگانے کیلئے کافی ہیں۔ آیئے! پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔ (از مؤلف)

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ کا بیان ہے کہ میں ہرقل کے پاس گیا۔ سرداران روم اور افسران فوج اس کے گرد حلقہ کیے بیٹھے تھے۔ اس کے سر پر تاج رکھا ہوا تھا، میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا، تو مجھے دیکھ کر کہنے لگا تم کون ہو؟ میں نے کہا قبیلہ قریش کا ایک مسلمان ہوں۔ اس نے کہا، کیا اپنے نبی کے گھرانے اور خاندان سے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کیا ہوسکتا ہے کہ تم ہمارے دین میں داخل ہوجاؤ تاکہ میں اپنے سرداروں میں سے ایک سردار کی لڑکی سے تمہارا نکاح کردوں اور اپنے خاص مصاحبین میں داخل کرلوں۔ میں نے کہا، اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اپنے دین اور اس طریقہ کار کو جسے حضور اکرم ﷺ لائے ہیں۔ کبھی قیامت تک نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے کہا تم ہمارے دین کو قبول کرلو، میں تمہیں اتنا مال اور اس قدر باندیاں دوں گا۔

اس کے بعد اس نے جواہرات سے بھرا ہوا ایک طشت منگوایا اور کہنے لگا کہ تم ہمارے دین میں داخل ہوجاؤ میں تمہیں یہ سب جواہرات دے دوں گا۔ میں نے کہا خدا

کی قسم! اگر تو مجھے اپنی اور اپنی تمام قوم کی بادشاہت بھی بخش دے، تب بھی میں کبھی اسلام سے نہ پھروں۔ اس نے کہا اگر تم ہمارے دین میں داخل نہ ہوئے تو میں بری طرح تمہیں قتل کروں گا۔ میں نے کہا اگر تو میرا بند بند بھی علیحدہ کر دے گا اور آگ میں بھی جلا دے گا تب بھی میں مذہب کو ترک نہیں کروں گا اور جو کچھ کرنا ہے اب کر گزر۔

یہ سن کر وہ آگ بگولہ ہوگیا اور کہنے لگا، اچھا اگر چھوٹنا چاہو تو اس صلیب کو سجدہ کرلو، میں چھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا نہیں تو پھر سور کا گوشت کھالو، تب چھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا حاشاء اللہ میں کبھی نہیں کھا سکتا۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں تو شراب کا ایک گھونٹ بھرلو، میں نے کہا خدا کی قسم میں کبھی نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا مجھے اپنے دین کی قسم تمہیں زبردستی کھانا پڑے گا اور پینا بھی۔ اس کے بعد میرے متعلق اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اس کے پاس سور کا گوشت اور شراب رکھ دو۔ جب بھوک پیاس لگے گی خود اسے کھائے پئے گا۔ غلاموں نے ایک مکان میں وہ گوشت اور شراب رکھ کر مجھے بند کر دیا اور چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ میں تین دن تک اس مکان میں بند رہا، چوتھے روز مجھے پھر اس نے اپنے پاس بلایا اور غلاموں سے کہنے لگا کہ اس نے اس گوشت اور شراب کو کیا کیا۔ انہوں نے کہا اس نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا، وہ تمام جوں کے توں موجود ہیں۔ اس کے وزیر نے کہا، ایھا الملک، یہ شخص اپنی قوم کا شریف معلوم ہوتا ہے۔ ذلت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ آپ جو کچھ اس کے ساتھ سلوک روا رکھیں گے وہی مسلمان ہمارے ان قیدیوں کے ساتھ بھی کریں گے جو ان کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔

ہرقل نے مجھے مخاطب کر کے کہا، تم نے اس گوشت کو کیا کیا۔ میں نے کہا وہ اسی طرح رکھا ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔ اس نے کہا تم نے اسے کیوں نہیں کھایا۔ میں نے کہا خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خوف سے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ہم پر حرام کر

دیا ہے، اور اگرچہ تین دن کے فاقہ کے بعد ہمیں کھانے کی اجازت دی ہے، مگر میں نے ملحدوں کے طعن وتشنیع کی وجہ سے اسے چوتھے دن بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

کہتے ہیں کہ ملک ہرقل کو جب حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تہدید نامہ ملا تو اس نے اسے پڑھ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو بہت سا مال اور کپڑے دیئے، نیز جناب حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے واسطے ایک بیش قیمت موتی (لولو) ہدیۃً پیش کیا اور ایک دستہ کی حفاظت میں آپ کو پہاڑوں کے دروں تک پہنچا دیا، یہاں سے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ حلب میں تشریف لائے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ جب دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر سجدۂ شکر میں گر پڑے اور آپ کو باسلامت واپس آنے کی مبارک باد دی۔ آپ نے بارگاہ معلیٰ میں ہرقل کا موتی پیش کیا۔ حضرت خلیفۃ المسلمین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے سوداگروں اور تاجروں کو بلا کر اس کی قیمت دریافت کی، انہوں نے کہا امیر المومنین! ہم نے ایسا موتی آج تک نہیں دیکھا، اس لئے اس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب کو یہ عنایت فرمایا ہے تو آپ اسے رکھیں۔ خداوند تعالیٰ جل وعلیٰ اس میں آپ کے لئے برکت مرحمت فرمائیں گے۔ آپ نے مسجد نبوی میں تمام مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور جس وقت وہ جمع ہو گئے تو آپ نے ممبر پر جلوہ افروز ہو کر انہیں مخاطب کر کے فرمایا، لوگو! رومی کتے نے میرے واسطے یہ موتی بطور ہدیہ کے بھیجا ہے اور مسلمانوں نے اسے میرے لئے حلال کر دیا ہے، تم اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یا امیر المومنین! اللہ پاک جل جلالہ جناب کے لئے اس میں برکت فرمائے۔ آپ نے

فرمایا: لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اگرچہ تم لوگوں نے اسے میرے لئے حلال کردیا ہے مگر مسلمانوں میں سے جو حضرات یہاں موجود نہیں ہیں بلکہ کسی دوسری جگہ تشریف لے گئے ہیں، نیز مہاجرین وانصار اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی وہ اولاد جواب تک شکم مادر اور پشت پدر میں ہے ان سے کس طرح اجازت لوں گا؟۔ خدا کی قسم عمر میں اتنی طاقت نہیں ہے جو قیامت میں ان کے مطالبہ کا جواب دے گا۔ اس کے بعد آپ نے اسے فروخت کرڈالا، اور اس کی قیمت مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردی۔ (فتوح الشام ص: ۵۱۳۔۵۱۴)

انتقال پیغمبر ﷺ پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تاریخی خطبہ

جب لوگوں کے درمیان میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اعلان ہوا، تو اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، کیوں کہ وہ اپنے اہل وعیال کے پاس سخ کے محلہ میں گئے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ وہ اٹھے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا، کہ منافقین میں سے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں، حالانکہ ان کی وفات نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں ۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ وہ یقیناً واپس آئیں گے۔ اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر ملی تو وہ ان کے حجرہ میں داخل ہوئے، اور کپڑا ہٹا کر ان کے چہرے کو بوسہ دیا اور کہا'' آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے آخر کار اس موت کا ذائقہ چکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کر رکھا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر کوئی موت نہیں آئے گی ۔'' پھر آپ باہر آئے اور دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ وہی کلمات کہہ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا خاموش رہو، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات پر کان نہ دھرا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر

حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلے آئے۔

خطبہ: حضرت ابوبکرؓ نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

اے لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا، تو بے شک محمد ﷺ وفات پا گئے۔ مگر جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو بیشک اللہ زندہ ہے، جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افاء ن مات او قُتل انقلبتم علیٰ أعقابکم ومن ینقلب علی عقبیهِ فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین .

یعنی محمد ﷺ اللہ کے محض ایک پیغمبر ہیں اس سے پہلے بھی پیغمبر گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے قدموں پر پھر جاؤ گے۔ یعنی دوبارہ مشرک ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص اپنے پاؤں پر پھر جائیگا، تو وہ اللہ کو ہرگز نقصان نہ پہنچائے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزار لوگوں کو جزاء دے گا۔

جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان سے یہ آیت سنی، تو انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا انہیں اس کے نازل ہونے کا علم نہ تھا، حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میں زمین پر گر پڑا اور میرے پاؤں تھرا گئے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں (ابن خلدون ج:۳ ص:۲۰۰، ۲۰۱)

اسلامی بحری بیڑے نے چھ سو جہازوں والے بیڑے کو تاریخی شکست دے دی

بحری فوج اور اسلامی بیڑے کے سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری

فوج کا قیام ہے، عہد فارقی میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہوگئے تھے، امیر معاویہ ؓ نے ان سے بارہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی، لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی، آپ کے بعد امیر معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ سے درخواست کی، آپ نے بھی پہلے انکار کیا لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے، چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہ ؓ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا، قبرص کی فتح سے امیر معاویہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والی افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا، چنانچہ ۳۱ ھ میں قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی، بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا۔

(الکامل ج ۳ ص: ۳۶، ۴۵، فتوح البلدان ذکر فتح قبرص)

عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ کا صحابی ؓ کے بارے میں تاریخی جملہ

ابو علی الغسانی الجیانی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت معاویہ بن ابو سفیان ؓ افضل تھے یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو آپ نے جواب دیا، خدا کی قسم وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہ ؓ کی ناک میں داخل ہوا، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ایک

ہزار درجہ بہتر تھا۔ حضرت معاویہ نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے کہا سمع اللہ لمن حمدہ ،معاویہ نے کہا ربنا لک الحمد اس کے بعد کیا ہے؟

(تاریخ ابن خلکان ج:۳ص:۲۳)

آپ کا قول ہے کہ ہم نے دنیا کے لئے علم حاصل کیا اور اس نے ہمیں ترک دنیا کا راستہ دکھایا۔

ایک جواری کا دلچسپ تاریخی واقعہ

''تاریخ روضۃ الصفا'' میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن سلطان محمود رحمہ اللہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا میدان کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک عجیب و غریب بازاری آدمی پر پڑی۔ سلطان نے دیکھا کہ یہ آوارہ گرد اپنے ہاتھ میں تین پرندے لئے کھڑا ہے، جب اس شخص سے محمود کی آنکھیں چار ہوئیں ،تو اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اشارہ کیا، محمود نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف کرلیا۔ مگر اپنے دل میں یہ سوچنے لگا کہ اس اشارے سے اس شخص کا مطلب کیا ہے؟ تھوڑی دیر بعد محمود نے پھر اس کو چہ گرد کی طرف دیکھا، اس نے پھر حسب سابق ہاتھوں سے اشارہ کیا، اس مرتبہ محمود سے نہ رہا گیا اور اس نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں یہ پرندے کیوں ہیں اور تیرے ان اشاروں کا مطلب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، میں ایک جواری ہوں اور میں نے بادشاہ کو غائبانہ طور پر اپنا شریک تصور کر کے پانسہ پھینکا اور اس وجہ سے یہ تینوں پرندے جیتے ہیں۔ محمود نے حکم دیا کہ اس جواری سے یہ پرندے لے لئے جائیں۔''

دوسرے روز وہ جواری اپنے ہاتھوں میں دو پرندے لیے ہوئے اسی طرح محمود کے سامنے آیا، محمود نے دوسرے روز بھی وہ پرندے اس سے لئے اور یہ سوچتا رہا کہ آخر اس شخص کا مقصد کیا ہے؟ تیسرے دن وہ جواری پھر تین پرندے لے کر آیا۔ اور انہیں

بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے چلا گیا۔ چوتھے روز جواری پھر سلطان کو نظر آیا لیکن اس روز وہ خالی ہاتھ تھا اور محمود نے دیکھا کہ وہ شخص بڑا غمگین اور ملول وحزین محل کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ محمود نے (دل ہی دل میں) کہا معلوم نہیں آج ہمارے شریک پر کیا بیتی ہے۔ جو غمگین اور ملول کھڑا ہوا ہے۔ محمود نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کا حال پوچھا۔ جواری نے جواب دیا۔ آج میں نے بادشاہ کی شراکت میں ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار کی بازی لگائی، لیکن بدقسمتی سے پانسہ میرے خلاف پڑا اور میں یہ رقم ہار گیا محمود یہ سن کر مسکرایا اور اپنے دربان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس جواری کو پانچ سو (۵۰۰) دینار دے کر رخصت کر دے اور جواری سے کہا جب تک میں خود موجود نہ ہوں، اب تم میری غائبانہ شراکت میں کبھی جوا نہ کھیلنا۔"

(تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۵۱۔۱۵۲)

خلافت فاروقیؓ میں تاریخی فتوحات

حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی ہی میں ولی عہد خلافت جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں نامزد ہو گئے تھے۔

زہریؒ کہتے ہیں کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا، آپ اسی روز خلیفہ مقرر ہو گئے تھے، اور وہ منگل کا دن ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری تھا۔ (حاکم)

جس وقت آپ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کے زمانہ میں بہت فتوحات ہوئیں، چنانچہ ۱۴ ہجری میں دمشق صلح اور غلبہ سے اور حمص اور بعلبک صلح سے اور بصرہ اور ایلہ غلبہ سے فتح ہوئے۔ ۱۴ ہجری میں آپ نے لوگوں کو تراویح کی نماز کیلئے جمع کیا۔

(عسکری)

۱۵ ہجری میں اردن غلبہ سے، طبریہ صلح سے فتح ہوا۔ اسی سال واقعہ یرموک اور قادسیہ پیش آیا۔ (ابن جریر) اسی سال حضرت سعدؓ نے کوفہ آباد کیا۔ اسی میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنخواہیں مقرر کیں۔ جاگیریں عطا کیں اور دفتر پکے طریقہ پر جاری کیئے۔ ۱۶ ہجری میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے۔ حضرت سعد نے ایوان کسریٰ میں جمعہ پڑھا اور یہ پہلا جمعہ ہے جو عراق میں ادا کیا گیا۔ یہ صفر کا مہینہ تھا۔ اسی سال واقعہ جلولاء پیش آیا۔ یزدجرد بن کسریٰ نے ہزیمت کھائی اور رے کی طرف بھاگ گیا۔ اسی سال تکریت فتح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو بیت المقدس فتح ہوا، اور آپ نے جابیہ میں جو آپ کا خطبہ مشہور ہے پڑھا۔ اسی سال قنسرین غلبہ سے اور حلب اور انطاکیہ اور منبج صلح سے اور سروج غلبہ سے فتح ہوئے، اور اسی سال قرقیساء صلح سے فتح ہوا، اور ماہ ربیع الاول میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے تاریخ وصال ہجرت کے حساب سے مقرر ہوا۔

۱۸ ہجری میں نیشاپور بطور صلح سے اور حلوان لڑائی سے فتح ہوئے اور انہی ایام میں طاعون پھیلا ہوا تھا (جس کا نام اسلام میں طاعون عمواس ہے) اور اسی سال رہی، سمساط، غلبہ اور لڑائی سے اور حران اور نصیبین اور اکثر ملک جزیرہ غلبہ سے اور بعضوں نے کہا ہے کہ صلح سے اور موصل اور اس کے اطراف غلبہ سے فتح ہوئے۔ ۱۹ ہجری میں قیساریہ غلبہ سے فتح ہوا۔ ۲۰ ہجری میں مصر غلبہ سے فتح ہوا، اور بقول بعض اسکندریہ کے علاوہ تمام ملک صلح سے حاصل ہوا۔

علی بن رباح کہتے ہیں کہ تمام مغربی ممالک جنگ سے فتح ہوئے اور اسی سال تسر فتح ہوا، اور قیصر روم مرا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور نجران سے یہود کو جلاوطن کیا اور خیبر اور وادی القریٰ کو تقسیم فرمایا۔ ۲۱ ہجری میں اسکندریہ اور نہاوند غلبہ سے حاصل ہوئے اور اس کے بعد ملک عجم میں کوئی سرکش جماعت باقی نہیں رہی۔ ۲۲ ہجری میں آذربائیجان غلبہ سے یا صلح سے اور دینور، ماسدان، ہمدان غلبہ سے فتح ہوئے، اور اسی سال طرابلس الغرب، رے، عسکر، قومس ہاتھ آئے۔ ۲۳ ہجری میں کرمان بجستان، مکران

پہاڑی علاقے، اصبہان اور اس کے اطراف فتح ہوئے، اور اسی سال کے آخر میں حج سے تشریف آوری کے بعد حضرت عمرؓ شہید کئے گئے۔

(تاریخ الخلفاء ص، ۱۶۱، ۱۶۲)

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان تاریخی کارنامہ

دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے، حکومت کے استحکام، فتوحات کی وسعت، اور فوجیوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں۔ اس معیار کو ذرا اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کردیا جائے تو ملک وقوم کی اصلاح وترقی اس کا پیمانہ ہوجائے گا۔ اس سے زیادہ کوئی معیار نہیں۔ لیکن حضرت حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی، نہ ممالک فتح کیئے نہ فوج وخزانہ جمع کیا بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر، مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلح وفلاح کے لئے چھوڑ دیا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کرسکتی ہے۔ حکومت کے بقا وتحفظ اور اس کی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے تخت حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

(تاریخ اسلام ندوی ج۱ص: ۳۰۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا سب سے پہلے اسلام لانے کا تاریخی واقعہ

حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول کریم ﷺ آپ کی نبوت پر دلیل طلب کی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر تجارت کے سلسلہ میں یمن میں تھے اور

آپ کی عدم موجودگی میں حضرت نبی کریم ﷺ کو نبی بنایا گیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ راستے میں ایک دیر میں اترے، جس میں یمن کا ایک راہب تھا، راہب نے ان سے پوچھا، کیا تم میں کوئی خطیب ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، اور انہوں نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا، اس نے آپ کو اکیلے ہی اپنے پاس بلایا اور آپ سے کہنے لگا، تو کہاں سے آیا ہے؟ آپ نے کہا مکہ سے، اس نے کہا وہاں کوئی مدعی نبوت ظاہر ہوا ہے؟ آپ نے کہا نہیں، راہب نے کہا میرے پاس ایک تصویر ہے میں وہ آپ کو دکھاتا ہوں، اگر آپ نے اس سے ملتے جلتے کسی شخص کو پہچانا تو مجھے بتانا، سو اس نے آپ کے سامنے وہ تصویر پیش کی، تو آپ نے کہا یہ ایک شخص کی تصویر ہے جو محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہے، راہب نے کہا، یہی وہ نبی ہے جس کی دعوت دی گئی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے، یہ اپنے دشمنوں پر فتح پائے گا اور اس کا دین ادیان پر غالب آئے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں تو اس کی یہ بات معلوم نہیں، اور نہ اس نے دعویٰ کیا ہے، اور نہ وہ علم میں مشہور ہے، اور نہ اچھا لکھ سکتا ہے، اور نہ اس نے یہود و نصاریٰ سے میل جول کیا ہے، راہب نے کہا یہ بعینہ وہی نبی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ راہب نے حضرت ابوبکر سے کہا، آپ اس کے بعد اس کے دین کے ماننے والوں پر خلیفہ ہوں گے، پس حضرت ابوبکر راہب کے ہاں سے واپس آگئے اور راہب نے جو کچھ آپ سے کہا، آپ نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہ بتایا، اور جب آپ مکہ آئے تو آپ کی ماں سلمہ ام الخیر نے آپ سے کہا، آپ کے دوست محمد ﷺ نے جو کچھ کیا ہے آپ کو اس کی خبر ملی ہے، اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے اسے اللہ نے نبی بنایا ہے اور اسے اس کی قوم کی طرف اور سب مخلوق کی طرف بھیجا ہے، آپ نے اپنی ماں سے کہا وہ کہاں ہے، اس نے کہا کوہ حراء میں، حضرت ابوبکر جلدی سے پہاڑی کی طرف گئے اور آپ نے حضور کو ایک غار میں دیکھا اور سلام کیا اور کہنے لگے مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے

نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا ہے، آپ نے حضرت ابو بکر صدیق ﷜ سے کہا، میں مدعی نہیں، بلکہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے، حضرت ابو بکر ﷜ نے آپ سے پوچھا، آپ کے صدق کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو نے میرا کوئی جھوٹ دیکھا ہے؟ آپ نے کہا، قسم بخدا نہیں، مگر یہ بات دلیل کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کی دلیل وہ بات ہے جو راہب نے آپ سے کہی ہے، حضرت ابو بکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں اس بات میں آپ کا پہلا پیروکار ہوں۔

(تاریخ ابن خلکان ج:۲ص:۴۷،۴۸)

حضرت حسین ﷜ کی رونگٹے کھڑے کردینے والی تاریخی تقریر

آخر گریبان صبح عاشورہ چاک ہوا۔ آفتاب خونین آنسوؤں کی لڑیاں بکھیرتا ہوا طلوع ہوا۔ حضرت امام حسین ﷜ نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنے بہتر (۷۲) جانثاروں کو ساتھ لے کر میدان میں آگئے۔ میمنہ پر زبیر بن قین کو، میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین فرمایا، اور عباس بن علی کو علم مرحمت ہوا۔ امام حسین ﷜ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ قرآن مجید منگوا کر سامنے رکھا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

ہر چند آپ کو یقین نہ تھا کہ کوئی کوشش کارگر ہوگی، تاہم آپ نے اتمام حجت کے لئے کوفیوں کو مخاطب کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

''اے لوگو، ذرا ٹھہرو، میری بات سنو! کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کردوں۔ اگر تم نے میری بات کو سنا اور میرے ساتھ انصاف کیا تو تم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں، لیکن اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی۔ معاملہ کا ہر پہلو تم پر واضح ہو جائے گا اور تمہیں اختیار ہوگا جو چاہو سو کرو اور میرے ساتھ کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔ میرا مددگار میرا اللہ ہے۔''

حضرت امام اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ زنانہ خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں، آپ فرمانے لگے۔

''عبداللہ بن عباس ﷺ نے سچ کہا تھا، ہمیں عورتوں کو نہیں لانا چاہئے تھا۔''

پھر آپ نے عباس بن علی ﷺ کو عورتوں کو خاموش کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ خاموش ہو گئیں تو آپ نے پھر سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو! ذرا سوچو کہ میں کون ہوں، پھر غور کرو کہ تمہارے لئے مجھے قتل کرنا اور میری بے حرمتی کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں؟ کیا میں ان کے ابن عم علی مرتضیٰ کا فرزند نہیں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے والد کے چچا نہ تھے؟ کیا جعفر شہید طیار میرے چچا نہ تھے؟ کیا ہم دونوں بھائیوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ کی یہ مشہور حدیث تم نے نہیں سنی؟

''اے حسن و حسین! تم جنت کے سردار ہو اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔''

اگر میرے بیان پر اعتبار نہ ہو، حالانکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو رسول کریم ﷺ کے بہت سے صحابی ابھی زندہ ہیں، ان سے پوچھ لو، کیا اس کے بعد بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہ آؤ گے۔ کیا تمہیں اس قول نبی کی صداقت میں شک ہے؟ یا اس بات میں شک ہے کہ میں (حسین) فاطمہ زہرا کا بیٹا نہیں ہوں؟ اگر تمہیں دوسری بات میں شک ہے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں مشرق و مغرب میں میرے سوا کوئی نبی کا نواسہ اور فاطمہ کا لال نہیں ملے گا۔

تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی کا خون بہایا ہے؟ کیا تم میں سے کسی کا مال غصب کر لیا ہے؟ کیا تمہارے کسی آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے کچھ سرداران کوفہ کو نام بنام پکار کر کہا۔ کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط بھیج کر نہیں بلایا؟

ان لوگوں نے جواب دیا۔

''نہیں! ہم نے آپ کو نہیں بلایا۔''

آپ نے فرمایا:

''تم نے ضرور بلایا۔ لیکن اگر اب تمہیں میری آمد ناپسند ہے تو مجھے اپنی پناہ کی جگہ واپس جانے دو۔''

ایک شخص نے کہا۔ آپ میرے چچیرے بھائی (ابن زیاد) کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ یہ آپ کے لئے بہتر ہوگا۔

آپ نے جواب دیا۔

''خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اپنا ہاتھ دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔ اور غلاموں کی طرح ان کی بندگی کا اقرار نہیں کر سکتا۔ میں ہر متکبر سے جس کا روز حساب پر ایمان نہیں ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔''

(ابن اثیر ج:۴ص:۲۵،۲۶)

سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ کی پہلی ''ناصحانہ'' تاریخی تقریر

سلیمان بن عبدالملک ولید کا حقیقی بھائی تھا، خود عبدالملک اسے ولید کے بعد ولی عہد بنا گیا تھا۔ اس لئے اس کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۹۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

سلیمان فطرۃً صالح وسعید تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کے مشیر وہم جلیس تھے، ان کی صحبت نے اس کو اور زیادہ سنوار دیا تھا، اس لئے بعض حیثیتوں سے اپنے پیشرووں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا، اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی، جس کا اندازہ سلیمان کی پہلی ہی تقریر سے ہوتا ہے، تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے پہلے یہ تقریر کی۔

الحمد لله ! دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے، رونے والے کو ہنساتی ہے اور ہنسنے والے کو رلاتی ہے، بے خوف کو خوفزدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے، دولت مند کو محتاج کرتی ہے اور محتاج کو دولت مند بناتی ہے، اہل دنیا کو مائل کرنے والی، دھوکہ دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔

عباد الله ! کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ، اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرو، اسے اپنا رہنما مانو کہ وہ اپنے ماقبل کی کتابوں کی ناسخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا۔

عبـــاد الله ! یہ قرآن شیطان کے مکر کو اسی طرح کھول دیتا ہے جس طرح صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے۔ (مسعودی ج ۲ ص: ۶۶۰)

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا جنگل کے درندوں کے نام تاریخی اعلان

اس علاقے کی فتح کا اصل سہرا حضرت عقبہ بن نافع کے سر ہے، جو صحابی تو نہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی ولادت سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ مصر کی فتوحات میں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں انہیں شمالی افریقہ کے باقی ماندہ حصے کی فتح کی مہم سونپ دی تھی، یہ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مصر سے نکل کر داد شجاعت دیتے ہوئے تونس تک پہنچ گئے اور یہاں قیروان کا مشہور شہر بسایا، جس کا واقعہ یہ ہے کہ جس جگہ آج قیروان آباد ہے وہاں بہت گھنا جنگل تھا جو درندوں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع نے بربریوں کے شہروں میں رہنے کے بجائے مسلمانوں کے لئے الگ شہر بسانے کے لئے یہ جگہ منتخب کی، تاکہ یہاں مسلمان مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی قوت بڑھا سکیں، ان کے ساتھیوں نے کہا یہ جنگل تو درندوں اور حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے لیکن حضرت عقبہؓ کے نزدیک شہر بسانے کے لئے اس سے

بہتر کوئی جگہ نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا اور لشکر میں جتنے صحابہ کرام ﷺ تھے ان کو جمع کیا، یہ کل اٹھارہ صحابہؓ تھے، ان کے ساتھ مل کر حضرت عقبہؓ نے دعا کی اور اس کے بعد یہ آواز لگائی:

ایتھا السباع والحشرات، نحن اصحاب رسول اللہ ارحلوا عناً فانا ناز لون، فمن وجدناہ بعد قتلنا

''اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا، ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوا؟ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فلم یبق منھا شیئی الا خرج ھار با، حتی ان السباع تحمل اولادھا

''ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو، یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہے تھے۔''

اور مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان علامہ ذکریا بن محمد قزوینی متوفی ۶۸۲ھ لکھتے ہیں۔

فرأی الناس ذلک الیوم عجبالم یروہ قبل ذلک وکان السبع یحمل اشبالہ، والذئب اجر اعہ، والحیة اولادھا، وھی خارجة سربا سربا، فحمل ذلک کثیر امن البربر علی الاِسلام

''اس روز لوگوں نے ایسا عجیب نظارہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا کہ درندہ اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہا ہے، بھیڑیا اپنے بچوں کو، اور سانپ اپنے بچوں کو، یہ سب ٹولیوں کی شکل میں نکلے جا رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔''

اس کے بعد عقبہ بن نافعؓ اوران کے ساتھیوں نے جنگل کاٹ کر یہاں شہر قیروان آباد کیا، وہاں مسجد بنائی، اوراسے شمالی افریقہ میں اپنا مستقر قرار دیا۔ حضرت معاویہ ؓ ہی کے دور میں عقبہ بن نافعؓ افریقہ کی امارت سے معزول ہو کر شام میں آباد ہو گئے تھے، آخر میں حضرت معاویہؓ نے انہیں دوبارہ وہاں بھیجنا چاہا، لیکن آپ کی وفات ہو گئی، بعد میں یزید نے اپنے عہد حکومت میں انہیں دوبارہ افریقہ کا گورنر بنایا، اس موقع پر انہوں نے قیروان سے مغرب کی طرف اپنی پیش قدمی پھر سے شروع کی اور روانگی سے پہلے اپنے بیٹوں سے کہا:

انی قد بعت نفسی من الله عزوجل، فلا زال اجاهد من كفر بالله،

''میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کو فروخت کر چکا ہوں لہٰذا اب مرتے دم تک اللہ کا انکار کرنے والوں سے جہاد کرتا رہوں گا۔''

اس کے بعد انہیں وصیتیں فرمائیں اور روانہ ہو گئے۔ اسی زمانے میں انہوں نے الجزائر کے متعدد علاقے تلمسان وغیرہ فتح کیے، یہاں تک کہ مراکش میں داخل ہو کر اس کے بہت سے علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرایا، اور بالآخر اسفی کے مقام پر جو افریقہ کا انتہائی مغربی ساحل ہے، بحر ظلمات (اٹلانٹک) نظر آنے لگا۔ اس عظیم سمندر پر پہنچ کر ہی حضرت عقبہؓ نے وہ تاریخی جملہ کہا کہ:

یارب لو لاهذا البحر لمضيت فی البلاد مجاهدا فی سبیلک

پروردگار! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔''

اور:

اللهم اشهد انی قد بلغت المجهود، ولو لا هذا البحر لمضيت

فی البلاد آقاتل من کفر بک حتی لا یعبد احد دونک

یا اللہ گواہ رہیئے کہ میں نے اپنی کوشش کی انتہا کردی ہے، اور اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو جو لوگ آپ کی توحید کا انکار کرتے ہیں میں ان سے لڑتا ہوا اور آگے جاتا، یہاں تک کہ آپ کے سوا روئے زمین پر کسی کی عبادت نہ کی جاتی۔"

اللھم انی لم اخرج بطراء ولا اشرا وانک تعلم انما نطلب السبب الذی طلبه عبدک ذوالقرنین ،وھو ان تعبد، ولا یشرک بک شیئی، اللھم اننا مدا فعون عن دین الا سلام ، فکن لنا ، ولا تکن علینا یا ذا الجلال والا کرام، یا اللہ میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا، اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی "سبب" کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذوالقرنین نے جستجو کی تھی، اور وہ یہ کہ بس دنیا میں تیری عبادت ہو، اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اے اللہ ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں تو ہمارا ہو جا، اور ہمارے خلاف نہ ہو، یاذوالجلال والاکرام۔ (جہانِ دیدہ ص: ۱۰۶ تا ۱۱۰)

عقبہؓ نے بحر ظلمات میں گھوڑے ڈال کر ایک تاریخی جملہ کہا

اٹلانٹک کے کنارے سے حضرت عقبہ قیروان جانے کے لئے واپس ہوئے، راستہ میں ایک جگہ ایسی آئی جہاں پانی کا دور دور نشان نہ تھا، سارا لشکر پیاس سے بیتاب تھا حضرت عقبہؓ نے دو رکعتیں پڑھ کر دعا کی۔ دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ ان کے گھوڑے نے اپنے کھروں سے زمین کھودنی شروع کی، دیکھا تو ایک پتھر نظر آیا، اس پتھر سے پانی پھوٹ نکلا۔

ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضرب کلیم پیدا کر

یہاں سے آگے بڑھ کر حضرت عقبہؓ نے یہ سوچ کر کہ راستہ بے خطر ہے، اپنے

لشکر کے بیشتر حصے کو جلد قیروان پہنچنے کے لئے آگے بھیج دیا، اور خود چند سو سواروں کے ساتھ راستے کے ایک قلعے تھوذا پر یلغار کے لئے روانہ ہو گئے، خیال تھا کہ یہ مختصر نفری اس قلعے کو فتح کرنے کے لئے کافی ہوگی، لیکن قلعہ والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس پر ستم یہ ہوا کہ حضرت عقبہؓ کے لشکر میں کسیلہ نامی ایک بربری شخص جو بظاہر مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عقبہؓ کا دشمن تھا، وہ دشمن سے مل گیا، اور لشکر کے راز دشمن پر ظاہر کر دیئے، جس کے نتیجے میں مسلمان چاروں طرف سے گھر گئے۔ حضرت عقبہؓ نے اس موقع پر اپنے ایک ساتھی ابوالمہاجر کو، جو قید میں تھے، رہا کر کے ان سے کہا کہ "تم دوسرے مسلمانوں سے جا ملو، اور ان کی قیادت کرو، کیونکہ میں شہادت کے لئے اس سے بہتر موقع کوئی اور نہیں سمجھتا" لیکن ابوالمہاجر نے کہا کہ "مجھے بھی شہادت کی تمنا ہے"۔ اور یہ دونوں اپنے ساتھیوں سمیت دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (کامل ابن اثیر ص: ۴۳، ج ۴)

غلام خاندان کی چھیاسی سال حکومت اسلام کا تاریخی کردار

قطب الدین ایبک رحمہ اللہ سے ہندوستان میں جس خاندان سلطنت کی بنیاد پڑی غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، رکن الدین، رضیہ سلطانہ، بہرام شاہ، علاؤ الدین مسعود، ناصرالدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیقباد، کل دس بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ اور ۶۰۳ھ سے ۶۸۹ھ تک چھیاسی سال حکومت کی۔

اس زمانہ میں مصر کے اندر بھی اس قسم کے غلاموں کی حکومت تھی۔ ہندوستان اور مصر کے غلاموں کی شہنشاہی پر غور کرنے سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے تھے اور غلاموں کے لئے اسلام نے کہاں تک ترقی کی راہیں کشادہ رکھی ہیں۔

ہندوستان میں غلاموں کے اس خاندان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن تینوں بادشاہوں نے بیس بیس سال یا اس سے زیادہ مدت تک حکومت کی، تینوں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ مل کر ستر سال ہوتا ہے۔ باقی سولہ سال میں سات بادشاہوں کی حکومت پوری ہوئی۔ (فتوح الہند ص:۲۶۳)

سلطنت غلاماں کی چند تاریخی خصوصیات

(۱) ان غلام سلاطین نے اپنے پورے عہد حکومت میں مفتوحہ علاقے پر حکومت قائم رکھ کر امن وامان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں پوری ہمت صرف کی، نئے ملکوں کو فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔

(۲) اس خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے عہد میں مسلمانوں کے اندر صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے، اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت واہلیت رکھتا تھا، اس کو حکومت کرنے کی آزاد مہلت ملی، اور جو بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نااہل ثابت ہوا، تو فوراً مسلمان سرداروں نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو تخت پر بٹھا دیا۔

(۳) اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک خود مختار بادشاہ بنے۔ قطب الدین کے بعد جب انکی اولاد کو نالائق دیکھا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا، پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اسی طرح پھر بلبن کی اولاد میں قابلیت سلطنت کی نہ دیکھی تو یہ تخت سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔

(۴) اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے لئے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی

مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سند حکومت بھیجی۔ جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کر کے جشن ترتیب دیا۔ یہ سلطان بڑا خدا ترس، رحمدل، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں با جماعت ادا کرتا تھا۔ اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوۃ الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوۃ الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے، حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کے عہد میں منڈاور ضلع بجنور جو قدیم عہد سے بودھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا، اس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کر کے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کر دی تھی۔ ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کر کے قلعہ (منڈاور) کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دیں۔ منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی، جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کے متصل غیر مسقف آج تک موجود ہے۔ (آئینہ ص: ۲۶۰)

(۵) شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا، مگر اس نے فضول خرچی اور بدنظمی شروع کی تو امراء سلطنت نے اس کو معزول کر کے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ اس نے اپنی بہادری اور ہوشمندی سے بہت سی بغاوتوں کو

فرو کیا۔ مگر بعد میں اس کو ہندو فوج اور افسران فوج پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بنا پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۸ھ میں شہید ہوگئی۔ اس کے بعد دو سال معز الدین بہرام شاہ نے پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود نے حکومت کی، یہ بھی معزول کیے گئے۔

(۶) اس کے بعد التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے، اس نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا، تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے۔ ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا، ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کے فرو کرنے ہی میں گزرا۔ یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں کی زرق برق لباس اور جنگی ہتھیاروں سے آراستہ فوج اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سلسلہ میں گزارتے ہوئے اس کو دربار شاہی میں لایا گیا، جہاں سونے چاندی کے جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات و مشائخ و قضاۃ و علماء کی صف تھی، دوسری جانب ان پچیس (۲۵) شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان، ایران و عراق، آذربائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو انہی تاتاری مغلوں کے ہاتھوں برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ایک قطار ہندو راناؤں اور راجاؤں کی تھی جو تخت شاہی کے گرد تھی۔ اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لئے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا، اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔

(۷) اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمودؒ کے صرف آخری چھ سال ۶۵۸ھ سے

۶۶۴ھ تک امن وامان سے گزرے۔ یہ سلطان جیسا کہ امور سلطنت وسیاست میں ماہر اور شجاع وبہادر تھا، ویسا ہی عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار بھی تھا۔

سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر اپنا گزر کرتا تھا۔

(۸) اس کی ایک بیوی تھی، وہ بھی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکانے کے لئے کوئی خادمہ رکھ دیجئے۔ سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں۔ رہا شاہی خزانہ، وہ سب رعایا کا مال ہے۔ میں اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لے سکتا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ ان کی اولاد میں کوئی شخص تخت وتاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا، اس لئے امراء سلطنت نے باتفاق رائے وزیر سلطنت الغ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب دے کر تخت سلطنت پر بٹھایا۔ یہ سلطان التمش کے غلام اور ہم قوم تھے۔ ان کا دور حکومت بھی ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ عدل وانصاف میں کسی بڑے سے بڑے سردار کی پرواہ نہ تھی۔ فسق وفجور اور بے حیائی کے کاموں کا اس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔ نہایت عابد وزاہد متقی بادشاہ تھا۔ علماء کی مجلس میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا تھا اور وعظ ونصیحت سن کر اکثر زار وزار رونے لگتا تھا اس کے ساتھ رعب سلطانی کا یہ عالم تھا کہ (حسب تحریر ضیاء برنی) بڑے بڑے ارباب حکومت جب اس کے دربار میں آتے تو رعب سے مدہوش ہو جاتے تھے۔

(آئینہ حقیقت نما ص:۲۸۳)

صلیبی جنگ کا آغاز اور پاپائے روم کی تاریخی مسلم دشمنی

عیسائیوں کی خود غرضی، ظلم وبربریت اور مجنونانہ حالت سے مسلم دشمنی کا ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہودیوں کی طرح یہ بھی مسلمانوں کے کتنے بڑے دشمن ہیں

۔میں نے مسلم دشمنی کا مختصر اقتباس پیش کیا ہے۔ (از مؤلف)

خلیفہ مستظہر کے زمانے میں جنگ صلیبی کا آغاز ہوا۔کیونکہ عباسی خلفاء جب سے داخلی مملکت کے جھگڑوں میں الجھ گئے ،مہدی، ہارون ،مامون جیسے جاہ وجلال والے خلفاء کا دور ختم ہو چکا تھا۔ان کے اخلاف کی کمزور قوت اور نا اہلی سے اب عباسیہ حکومت کی طاقت بالکل کمزور ہو چکی تھی۔چنانچہ رومی سلطنت نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ ۳۴۹ھ/ ۹۶۰ء کے درمیان نقفور اور جنازیمن کے حملے خصوصی طور سے اہم تھے ،رومیوں کی سرحدات سے متصل اسلامی علاقوں پر خاندان بنی حمدان کا قبضہ تھا۔پوری جدوجہد کے باوجود رومی فوجیوں کے دباؤ کی تاب نہ لا سکے۔یہ فوجیں شام کے ساحلی علاقہ پر قبضہ کرتے ہوئے دریائے فرات کو عبور کرنے لگیں اور خود دارالخلافہ بغداد ان کے حملوں کی زد میں آ گیا۔

عباسی خلیفہ مطیع بہت گھبرایا۔باوجودیکہ نائب سلطان کے کہنے پر اپنے محل کے اسباب تک کو بیچ ڈالا ۔تاہم خلافت کی خوش قسمتی سے اس وقت رومی فوجیں پسپا ہوئیں۔مگر یہ سلسلہ مقابلہ کا ایک عرصہ تک رہا۔سلجوقیوں نے اپنے دور میں رومیوں کو بہت کچھ پامال کیا۔ان کے علاقے چھین لئے ،ان کی قوت سے آس پاس کی حکومتیں لرزہ براندام تھیں۔ملک شاہ سلجوقی نے تمام سرحدی حکومت سے اپنی قوت کے بل پر من مانی شرطیں منوالیں۔مشرقی رومن ایمپائر کا شہنشاہ کسیوس بھی ملک شاہ کے جلال وہیبت سے کانپ رہا تھا۔

ملک شاہ کے مرتے ہی کسیوس نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور مسیحی دنیا کے مشرقی و مغربی حصے کی باہمی رقابت اور مخالفت کو یکسر بھلا کر اپنے قاصد یورپ کے جنگجو اور جنگ آزما بہادروں سے درخواست کی کہ وہ میرا ساتھ دے کر سلطنت کے کھوئے ہوئے وقار اور وسعت کو دوبارہ لوٹا دیں۔

سب سے پہلے شہنشاہ کسیوس کی معاونت کے لئے پطرس راہب اٹھ کھڑا ہوا۔ پطرس فرانس کے شہر ایمبس کا رہنے والا تھا۔ جوانی میں اس نے فوجی نوکری کی، مگر بعد میں تارک الدنیا بن گیا اور راہب کا لقب پایا۔ اس نے بیت المقدس آ کر زیارت کی تھی۔ بغداد بھی گیا تھا۔ کچھ حصہ عالم اسلامی میں پھرا۔ یہاں سے یہ خیال لے کر گیا کہ خون حسین کے نام سے بنی فاطمہ برسراقتدار ہو گئے تو اس نے بھی صلیب کو سامنے رکھا، اور جس طرح بنی فاطمہ، بنی امیہ و بنی عباس کے عیوب اور ظلم بیان کر کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا رہے تھے اسی طرح اس نے جا کر یورپ میں ہنگامی دورہ کیا اور مسلمانوں کے مفروضہ مظالم بیان کئے، اور صلیب کے زیر سایہ آنے کی دعوت دی۔ خلاصہ یہ کہ صلیبی جوش کی آندھی چلی اور بڑی بے ڈھب چلی۔

مشرقی رومی ایمپائر کے شہنشاہ کا ایک قاصد پاپائے روم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ فرینک، جرمن اور انگریز وغیرہ مغربی اقوام کو دعوت دے کر صلیب کی امداد پر آمادہ کرے اور ارض مقدس کو اس کے دشمنوں سے چھڑائے۔ پاپائے روم نے یہ درخواست منظور کی۔ تمام یورپ کو صلیب کے نام پر کھڑا ہونے کا حکم دیا، یہ فتویٰ نائب مسیح بگولہ بن کر سارے مغربی نصرانیوں میں پھیل گیا۔

پھر تو ارض مقدس پر قبضہ کرنے کے عزیز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سارا یورپ تیار ہو گیا۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

یورپ اربن دوم نے ۴۸۸ھ، ۱۰۹۵ء میں فرانس کے شہر کلرموں میں عیسائی دنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب ہو کے کہا۔ ''مسلمانوں کا ظلم بہت بڑھ گیا ہے۔ ان پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے۔''

پوپ کی تقریر نے حاضرین میں مجنونانہ حالت پیدا کردی، چلا اٹھے۔خدا کی مرضی یہی ہے،اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے۔مردوں عورتوں اور بچوں کا ایک انبوہ کثیر پطرس راہب کی قیادت میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

فرانسیسی مؤرخ لیبان نے ''تمدن عرب'' میں ان مقدس صلیبوں کا یہ حال لکھا ہے:

''جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا۔ کاشتکار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے،خاندانوں کی وہ اولاد اصغر جو قانون وراثت کی رو سے محروم الارث تھی۔امراء جنہیں آبادی جائیداد کا حصہ کم ملا اور جنہیں دولت کی خواہش تھی۔راہب جو خانقاہی زندگیوں میں سختیوں سے عاجز آ گئے تھے۔غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی اس مقدس گروہ میں شریک تھے۔

اے جے گرانٹ کے بیان سے اس مقدس صلیبی گروہ کے مذہبی واخلاقی حالت کا یہ نقشہ نظر آتا ہے۔

اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص وہوا اور خودغرضی، ظلم وستم،انتقام ومنافرت اور جنگ وخون ریزی کے عناصر شامل ہو گئے،انہیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت تھی اور غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتار مصیبت ہو گئے۔مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشہ یہ تھا کہ ان بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرنے جارہے تھے،جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی تھی۔

(تاریخ ملت ج:۲ص:۴۰۵تا۴۰۷)

خلافت راشدہؓ اور بعد کی خلافتوں میں تاریخی تقابل

خلافت بنوامیہ اور اس کے بعد قائم ہونے والی دوسری خلافتوں کے مقابلہ میں خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک خلیفہ مسلمانوں کی صاحب الرائے جماعت کے انتخاب سے مقرر ہوتا تھا۔ اگر کسی خلیفہ کو اس کے پیشتر خلیفہ نے پہلے ہی سے نامزد اور تجویز کیا تو یہ نامزدگی اور تعین بھی صاحب الرائے حضرات سے مشورہ لینے کے بعد عمل میں آتا تھا۔ جس میں وراثت اور خاندانی حقوق کو مطلق دخل انداز نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ دوسری خلافتوں میں یہ طرز پسندیدہ نہیں پائی گئی بلکہ وراثت وولی عہدی کی نامعقول رسم جاری ہوگئی۔

خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو معاملات حکومت اور انتظام سلطنت میں دخل دینے، اعتراض کا جواب طلب کرنے، اور مشورہ دینے کا پورا پورا حق حاصل تھا، لیکن بعد کی خلافتوں میں یہ حق مسلمانوں کو نہیں مل سکا۔

خلافت راشدہ میں خلفاء راشدین ﷡ کی حیثیت ظاہری، ان کا لباس، ان کا مکان، ان کی سواری، ان کی خوراک، ان کی نشست برخاست، سب عام لوگوں کی مانند ہوتی تھی ۔ خلیفہ کو دوسرے لوگوں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی، لیکن بعد کی خلافتوں میں خلیفہ کی شان شاہانہ اور دوسروں سے بہت برتر واعلیٰ ہوتی تھی۔ خلافت راشدہ میں خلفاء اپنے اختیار سے ایک پائی بھی اپنی ذات کے لئے یا بلا استحقاق کسی اپنے عزیز و رشتہ دار کیلئے خرچ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بعد کی خلافتوں میں عام طور پر خلیفہ بیت المال کا مالک سمجھا جانے لگا اور اپنے اختیار سے لوگوں کو بلا استحقاق بھی انعام واکرام دیتا اور کوئی اعتراض کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ خلفاء راشدین سب کے سب جلیل القدر صحابہ ﷡ میں سے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ بعد کی خلافتوں میں حضرت امیر معاویہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے سوا کوئی قابل تذکرہ صحابی

خلیفہ نہ تھا۔

خلفاء راشدین ؓ سب کے سب ان لوگوں میں سے تھے جو جنتی ہونے کی بشارت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن چکے تھے، لیکن بعد کی خلافتوں میں ایسے صحابہ نہیں پائے گئے۔ مسلمانوں کو اپنی اولاد سمجھ کران پر شفقت فرماتے تھے۔ مسلمانوں کو اپنا غلام نہیں جانتے تھے، اوران سے غلاموں کی طرح اپنے احکام کی تعمیل نہیں کراتے تھے، بعد کی خلافتوں میں اس کے برعکس اور حالات پیدا ہوئے اور خلفاء نے اپنے آپ کو قیصر و کسریٰ کا نمونہ بنا کر ظاہر کیا، خلفائے راشدین کی حکومت و سلطنت دنیوی اعتبار سے قیصر و کسریٰ کی طرح قہر و جبر کی حکومت نہ تھی۔ دینی معاملات میں بھی وہ بہ اختیار خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب کسی دینی مسئلہ میں اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا تو دوسرے صحابہؓ کو بلا کران سے دریافت کرتے، اور جو بات آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوجاتی اسی کے موافق احکام جاری کرتے۔ اگر کسی دینی معاملہ میں ان سے غلطی ہوجاتی اور بعد میں ان کو اپنی غلطی کا احساس وعلم ہوتا تو فوراً اس کی اصلاح کر لیتے تھے۔

غرض دینی و دنیوی ہر دو پہلوؤں میں ان کی سیادت وحکومت آج کل کی جمہوری حکومتوں کے صدر اور آج کل کے دینی علماء کی سیادت وحکومت سے بھی بہت ہی کم تھی۔ ان کا کام شریعت کے احکام کا نفاذ اور امن وامان کا قائم رکھنا تھا۔ ان کے زمانے میں لوگوں کو ہر قسم کی جائز آزادی حاصل تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں ہر شخص ان سے جواب طلب کر سکتا تھا۔

ان کو اپنے احکام کے نافذ کرنے کے لئے کسی طاقت اور فوج کی ضرورت نہ تھی بلکہ ہر شخص ان کے حکم کو چاہے وہ اس کے خلاف ہو، خود ہی اپنے اوپر جاری اور صادر کر لیتا اور اس کی تعمیل کرتا تھا، جو دلیل اس امر کی ہے کہ ان کی حکومت محبت وعقیدت کی بنیاد پر قائم تھی۔ خوف ودہشت اور قہر وجبر کے ذریعہ قائم نہ تھی۔ لیکن بعد کی خلافتوں میں

احکام شرع کے نفاذ کے قیام کا کام خلفاء نے خود چھوڑ کر مولویوں، مفتیوں اور قاضیوں کے سپرد کر دیا۔

مساجد کے خطیب و امام الگ مقرر ہوئے۔ فوج اور خزانے کا اختیار اپنے قبضہ میں رکھ کر ان دونوں قوتوں کا استعمال مطلق العنان ہو کر شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت و سلطنت، قہر و جبر، خوف و دہشت پر قائم ہوئی۔ لوگوں کی جائز آزادی چھن گئی، مذہبی احکام کے نفاذ و قیام میں بھی افہام و تفہیم اور رفع شکوک کی جائز آزادی لوگوں سے سلب ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ آج کسی شخص کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک معمولی نواب یا رئیس کی جس قدر ہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری ہے اور وہ جس قدر اس کی تعظیم و تکریم بجالانا ضروری سمجھتے ہیں، خلفاء راشدین ﷺ کی اس قدر ہیبت اور اس قدر تعظیم و تکریم خوف و دہشت کی وجہ سے کسی کے قلب پر طاری نہ تھی، ان کی ہیبت و عظمت شفیق استاذ اور والدین کی ہیبت و عظمت کے مانند تھی۔

شیر مردم، درنا مردم کش کی مانند نہ تھی، آج ایک صوفی، ایک مفتی ایک جبہ پوش مولوی کے قول و فعل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لوگ جس قدر ڈرتے اور خوفزدہ ہوتے ہیں خلفائے راشدین کے قول و فعل پر اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو لوگ آزادانہ اعتراض اور نکتہ چینی کرتے تھے۔

خلفائے راشدین ﷺ ملکوں کے محاصل اور مال غنیمت کی آمدنی کو خزانہ میں ذخیرہ رکھنے کے عادی نہ تھے۔ جس قدر مال و دولت آتی وہ سب مسلمانوں کو تقسیم کر دیتے یا مسلمانوں کی بہتری کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بیت المال کا تمام مال خرچ کر کے بیت المال میں جھاڑو دلوا دیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں قائم ہونے والی خلافتوں کی حالت اس کے خلاف رہی۔

خلفائے راشدین ﷺ ہمیشہ حج کے لئے جاتے اور وہاں عالم اسلام کے ہر حصے اور گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملتے اور ان کی ضرورتوں اور شکایتوں سے واقف ہو کر وہاں کے عاملوں کی قابلیت اور نا قابلیت سے واقف ہوتے۔ضروری احکام جاری کرتے اور اس طرح حج کے موقع پر عظیم الشان اجتماع سے فائدہ اٹھا کر اپنے فرائض کو پورا کرتے۔اگر کسی ضروری کام یا مجبوری کی وجہ سے خود حج کے لئے نہ جا سکتے تو اپنا قائم مقام بھیج کر ان ضرورتوں کو پورا کر لیتے تھے۔لیکن خلافت راشدہ کے بعد حج کے اجتماع عظیم سے خلفاء نے یہ فائدہ اٹھانا ترک کر دیا۔

خلفائے راشدین ﷺ دارالخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور جمعہ کا خطبہ بیان فرماتے تھے،لیکن بعد میں صرف خلافت بنوامیہ کے اندر یہ رسم باقی رہی۔ان کے علاوہ باقی خلافتوں میں خلفاء نے نمازوں کی امامت اور جمعہ کے خطبے دوسرے کے ذمے ڈال دیئے۔

خلفاء راشدین ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر الگ الگ مذہبی فرقے اور جماعتیں قائم نہ تھیں۔آپس میں اختلاف بھی ہوتا تھا،لیکن دین وملت اور عقائد کے معاملے میں اس گروہ بندی کا نام ونشان بھی نہ تھا جو بعد میں پائی گئیں۔اور آج شیعہ، سنی، وہابی، حنفی، شافعی، قادری، چشتی، وغیرہ سینکڑوں فرقے اپنی الگ الگ حیثیتیں قائم رکھنے پر مُصِر نظر آتے ہیں۔

خلفائے راشدین ﷺ کے زمانے میں مذہب اور شریعت کے مقابلے میں کسی رشتہ داری،قومیت،ہم وطنی وغیرہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی کی پرواہ نہیں کرتا،باپ بیٹے کی رعایت ضروری نہیں سمجھتا۔جبکہ دین وملت کا معاملہ درمیان میں آجائے۔ہر شخص کو رائے کی آزادی حاصل تھی۔خلیفہ کو سر منبر معمولی طبقہ کا آدمی روک اور ٹوک سکتا تھا ۔بعد میں رائے کی یہ آزادی اور

دین وملت کی یہ پاسداری کم ہوگئی تھی۔ خلفائے راشدینؓ اپنے آپ کو مسلمانوں کا چرواہا اور چوکیدار سمجھ کران کی پاسبانی کرتے، خلفاء راشدینؓ کو مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا خیال سب سے زیادہ تھا۔ وہ اعلاء کلمتہ اللہ اور اجراء احکام شرع کے سب سے زیادہ خواہاں تھے لیکن ملک گیری ان کا نصب العین نہ تھا۔ تاریخ اسلام ج:۱ص:۴۴۹ تا ۴۵۱)

زاہد آہو پوش کی ایک تاریخی کرامت

بعض مورخین احمد حسین کے توسط سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سلطان محمود اپنے باپ سبکتگین کے ساتھ ابوعلی سجوری کی تباہی اور بربادی کے در پے تھا۔ ان دنوں اس نے ایک مقام پر یہ سنا کہ یہاں قریب ہی ایک فقیر مقیم ہے، جو اپنی عبادت اور کرامت و پرہیز گاری کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بہت ہی مشہور ہے، عام طور پر لوگ اس فقیر کو زاہد آہو پوش کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ محمود کو تو فقیروں اور درویشوں سے ہمیشہ ہی عقیدت رہی تھی، اس لئے اس نے زاہد آہو پوش سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکیا۔ احمد حسین کو اگرچہ صوفیوں اور درویشوں وغیرہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا، لیکن سلطان محمود نے اس سے کہا مجھے معلوم ہے کہ تمہیں درویشوں وغیرہ سے عقیدت اور محبت نہیں ہے، لیکن میری یہ خواہش ہے کہ زاہد آہو پوش کی خدمت میں تم بھی میرے ساتھ چلو۔ احمد حسین نے محمود کی بات مان لی اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں زہد آہو پوش کے پاس پہنچے۔ سلطان محمود اس مرد درویش سے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ ملا۔ اس زاہد نے بھی محمود کے سامنے تصوف کی چند عمدہ باتیں بیان کیں جنہیں سن کر محمود اور زیادہ اس کا معتقد ہوگیا۔ اور اس سے کہا۔ ملازمین خانقاہ کے لئے آپ کو روپیہ پیسہ یا غلہ وغیرہ جس قدر بھی درکار ہو، فرمائیں، میں ابھی مہیا کیے دیتا ہوں ، زاہد آہو پوش نے یہ بات سن کر فوراً اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحے مٹھی بھر اشرفیاں سلطان محمود کے ہاتھ میں دے دیں اور اس سے کہا۔ ''جس شخص کو خزانہ غیب

سے ہر وقت دولت مل سکتی ہو اسے دوسرے کے مال کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

سلطان محمود نے زاہد آہو پوش کی اس حرکت کو بہت بڑی کرامت سمجھا اور ان اشرفیوں کو احمد حسین کے حوالے کر کے کہا، تم نے دیکھا............ فقیروں کو ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ احمد حسین نے ان اشرفیوں کو غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ تمام اشرفیاں ابوعلی سجوری کا سکہ ہیں۔ جب زاہد آہو پوش سے ملاقات کرنے کے بعد محمود اور احمد حسین باہر آئے تو محمود نے کہا۔ بھلا اس قسم کی چشم دید کرامتوں سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟ احمد حسین نے جواب میں کہا، میں اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں، اس سلسلے میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ آپ کو کسی ایسے شخص سے جنگ نہیں کرنی چاہئے کہ جس کے نام کا سکہ آسمان پر بھی جاری ہو۔ محمود نے جب ان اشرفیوں کو دیکھا، اور ان پر اسے ابوعلی سجوری کا نام نظر آیا تو وہ ندامت سے خاموش ہو گیا۔

مؤرخ فرشتہ یہ بیان کرتا ہے کہ احمد حسین کی بات صحیح نہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت خضر اور دوسرے رجال الغیب خدائے تعالیٰ کے حکم سے روحانی اور مادی دونوں دنیاؤں کی چیزیں بوقت ضرورت اولیاء اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان اشیاء کا اس طرح پہنچانا شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ جب سلطان مسعود تخت نشین ہوا، تو اس نے احمد حسین پر الزام لگایا کہ جب وہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا۔ تو وہ مصر کے مشہور کافر بادشاہ کا خلعت پہن کر قرمطی ہو گیا تھا۔ اس الزام کی سزا احمد حسین کو موت کی صورت میں دی گئی۔ (تاریخ فرشتہ ج:۱ص:۱۵۴)

ایاز رحمہ اللہ نے زلفیں کاٹ لیں تاریخی فرمانبرداری

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ایک رات عشق مجازی کے جذبے کے تحت سلطان محمود نے ایاز پر نظر ڈالی، چونکہ محمود پر خداوند تعالیٰ کی رحمت سایہ کیے ہوئے تھی۔ اس لئے فوراً ہی شرعی احکام نے اسے ٹوکا اور اس پاک عشق کو فسق و فجور کی آلودگی سے پاک

رکھنے کی ہدایت کی۔ محمود فوراً خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور اس نے ایاز کو ایک چاقو دیا اور کہا کہ اس سے فوراً اپنی راہزن زلفوں کو تراش ڈال، (کہ جنھوں نے مجھے عشق مجازی کی آلودگی میں پہنچا دیا)۔ ایاز نے پوچھا، ان زلفوں کو کس حد تک تراشوں؟ محمود نے کہا "بالکل کاٹ دے" اس پر ایاز نے بادشاہی حکم کے تحت اپنی زلفوں کو اسی وقت کاٹ دیا، اس فرمانبرداری کیوجہ سے محمود کے دل میں ایاز کی محبت پہلے سے دوگنی ہو گئی اور اس نے ایاز کی اس فرماں برداری کے عوض بہت سے قیمتی جواہرات بطور تحفہ دیئے اور خود اسی عالم مستی میں جا کر سو گیا۔

محمود جب صبح کو سو کر اٹھا تو اسے رات کا واقعہ یاد آیا اور اس نے ایاز کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر اسے سخت شرمندگی ہوئی۔ اس وجہ سے وہ بڑا بے چین رہا۔ درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ محمود سے حقیقت حال پوچھتا۔ حاجب علی نے اس وقت عنصری کو بادشاہ کے سامنے جانے کے لئے کہا، عنصری محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمود نے عنصری کو کہا "تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میری عالت کیا ہے، اس وقت تم میرے حال کے مناسب کچھ نظم کہو"۔ عنصری نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

امروز که زلف یار در کاستن است
چه جائے بغم نشتین و خاستن است
روز طرب و نشاط دمے خاستن است
کار استن سروز پیرا ستن است

یہ رباعی سن کر سلطان محمود بہت خوش ہوا۔ اور عنصری کا منہ جواہرات سے تین مرتبہ بھرا۔ (تاریخ فرشتہ ج:۱ص:۱۵۶)

ابودلامہ کی امیر المؤمنین سے مذاق پر مبنی تاریخی گفتگو

ابودلامہ، امیر المؤمنین مہدی کے پاس آیا، تو اس نے اسے کہا، اپنی حاجت کا مجھ

سے سوال کرو، اس نے کہا، یا امیر المومنین! مجھے ایک کتا دے دو، اس نے ناراض ہو کر کہا، میں تجھ سے کہتا ہوں اپنی حاجت کا مجھ سے سوال کرو اور تو کہتا ہے مجھے کتا دے دو؟ اس نے کہا یا امیر المومنین حاجت مجھے ہے یا آپ کو؟ اس نے کہا تجھے ہے، اس نے کہا میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایک شکاری کتا دے دیں، تو اس نے اسے شکاری کتا دے دینے کا حکم دے دیا۔ اس نے کہا، یا امیر المؤمنین! اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ تو اس نے اسے ایک غلام دینے کا حکم دیا، اس نے کہا یا امیر المؤمنین! فرض کیجئے، میں نے ایک شکار کیا ہے اور اسے گھر لایا ہوں، اسے کون پکائے گا؟ تو اس نے اسے ایک لونڈی دینے کا حکم دیا، اس نے کہا، یا امیر المؤمنین یہ لوگ صحرا میں رات گزاریں گے؟ تو اس نے اسے ایک گھر دینے کا حکم دیا۔ اس نے کہا، یا امیر المؤمنین! آپ نے میری گردن میں کچھ عیال کی ذمہ داری ڈال دی ہے، میں ان کی خوراک کا انتظام کہاں سے کروں گا؟ اس نے کہا میں نے تجھے ایک ہزار آباد جریب دی اور ایک ہزار غیر آباد جاگیر دی۔ اس نے کہا، میں امیر المؤمنین کو جنگل میں ایک لاکھ جریب کی جاگیر دیتا ہوں۔ لیکن میں امیر المومنین سے ایک ہزار جریب کے مقابلہ میں ایک آباد جریب مانگتا ہوں، اس نے پوچھا کہاں سے؟ اس نے کہا بیت المال سے، مہدی نے کہا، مال کو منتقل کر دو۔ اور اسے ایک جریب دے دو، اس نے کہا یا امیر المومنین جب مال اس سے منتقل کر دیا جائے گا تو وہ بے آباد ہو جائے گا، تو وہ ہنس پڑا۔ اور اس نے پوچھا، کیا تمہاری کوئی حاجت باقی ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ مجھے اپنے ہاتھ کو بوسہ دینے کی اجازت دیں۔ اس نے کہا تمہارے لئے اس کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ اس نے کہا قسم بخدا، آپ نے تو اس سے کم تر حاجت بھی مجھ سے نہیں روکی۔

(ابن خلکان ج ۲ ص: ۲۷۲)

خلیفہ منصور کے عام معافی سے متعلق دو تاریخی واقعے

ابو العباس سفاح کے بعد ان کے بھائی ابو جعفر منصور خلیفہ ہوئے، ان کا زمانہ خلافت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ ہے، سخت و نرم دونوں مزاج رکھتا تھا، ان کی نرمی کے دو اہم واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔ (از مؤلف)

(۱) اس نے رعایا کو اتنی آزادی دے رکھی تھی کہ معمولی آدمی اسے اعلانیہ ٹوک دیتے تھے، ایک مرتبہ وہ خطبہ دے رہا تھا، اور خدا کی حمد شروع کی تھی کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا، امیر المومنین آپ جس خدا کا ذکر کر رہے ہو اسے میں آپ کو یاد دلاتا ہوں، منصور نے کہا مرحبا، تم نے بڑی جلیل القدر ذات کو یاد اور بڑی عظیم ہستی کا خوف دلایا، میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرا شماران لوگوں میں ہو کہ جب ان کو خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تو ان کی نخوت اور ان کا غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے، پند و موعظت ہمارے ہی گھر سے شروع ہوئی ہے اور ہمارے ہی یہاں سے نکلی ہے، اس لئے ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت تمہارا مقصود صرف یہ ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ اس شخص نے خلیفہ پر اعتراض کیا اور اس کے بدلہ میں اس کو سزا دی جائے، یہ بہت پست مقصد ہے میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ (تاریخ خطیب ج:۱۰ص:۵۶)

(۲) (دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ اگرچہ) وہ سخت گیر تھا لیکن اکثر باغیوں کو بھی معاف کر دیتا تھا، قطن بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کے خروج میں ان کے ساتھ ہو گیا، ان کے قتل کے بعد منصور کے خوف سے چھپا چھپا پھرتا تھا۔ اس زندگی سے تنگ آکر میں نے امیر ابو عمرو بن العلاء سے مشورہ کیا۔ ''کہ میں منصور کے پاس جا کر اپنی خطاؤں کا اعتراف کرلوں'' انہوں نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر تم گئے تو ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے، لیکن میں بہت عاجز ہو چکا ہوں، اس لئے ابو عمرو کا مشورہ قبول نہ کیا اور بغداد جا کر وزیر دولت ربیع بن یونس کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اس نے

حراست میں لے لیا، اس وقت مجھے ابوعمرو کا مشورہ نہ قبول کرنے پر ندامت ہوئی، اس کے بعد مجھے قصر خلافت پہنچا دیا گیا اور پھاٹک بند کر دیئے گئے، اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا، ظہر کے وقت ایک خواجہ سرا وضو کے لئے پانی اور کھانا لایا، وضو کر کے میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور روزہ کا عذر کر کے کھانا واپس کر دیا، اس طریقہ سے عصر اور مغرب کا وقت گذرا، رات کے وقت جب محل کا پھاٹک بند ہونے لگا تو مجھے اپنی زندگی سے بالکل مایوسی ہوگئی اور آنکھوں سے نیند اڑ گئی، آدھی رات گئے ایک خواجہ سرا آ کر مجھے لے گیا اور میں منصور کے حضور میں پیش کیا گیا، اس وقت صرف وہ اور ربیع بن یونس تھے، مجھے دیکھ کر منصور نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا، کہو کیا ہے؟ میں نے عرض کی۔ یا امیر المومنین میں قطن بن معاویہ ہوں، جس نے حضور کے خلاف اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں، آپ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی، ان جرائم کے بعد اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو آپ اس کے اہل ہیں، اور اگر سزا دینا چاہیں تو میرے چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلہ میں قتل کر سکتے ہیں۔ منصور نے پھر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سر اٹھا کر کہا، کیا کہتے ہو؟ میں نے پھر اپنے جرائم دہرائے، منصور نے کہا، امیر المومنین نے تمہیں معاف کیا، یہ سن کر میرا حوصلہ بڑھا میں نے عرض کی حضور کے دروازے سے اس حال میں واپس جاؤں گا کہ میری جائیداد اور میرا گھر ضبط ہے، اس لئے اگر رائے عالی ہو تو اس کی واگذاری کا بھی حکم ہو جائے، منصور نے اسی وقت عبدالملک بن ایوب والی بصرہ کے نام یہ حکم لکھوا دیا کہ امیر المومنین قطن بن معاویہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کی جائیداد گھر اور جو کچھ ضبط کیا گیا ہو سب واپس کر دیا جائے، یہ حکم لے کر میں بصرہ پہنچا اور حکم نامہ عبدالملک کے حوالہ کیا، اس نے فوراً میری پوری املاک واگذار کر دی۔

(تاریخ خطیب ج:۱۰ص:۵۹،۶۰)

استنبول کے عجائب گھر میں تاریخی نوادر

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے لکھا ہے کہ ہم ...... حضرت تبرکات کے کمرے سے نکل کر ایک اور قصر میں داخل ہوئے جو بہت سے کمروں پر مشتمل تھا، ہر کمرہ بیش قیمت نوادر سے بھرا ہوا تھا۔ ایک کمرے میں مختلف سلاطین کے لباس اور اسلحہ محفوظ ہیں، ان لباسوں میں خاص طور پر سلطان محمد فاتح کی ایک عبا بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ سلطان مصطفیٰ سوم کا فولادی لباس جس پر سونا چڑھا ہوا ہے اور سلطان مراد کا بیش قیمت اسلحہ بطور خاص قابل ذکر ہے۔

میں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہم العالی کے سفرنامہ ترکی میں پڑھا تھا کہ۔

''بعض واقفین کا کہنا ہے کہ اگر ترکی کسی زمانے میں دیوالیہ ہو جائے تو اس عجائب خانے (توپ کاپے) کا سونا کچھ مدت تک پورے ملک کا خرچ چلا سکتا ہے۔

(دو ہفتے ترکی میں۔ ص: ۵۷)

یہ پڑھتے وقت بادی النظر میں یوں معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے شاید انہوں نے ضرورت سے زیادہ مبالغہ کر دیا ہے، لیکن ''توپ کاپے'' کا یہ حصہ دیکھ کر جو شاہی نوادر پر مشتمل ہے واقعتہً اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور خیال یہ ہوا کہ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ غالباً سونے، چاندی، جواہرات، مرصع ظروف اور بیش قیمت اشیاء کا اتنا نادر، اتنا قیمتی اور اتنا بڑا ذخیرہ دنیا کے کسی عجائب گھر میں نہیں ہوگا۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا ندوی مدظلہم سلاطین آل عثمان نے صدیوں متمدن دنیا کے غالباً سب سے بڑے حصے پر حکومت کی ہے، بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑے بڑے سلاطین ان کے باج گذار اور زیر اثر رہے ہیں، اور وہ سب سلاطین آل عثمان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے تملق کی حد تک سلاطین آل عثمان کو بیش

قیمت تحفے بھیجتے رہے ہیں، یہ تمام تحفے اور خود سلاطین آل عثمان نے اپنے شوق سے اپنے اور اپنی بیگمات کے لئے جو قیمتی چیزیں تیار کیں وہ سب یہاں محفوظ ہیں۔

سلطان سلیم نے ایران کے شیعہ بادشاہ اسماعیل صفوی کو شکست دی تھی، اور اس کا شاہی تخت ایران سے استنبول لے آیا تھا۔ یہ تخت بھی یہاں محفوظ ہے، تخت کیا ہے۔؟ ہیرے جواہرات کا خزانہ ہے۔ اس تخت کے بارے میں لکھا ہے کہ دنیا بھر میں اس کی کوئی نظیر آج بھی موجود نہیں ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انسانی صنعت کا یہ شاہکار کمرے میں داخل ہوتے ہی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتا ہے اور میں نے فرنیچر کے قبیل سے کوئی انسانی صنعت اتنی حسین نہیں دیکھی۔ عموماً ہیرے جواہرات سے مرصع اشیاء اتنی بوجھل ہو جاتی ہیں کہ ان کا حسن محفوظ نہیں رہتا، لیکن باوجود یکہ اس تخت میں شاید کوئی انچ جگہ بھی جواہر سے خالی نہیں ہے، لیکن انہیں اس نزاکت اور خوبصورتی سے تراشا گیا ہے کہ بس انسان دیکھتا ہی رہ جائے۔

سلطان عبدالمجید کے زمانے کا ایک فوارہ نظر آیا۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے، ہر حصے میں ۴۸ خالص سونا خرچ ہوا ہے، گویا پورے فوارے میں چھیانوے کیلوگرام سونا موجود ہے اور اس کے مختلف حصوں میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔

خالص سونے کے بنے ہوئے کئی بڑے بڑے شمع دان نظر آئے جن میں سے ایک ایک پر کم از کم بیس بیس سیر سونا صرف ہوا ہوگا۔

الماس اور ہیرے کا اس سے پہلے نام ہی سنا تھا، لیکن کبھی اصلی ہیرا دیکھنے کی نوبت نہ آئی تھی، یہاں ایک بہت بڑا حسین اور تاریخی ہیرا بھی دیکھا جو چمچے کی طرح مخروطی گولائی لئے ہوئے ہے، اور ''کشک چہ الماسی'' کہلاتا ہے، یہ ۸۶ قیراط کا ہے۔ اور اس کے گرد سونے کا نہایت حسین فریم ہے، یہ ہیرا اس قدر تابدار ہے کہ بالکل ایسا

معلوم ہوتا ہے جیسے ایک چینی کے انتہائی شفاف گلوب میں کوئی نظر نہ آنے والا بلب روشن ہو، اس کی چمک کا عالم یہ ہے کہ اگر اس کی شعاعوں کو سیدھے زاویے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھا جائے تو آنکھ خیرہ ہو جائے۔ یہ ہیرا کسی ہندوستانی مہاراجہ کا تھا۔ ایک فرانسیسی جرنیل اسے خرید کر فرانس لے گیا، وہاں اس سے مشہور فرانسیسی فاتح نپولین بونا پاٹ کی ماں نے خرید لیا۔ نپولین اس وقت جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا، اور اسے اس مصیبت سے چھڑانے کے لئے بڑی رقم کی ضرورت تھی، لہٰذا نپولین کی ماں نے یہ ہیرا ایک ترکی جرنیل علی پاشا کو ڈیڑھ سوملین (پندرہ کروڑ) میں بیچ دیا، وہاں سے یہ عثمانی خزانے میں آیا، اور بالآخر اس عجائب گھر کی زینت بنا۔

سلطان محمد کا ایک خنجر بھی دیکھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے قیمتی خنجر ہے، یہ بھی ہیرے جواہرات سے مرصع ہے، اس میں تین زمرد بھی لگے ہوئے ہیں اور اس کے قبضے کے اوپر ایک ڈھکن دار گھڑی بنی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ ایک کمرہ ان شاہی تحفوں اور تمغوں کے لئے وقف ہے، جو وقتاً فوقتاً یورپ کی مختلف سلطنتیں عثمانی خلفاء کو بطور ہدیہ بھیجتی رہیں۔ ان میں اکثر اشیا بھی سونے اور جواہر سے مرصع ہیں۔ ان میں بیش قیمت تمغے، سنگھار دان، شمع دان، اسلحہ، ڈبے، برتن، زیورات، وغیرہ شامل ہیں۔

صفوی تخت کے علاوہ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اور بھی بہت سے بادشاہوں کے تخت یہاں موجود ہیں، جن میں نادر شاہ سلطان احمد اول وغیرہ کے تخت بھی شامل ہیں، ان میں سے بعض مکمل سونے سے ڈھلے ہوئے ہیں اور جواہرات سے مرصع ہیں۔

غرض اس عجائب گھر میں واقعۃً ایسے نوادر جمع ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا تعارف ایک مستقل مضمون چاہتا ہے، اور اس لحاظ سے جس کسی نے یہ کہا تھا کہ ترکی دیوالیہ ہونے پر کچھ عرصے توپ کاپے کے نوادر سے کام چلا سکتا ہے، اس نے بظاہر غلط

نہیں کہا تھا۔

یہ عجائب گھر بیشک سیاحوں اور تاریخ دانوں کے لئے ایک دلچسپ تماشا گاہ ہے لیکن اس سے زیادہ ایک عظیم عبرت گاہ بھی ہے، وہ مال و دولت اور شان و شکوہ جس کے لئے تاریخ میں انسان، انسان کے گلے کاٹتا رہا، جس کے لئے اس کی ساری توانائیاں وقف رہیں، جس کی خاطر اس نے لڑائی جھگڑے مول لیے، ان میں سے کوئی چیز اس کے ساتھ نہ جاسکی، وہ جب دنیا سے گیا تو خالی ہاتھ تھا، دنیا کی یہ ساری چمک دمک دوسروں کے ہاتھ آئی، اور بالآخر سیاحوں کی تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔ یہ وہ ناقابل فراموش حقیقت ہے جسے انسان ہمیشہ فراموش کر جاتا ہے، اور اگر زندگی کے منصوبے بناتے وقت انسان یہ سامنے کی حقیقت یاد رکھ لیا کرے تو یہ دنیا جو جھگڑوں اور ناانصافیوں کا جہنم بنی ہوئی ہے، امن و عافیت اور سکون و اطمینان سے گل و گلزار ہو جائے۔ (جہان دیدہ ص: ۳۴۰ تا ۳۴۳)

خلیفہ منصور کی دانشمندانہ گفتگو اور تاریخی وصیت

خلیفہ ابو جعفر منصور اپنے بیٹے......... مہدی سے کہا کرتا تھا کہ حکومت صرف تقویٰ سے درست ہو سکتی ہے، رعایا اطاعت سے اور ملک عدل و انصاف سے آباد ہو سکتا ہے، جو شخص عفو و درگذر پر قادر ہے دراصل وہی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

سب سے کمزور وہ انسان ہے جو اپنے زیر دست پر ظلم کرتا ہے، اپنے ساتھیوں کے کاموں کی اچھائی برائی کو جانچو اور اس کے مطابق ان کو اس کے ترک و اختیار کرنے کا مشورہ دو، کسی ایسی مجلس میں نہ بیٹھو جس میں اہل علم نہ ہوں، جو شخص اپنے کو محمود اور مقبول بنانا چاہتا ہے۔ اسے سیرت درست کرنی چاہئے، اور جو تعریف کو برا سمجھتا ہے اسے سیرت بگاڑنی چاہئے، ایسا شخص ہمیشہ مذمت کا ہدف اور لوگوں میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہے گا، عاقل وہ نہیں ہے جو مشکلات میں پڑنے کے بعد اس سے رہائی کی تدبیر کرے،

بلکہ عاقل وہ ہے جو ایسی تدبیر کرے کہ مشکلات پیش ہی نہ آئیں۔

(ابن اثیر ج:۸ص:۱۰)

اس کی پالیسی کا اندازہ اس وصیت نامہ سے ہوتا ہے جو اس نے مرتے وقت مہدی کے لئے لکھا تھا، یہ وصیت نامہ حسب ذیل ہے۔

''بیٹا! محمد ﷺ کی امت کی حفاظت کرنا، اس کے بدلہ میں خدا تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا، حرام خونریزی سے ہمیشہ بچنا کہ یہ خدا کے نزدیک گناہ ہے اور دنیا میں بھی ایسا عار ہے جو کبھی نہیں مٹتا، حلال کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے آخرت میں بھی ثواب ہے اور دنیا میں بھی بھلائی ہے، اعتدال سے نہ بڑھنا کہ اس میں ہلاکت ہے، اگر خدا کو حدود کے علاوہ کوئی دوسری چیز معلوم ہوتی جو اس کے مذہب کے لئے زیادہ موزوں اور اس کے گناہوں پر متنبہ کرنے والی ہوتی تو اپنی کتاب میں ضرور اس کا حکم دیتا، خدا کا غضب سب سے زیادہ بادشاہت کے لئے تیز ہے، اس لئے اس نے ایسے شخص کے لئے جو زمین میں فساد پھیلائے دونے عذاب اور عقاب کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا، الخ

پس بیٹا! بادشاہت خدا کی حبل متین اس کا عروۃ الوثقیٰ اور دین قیم ہے، اس کی حفاظت کرنا، اسے مضبوط کرنا، اس کے لئے مدافعت کرنا، اس میں رخنہ ڈالنے والوں کو سزا دینا، اس سے بھاگنے والوں کی بیخ کنی کرنا اور اس سے نکلنے والوں کو عذاب دے کر قتل کرنا، لیکن خدا نے قرآن میں جو حکم دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرنا، عدل کے ساتھ حکومت کرنا، اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا، کیونکہ یہ باتیں شوروفتن کو روکنے والی اور دشمن کو تباہ کرنے والی اور کارگر دوا ہیں۔ (طبری بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ج:۳)

راجہ جے پال نے خود کو آگ میں کیوں جلایا دلچسپ تاریخی حقائق

۳۶۷ھ میں سلطان ناصرالدین سبکتگین تخت غزنی کے حاکم وامیر مقرر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے قرامطہ کے استیصال پر اپنی پوری قوت خرچ کی، سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر راجہ جے پال نے غزنی پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مگر جب سلطانی افواج مقابلہ پر آئی تو جے پال نے محسوس کرلیا کہ ہم گرفتار ہو جائیں گے ،فوراً امیر ناصرالدین سبکتگین کی خدمت میں درخواست معافی وامان پیش کی، اور وعدہ کیا کہ لاہور واپس ہو کر بہت سا چاندی سونا بطور جرمانہ کے آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سلطان نے باوجود مخالفت بعض امراء دولت کے اس کی درخواست کو منظور کرلیا۔ مگر جے پال نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہی عہد شکنی کی اور پھر تمام ہندوستانی راجاؤں کے پاس ایلچی بھیج کر ان کو غزنی سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان سب راجاؤں کے تعاون واشتراک سے تین لاکھ لشکر جرار اور بہت سے ہاتھی لے کر جے پال نے دوبارہ سلطنت غزنی پر حملہ کیا۔ مقام لمغان پر جس کو اب جلال آباد کہا جاتا ہے یہ معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی جے پال اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگے، اور اب ہندوستان آ کر پورے ہندوستان کی طاقتوں اور ہندو عوام کو ملا کر سلطنت غزنی کے ختم کر دینے کا منصوبہ گانٹھا۔ اسی عرصہ یعنی ۳۸۷ھ میں امیر ناصرالدین سبکتگین بلخ کے قریب فوت ہو گئے اور تخت غزنی پر اول ان کے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل اور پھر تقریباً چھ ماہ بعد بڑے بیٹے سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوئے، اور ان کو تخت نشین ہوتے ہی بخارا، آذربائیجان اور فارس کی بغاوتیں اور قرامطہ کے فتنہ کا استیصال کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑا، جس میں تین سال لگ گئے۔ اس عرصہ میں جے پال نے اپنی فوجی قوت بڑھانے اور سامان جنگ فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اور بالآخر شوال ۳۹۱ھ میں تین سو ہاتھی، دس بارہ ہزار سوار اور تیس چالیس ہزار پیادوں کا لشکر جرار لے کر تیسری مرتبہ

غزنی پر حملہ کے لئے چلا۔ دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اس طرف سلطان محمود غزنوی اس کے حملہ کی خبر پا کر صرف دس ہزار لشکر کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ پشاور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر اس مرتبہ بھی جے پال کا لشکر پانچ ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر اور جے پال کو مع پندرہ سرداروں کے گرفتار کرا کر لاہور کی طرف بھاگا۔ جے پال نے گرفتار ہونے کے بعد سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''اس مرتبہ میری خطا اور معاف کی جاوے اور مجھ کو چھوڑ دیا جاوے، میں اب تازیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا، اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا اور سالانہ خراج بلا عذر بھیجتا رہوں گا۔''

(آئینہ حقیقت نما ص:۱۵۹)

سلطان محمود نے انتہائی شرافت سے راجہ کی استدعا کو قبول کیا اور غزنی سے لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ پشاور کے میدان میں ۶ محرم ۳۹۲ھ کو محمود نے فتح پائی اور جے پال گرفتار ہوا اور آٹھ ماہ قید رہنے کے بعد شعبان ۳۹۲ھ کو غزنی سے رخصت ہوا۔ لاہور پہنچا تو اپنے بیٹے انند پال کو جو میدان پشاور سے بھاگ نکلا تھا، تخت لاہور کا فرمانروا پایا۔ بیٹے نے باپ کے لئے تخت خالی کرنا چاہا مگر جے پال نے انکار کر دیا اور انند پال کو محمود کی مخالفت نہ کرنے اور سالانہ خراج بھیجتے رہنے کی وصیت کر کے خود اپنے مذہبی عقیدے کے موافق (جو راجہ دو مرتبہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے اس کو جل مر جانا چاہئے)۔ آگ میں جل مرا۔

(آئینہ ص:۱۶۳ بحوالہ فتوح الہند)

ابن جوزی رحمہ اللہ کا شیعہ سنی اختلاف پر تاریخی جواب

ابن جوزی رحمہ اللہ کا سب سے بہتر واقعہ جو بیان کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ بغداد

میں اہل سنت اور شیعہ کے درمیان حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی مفاضلت کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا، تو سب نے شیخ ابوالفرج کے جواب پر رضامندی کا اظہار کیا، اور دونوں نے ایک شخص کو کھڑا کیا کہ وہ اس بارے میں آپ سے دریافت کرے، تو اس وقت آپ اپنی مجلس وعظ کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، ان دونوں میں سے افضل وہ ہے جس کی لڑکی آپ کی بیوی ہے، اور اسی وقت کرسی سے اتر آئے تا کہ آپ سے اس بارے میں گفتگو نہ کی جائے، اہل سنت کہنے لگے، وہ حضرت ابوبکر ہیں کیونکہ آپ کی بیٹی حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ کی بیوی ہے۔ اور شیعہ کہنے لگے، وہ حضرت علی ہیں کیونکہ رسول کریم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ آپؓ کی بیوی ہیں۔

(ابن خلکان ج:۳ص:۱۱۰)

افتتاحی، اختتامی، درمیانی مختصر تاریخی تبصرہ

خلیفہ مامون الرشید کا اپنے متعلق خیال تھا کہ......... یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے مشرقی سلاطین کے پردے میں دوسرے دماغوں کی کارفرمائی رہتی تھی، لیکن مامون کی عظمت ذاتی تھی، وہ کسی سہارے کا محتاج نہ تھا، وہ خود کہتا تھا کہ معاویہؓ کی قوت عمرو بن العاصؓ کے بل پر تھی، عبدالملک کا سہارا حجاج تھا، لیکن میری قوت وعظمت خود میری ذات ہے، اسی لئے مورخین اس کو عباسی سلسلہ کا درمیانی گوہر کہتے ہیں، افتتاحی سفاح، اختتامی معتضد اور درمیانی مامون۔

(تاریخ اسلام ندوی ج:۳ص:۱۶۰)

بادشاہ کے سامنے حق گوئی کے دو تاریخی قصے

جب سلطان محمود خلجی کو احمد آباد بیدر میں قیام کرتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو اس نے مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی سے جو شاہ خلیل اللہ کے مقبرے کے مجاور تھے

ملاقات کی، اوران سے کہا، میرے پاس ترکاری ختم ہوگئی ہے اوراس سے بہت پریشانی ہے۔ ان تختوں کے اوپراس قدرترکاری پیدا کرنا جوشاہی باورچی خانے کے لئے کافی ہو، بہت مشکل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس حلال کے روپے سے خریدی ہوئی زمین موجود ہوتو مجھے بتایئے تاکہ میں اسے اچھی قیمتیں دے کر سبزیاں خریدوں، یہ بات سن کر مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی نے فرمایا، اے بادشاہ توایسی بات نہ کہہ کہ جسے سن کرتیرامذاق اڑایا جائے۔ مسلمانوں کے ملک میں آکران کے مال واسباب کوتباہ و غارت کرنا، ان کے گھروں اور آبادیوں کو ویران کرنا اوراس کے باوجود کپڑے اور ترکاری وغیرہ کی خرید وفروخت کے سلسلے میں حلال وحرام کاخیال رکھنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے۔ یہ سب کچھ خداترسی سے بہت دور ہے، یہ سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اوراس نے کہا، آپ سچ کہتے ہیں، لیکن جہاں بانی اور ملک گیری ان باتوں کے بغیر بہت مشکل ہے۔

مؤرخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اس حکایت کے مماثل ایک دوسرا قصہ ''فتوحات'' یا کسی دوسری کتاب میں دیکھا ہے، جواس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ملک عرب میں یحیٰ بن نعمان نامی ایک بادشاہ تھا، اس کے عہد حکومت میں ابوعبداللہ نامی ایک بزرگ تھے جنہوں نے دنیا میں اہل دنیا سے ہرقسم کے تعلقات قطع کرکے گوشہ نشینی اورفقیری کواپنالیا تھا۔ ایک دن یحیٰ بن نعمان کا گزرایک ایسے راستے سے ہوا کہ جس پر شیخ ابوعبداللہ بھی اپنے مریدوں کے ہمراہ گزررہے تھے۔ شیخ صاحب نے بادشاہ کوسلام کیا۔ بادشاہ نے سلام کاجواب دے کران سے پوچھا، میرے بدن پرجوریشمی لباس ہے اسے پہن کرنماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ یہ سن کرشیخ صاحب مسکرادیئے اورکہنے لگے، تیراحال بالکل اس شخص جیسا ہے کہ جوسر سے لے کرپاؤں تک نجاست وغلاظت میں ملوث ہو، لیکن پیشاب کی چھینٹ سے پرہیز کرتا ہو، تیراپیٹ حرام کے لقموں سے بھرا ہوا ہے، تیری

گردن پر خلق اللہ پر ظلم ڈھانے کا طوق ہے۔ اور تو ریشم اور نماز کے مسئلے کو دریافت کرتا ہے۔ یہ سچی بات سن کر یحییٰ بن نعمان رو دیا۔ اور اپنے گھوڑے سے اتر کر شیخ کا ہاتھ چوم لیا، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بادشاہت ترک کردی اور اپنی باقی زندگی شیخ صاحب کی خدمت میں بسر کردی۔

(تاریخ فرشتہ ج:ا ص:۸۶۷،۸۶۸)

خلافت عثمانی میں تاریخی فتوحات

آپ کی خلافت کے پہلے سال یعنی ۲۴ ہجری میں ملک ''رے'' فتح ہوا۔ یہ علاقہ اگرچہ اس سے پہلے بھی فتح ہو چکا تھا مگر قبضہ سے نکل جانے کی وجہ سے دوبارہ فتح ہوا۔ اور اسی سال لوگوں میں نکسیر کا مرض پھیل گیا، حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس میں مبتلا ہو گئے اور حج کا ارادہ بھی منسوخ کر دیا اور خوف مرض سے وصیتیں بھی کر دیں۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام لوگوں نے (سنۃ الرعاف) نکسیر کا سال رکھ دیا، اسی سال ملک روم کا اکثر حصہ فتح ہو گیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی سال حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے علیحدہ کر کے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ بھیج دیا۔

۲۵ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے علیحدہ کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو جو آپ کے ماں کی طرف سے بھائی ہوتے تھے، بھیج دیا۔ یہ آپ پر پہلا الزام لوگوں نے قائم کیا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کی پرورش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید شرابی شخص تھا، ایک روز صبح کی نماز نشہ میں پڑھائی تو چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا اور مقتدیوں سے کہنے لگے کہ کہو تو اور زیادہ پڑھا دوں۔

۲۶ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خرید کر مسجد حرام کو وسیع کیا، اور اسی سال ''سابور'' فتح ہوا۔

۲۷ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہاز پر لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کیا، اس

لشکر میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مع اپنی بیوی ام حرام بنت ملحان انصاریہ کے شامل تھے، آپ کی بیوی گھوڑے سے گر کر انتقال کر گئیں، جن کو وہیں دفن کر دیا۔ اس لشکر کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے پیشن گوئی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اس میں عبادہ کی بیوی بھی ہوں گی اور قبرص میں ہی ان کے قبر بنے گی۔ اسی سال جرجان اور دار بجرد فتح ہوا، اور اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر سے علیحدہ کر کے ان کی بجائے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر فرمایا اور انہوں نے وہاں پہنچ کر افریقہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے تمام پہاڑی وغیر پہاڑی ملک کو اپنے قبضہ میں کیا۔ یہاں مسلمانوں کو مال غنیمت اتنا ہاتھ لگا کہ ہر سپاہی کو ایک ہزار دینار بقول بعض تین ہزار دینار ہاتھ لگے۔ اس کے بعد اسی سال ''اندلس''، فتح ہوا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ التجا کرتے رہے کہ قبرص پر سمندر کے راستے سے فوج کشی کی جائے۔ زیادہ اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم سمندر اور اس کی سواری کی مفصل کیفیت لکھو، انہوں نے لکھا کہ میں نے اس سواری کو دیکھا، وہ ایک بڑی مخلوق ہے اور اس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے، اگر وہ سواری کھڑی ہو تو دل پھٹنے لگتے ہیں اور اگر چلتی ہے تو عقلیں بے چین ہو جاتی ہیں، اس میں عمدگی اور خوبیاں کم ہیں اور برائیاں زیادہ ہیں، اس پر بیٹھنے والے ایسے ہیں جیسے لکڑی پر کیڑا، کہ اگر ٹیڑھا ہو جائے تو غرق ہو جائے، اور اگر بچ جائے تو چمک اٹھے'' جس وقت آپ نے اس کی یہ تعریف پڑھی تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ واللہ! میں ایسی سواری پر مسلمانوں کو کبھی سوار نہیں کروں گا۔

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قبرص پر فوج کشی کی اور وہاں کے باشندوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔

۲۹ ہجری میں اصطخر اور فسا اور ان کے علاوہ دیگر ممالک لڑائی سے فتح ہوئے اور

اسی ۲۹ ہجری میں حضرت عثمان ﷺ نے مسجد نبوی کو وسیع کیا اور اس میں منقوش پتھر لگوائے، اور ستون بھی پتھر ہی کے رکھے، اور اس کی چھت میں ساگوان کی لکڑی لگوائی، اس کی لمبائی ایک سو ساٹھ گز اور چوڑائی ڈیڑھ سو گز کر دی۔

۳۰ ہجری میں جور اور اکثر شہر خراسان اور نیشاپور صلح سے فتح ہوئے اور بعض لڑائی سے بھی۔ کہتے ہیں کہ طوس اور سرخس اور ایسے ہی مرو اور بیہق صلح سے فتح ہوئے، جب یہ فتوحات ہوئیں اور مال چاروں طرف سے زیادہ آیا تو حضرت عثمان ﷺ کو خزانے بنوانے کی ضرورت ہوئی اور آپ نے دل کھول کر لوگوں کو روزینہ تقسیم کئے، حتیٰ کہ ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے (توڑے) ملے، جن میں چار چار ہزار اوقیہ تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۱۹۵، ۱۹۶)

دار ارقم اسلام کی دعوت کا مرکز اور تاریخی مکان

عثمان بن الارقم سے مروی ہے کہ میں اسلام میں سات کا بیٹا ہوں، میرے والد اسلام لائے جو سات میں سے ساتویں تھے، ان کا مکان مکے میں صفا پر تھا، یہ وہی مکان ہے کہ نبی ﷺ ابتدائے اسلام میں اس میں رہتے تھے۔ اسی میں آپ ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اسی میں قوم کثیر اسلام لائی، اسی مکان میں آپ ﷺ نے شب دو شنبہ کو فرمایا کہ، اے اللہ! ان دونوں آدمیوں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس کو اسلام کی قوت دے۔ حضرت عمر بن الخطاب سے یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے، دوسرے روز صبح ہی کو عمرؓ بن الخطاب آئے اور ارقم میں اسلام لائے، پھر مسلمان وہاں سے نکلے، انھوں نے تکبیر کہی اور کھلم کھلا بیت اللہ کا طواف کیا۔ دار ارقم الاسلام پکارا جانے لگا اور ارقم نے اسے اپنی اولاد پر وقف کر دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۹۱)

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے لئے حجاج کا قابل تقلید تاریخی خط

پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر وقرات، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہوسکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہو گے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۵)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اراضی سندھ پر تحقیقی مقالہ میں مذکورہ خط پیش کرنے کے بعد اس پر فائدہ بھی لکھا ہے، کہ......... یہ فرمان کسی خلیفہ راشد یا متقی پرہیز گار امیر کا نہیں بلکہ ایک ایسے امیر کا فرمان ہے جو دنیائے اسلام میں سب سے بڑا ظالم، فاسق، فاجر، مشہور ہے۔ لیکن اس حقیقت پر وہ بھی اطمینان اور یقین رکھتا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح وکامیابی صرف اور صرف اطاعت خداوندی اور بالخصوص نماز کے اہتمام اور پابندی کے ساتھ وابستہ ہے۔

آج کل کے زعماء امت کے لیے یہ ایک درس عبرت ہے، جنہوں نے اسلامی سیاست کو صرف ظاہری تدبیروں میں منحصر کر رکھا ہے اور نماز روزہ اور احکام الٰہیہ کی اطاعت کو گو ضروری جانتے ہوں مگر مسلمانوں کے قومی اور ملی مفاد کے لیے اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔ اسی لیے کسی وقت کسی مقام پر وہ ان شعائر دینیہ کے احیاء میں اس سرگرمی کے ساتھ مشغول نظر نہیں آتے جتنی کسی ادنیٰ الیکشن میں برتی جاتی ہے۔

دادا نے شیعہ مذہب کو رواج دیا اور پوتا نے ختم کر دیا تاریخی مکالمہ

مؤرخین کا بیان ہے کہ (ہندستان پر حکومت کرنے والا) عادل شاہی خاندان

کا بانی ابو المظفر سلطان یوسف عادل شاہ سلاطین روم یعنی آل عثمان کی نسل سے تھا ۔موصوف بیس سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۱۶ھ میں انتقال کر گیا، اس کے بعد ان کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا اور ۹۴۱ھ میں انتقال ہو گیا۔اس کے بعد اسماعیل کا بیٹا ملو عادل شاہ تخت نشین ہوا، مگر موصوف کی رنگ رلیاں، نیا شوق اور ظلم وستم نے زیادہ دیر برداشت نہ کیا، فقط چھ ماہ تخت نشین رہا اور انجام بہت برا ہوا۔اس کے بعد اسماعیل عادل شاہ کا دوسرا بیٹا ابراہیم عادل شاہ شاہی تخت پر بیٹھا، یہ انتہائی بہادر، دلیر جانباز ''شاہ'' تھا۔

عجیب اور مزے کی بات یہ ھیکہ عادل شاہی خاندان کے بانی یوسف عادل نے فقط ایک خواب کو بنیاد بنا کر شیعہ مذھب کو خوب رواج دیا، اور نت نئی باتیں دین میں داخل کرادیں، جبکہ موصوف کا پوتا ابراھیم عادل نے دادا کے خود ساختہ مذھب کو یکسر بدل دیا اور صحیح دین پیش کیا۔دادا اور پوتا دونوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(ازمؤلف)

۹۰۸ھ میں یوسف عادل شاہ نے ایک مجلس جشن منعقد کی، اس مجلس میں سید احمد صدری اور دیگر شیعی علماء کو مدعو کیا گیا۔ان سب کے سامنے یوسف نے: اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے میں جب کہ میں جلاوطن ہو کر بازاروں میں۔ بکتا پھر رہا تھا۔تو حضرت خضر علیہ السلام نے خواب میں مجھے یہ بشارت دی تھی کہ خدا تعالیٰ مجھے قعر مذلت سے نکال کر تخت سلطنت پر بٹھائے گا، حضرت خضر نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ میں عنان اقتدار ہاتھ میں لے کر اپنے خدا کو فراموش نہ کروں، ہمیشہ سادات کرام اور محبان اہل بیت کی عزت وتوقیر کروں اور شیعہ مذہب کو دنیا میں پھیلانے کی زندگی بھر کوشش کرتا رہوں۔

میں نے اس خواب کی وجہ سے خداوند تعالےٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ بادشاہت کے

درجے پر پہنچ کر بارہ (۱۲) اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کرونگا اور شیعہ مذہب کو رواج دوں گا، اس کے علاوہ تمراج کی شورشوں اور ہنگاموں کے زمانے میں جبکہ ملک اور سلطنت میرے ہاتھوں سے نکلے جارہے تھے، میں نے دوبارہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں دشمن پر غالب آگیا تو ملک میں شیعہ مذہب کو رواج دینے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔

یہ تقریر کرنے کے بعد یوسف عادل شاہ نے اہل دربار سے ان کی رائے پوچھی ،بعضوں نے بادشاہ کے خیال کو درست اور مبارک کہہ کر پوری پوری تائید کی، لیکن ایک گروہ نے احتیاط اور دوراندیشی کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض کیا ''ابھی حضور کو حکومت قائم کیے ہوئے تھوڑا سازمانہ ہی گزرا ہے، سلطنت کے اصل وارث محمود شاہ بہمنی کو ابھی برائے نام بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مزید برآں احمد نظام الملک بحری اور فتح اللہ عمادی جیسے نامی گرامی امراء سنی مذہب کے پیرو ہیں، خود حضور کے بہت سے عسکری سردار چار خلفاء کو مانتے اور حنفی عقیدہ رکھتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تبدیلی مذہب کے اعلان سے ملک میں کوئی نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔

یوسف عادل شاہ نے اس دور اندیش جماعت کی رائے کو بہت غور سے سنا ،تھوڑی دیر تک سوچا اور پھر کہا'' چونکہ میں خداوند سے عہد کر چکا ہوں اس لیے میں بد عہدی کو اپنا شعار نہ بنا سکوں گا، اس سلسلے میں جو مشکلات پیش آئیں گی ان کو حل کرنے میں خدا ہی میری مدد کرے گا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ایران میں شاہ اسماعیل صفوی بارہ اماموں کے اسمائے گرامی کا خطبہ جاری کر کے ملک میں شیعہ مذہب کو رواج دینے کی کوشش کر رہا تھا، یوسف عادل شاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا اور اپنے ارادے پر اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں بروز جمعہ یوسف عادل شاہ قلعہ ارک کی جامع

مسجد میں آیا، مدینہ منورہ کا ایک صحیح النسب سید خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر گیا، سب سے پہلے تو اذان میں کلمہ "علیا ولی اللہ" کا اضافا کیا گیا، اس کے بعد بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کر کے باقی صحابہ کرام کے اسماء نکال دیئے گئے۔

مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ یوسف عادل شاہ پہلا بادشاہ ہے کہ جس نے ہندوستان میں بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھوا کر ملک میں شیعہ مذہب کو رائج کیا، لیکن ان حالات میں بھی شیعوں کی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ صحابہ کرام کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرتے۔ یوسف عادل نے بڑے احتیاط سے کام لیا، اس وجہ سے تعصب کو فروغ نہ ہو سکا اور شیعہ اور سنی ایک دوسرے سے گھل مل کر رہنے لگے۔

یوسف کے عہد حکومت میں شیعہ مذہب کے رواج کے بعد شیعی، حنفی اور شافعی علماء ایک دوسرے سے بڑی محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے اور آپس میں کسی قسم کا بغض اور کینہ نہ رکھتے تھے، ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنی اپنی عبادت گاہوں میں خداوند تعالیٰ کی بندگی کرتے تھے، کوئی شخص اپنے فرقے کی فضیلت اور دوسرے کے فرقے کی توہین کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ علماء اور مشائخ اس اتحاد و یک جہتی کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور اس مذہبی اتحاد کو یوسف عادل شاہ کی حکمت عملی کا بہترین نتیجہ سمجھتے تھے۔

راقم الحروف مؤرخ فرشتہ کو اس موقع پر ایک عجیب و غریب اور معنی خیز قصہ یاد آ گیا ہے، قارئین کرام کی تفریح طبع کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

بعض مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ مولنا غیاث الدین نامی ایک بزرگ گزرے ہیں جو فارس کے رہنے والے تھے، وہ بہت ہی عقلمند اور فاضل شخص تھے، فن تاریخ اور شاعری سے انھیں طبعی لگاؤ تھا، شاعری میں تو وہ مسلم الثبوت استاد تھے، مناقب اہل بیت میں ان کے بہت سے قصائد ایران مین مشہور ہیں، مولانا غیاث الدین اگرچہ شیعہ مذہب

رکھتے تھے لیکن تعصب سے انہیں کوئی کام نہ تھا، وہ بہت حق گو اور حق پسند تھے، ان کا یہ دستور تھا کہ عصر کے وقت وہ شیراز کے بازار میں بیٹھ کر مرکب دوائیں فروخت کیا کرتے تھے، وہ اچھے اشعار اور سحر آفریں جملوں اور لطائف سے اپنے خریداروں اور ملنے جلنے والوں کو خوش رکھتے تھے۔

اہل فارس کو ان کی بزرگی، حق گوئی اور ان کے اعتقاد پر پورا بھروسہ تھا۔ اور حتی الامکان ان کے پوری تعمیل کرتے تھے، ایک روز سلطان ابراہیم نے مولانا غیاث کو طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ موجودہ مذہبوں میں سب سے بہتر اور عمدہ مذہب کون سا ہے؟ مولانا نے جواباً فرمایا "بادشاہ ایک گھر کے اندر رہتا ہے اور اس گھر کے بہت سے دروازے ہیں، جو شخص جس دروازے سے بھی اندر داخل ہوگا وہ بادشاہ کی زیارت سے محظوظ ہوگا، جو شخص بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہے اسے سب سے پہلے بادشاہ کی خدمت گزاری اور باریابی کی اہلیت پیدا کرنا چاہئے، یہ مسئلہ بعد کا ہے کہ اسے کس دروازے سے بادشاہ کے گھر میں داخل ہونا چاہئے"۔

اس کے بعد سلطان ابراہیم نے مولانا سے ایک اور سوال کیا۔ "ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگوں میں کون سا طبقہ سب سے بہتر ہے"؟ مولانا نے جواب دیا، "اچھے کردار کا انسان خواہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، خدا کا مقبول بندہ ہوتا ہے" بادشاہ کو مولانا کی یہ گفتگو بہت پسند آئی اور انہیں خلعت و انعام سے سرفراز کیا گیا، شیخ فریدالدین عطار نے بھی اپنی مثنوی میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الغرض یوسف عادل شاہ نے جب خطبہ پڑھا اور شیعہ مذہب کو جاری کیا تو مشہور مثل "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے مصداق بہت سے امیروں نے یہ مذہب اختیار کر لیا، لیکن امراء کا ایک گروہ جو بہت پکا سنی اور حنفی المذہب تھا، اپنے آبائی دین پر قائم رہا، میاں محمد عین الملک، دلاور خان حبشی اور محمد خاں سیستانی وغیرہ بادشاہ کی اس

تبدیلی مذہب سے بہت ناراض ہوئے، عین ممکن تھا کہ یہ لوگ کھلے بندوں یوسف عادل شاہ کی مخالفت کر کے ملک میں فتنہ وفساد کا بازار گرم کرتے کہ یوسف نے بلا کر انہیں اچھی طرح سمجھایا اور کہا:

''مذہب کا معاملہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے، جس شخص کا جو رجحان ہوتا ہے وہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے، بہتر یہی ہے کہ تم لوگ ہمیں ہمارے مذہب پر رہنے دو اور تم خود اپنے مذہب کے والہ وشیدا رہو۔ مذہب کے اختلاف کو سیاسی مخالفت کی بنیاد نہ بناؤ ''۔ الغرض ان امراء کو یوسف نے اچھی طرح سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔

(واضح رہے کہ یوسف عادل شاہ نے ایک مرتبہ خوف کے مارے شیعہ مذہب سے توبہ کی، اور پھر دوبارہ اس مذہب میں داخل ہو کر خوب ترویج کی۔ آیئے پڑھتے ہیں دادا کے بعد پوتے کے نئے احکامات)

(از مؤلف)

غیر مصدقہ طور پر اس بات کا پتہ چلا ہے کہ نظام شاہی لشکروں سے اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے عہد میں دس مرتبہ جنگ کی، کسی دفعہ بھی اس نے فوج کو میدان جنگ میں تنہا روانہ نہیں کیا، خود فوج کے ہمراہ لڑتا اور اپنی بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کرتا، اس کے باوجود بدقسمتی سے وہ صرف دو مرتبہ نظام شاہی فوج کو شکست دے سکا، ایک دفعہ قصبہ میں اور دوسری مرتبہ خان کے مقام پر۔ل ابراہیم عادل شاہ اپنے خاندان کا پہلا فرد تھا جس نے اپنے والدین اور خاندان کے مذہب کو چھوڑا اور دوازدہ امام کے بجائے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی پیروی اختیار کی۔

بادشاہ نے امامیہ فرقہ کے سارے رسوم اور اطوار بدل دیے اور ایک ایسا حکم جاری کیا جس کی رو سے کوئی شخص تاج سرخ ودوازدہ گوشہ سر پر نہیں پہن سکتا تھا، اس وقت فرقہ امامیہ کے افراد اس کو پہننا باعث صد افتخار سمجھتے تھے، خوش کلامی آقا، شجاعت

خاں کرد اور اسد خاں لاری کے علاوہ تمام باہر کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے امراء کو معزول کر دیا۔ اور ان کے بجائے دکنیوں اور حبشیوں کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ عماد شاہی اند نظام شاہی کنبوں کی روش اختیار کی گئی اور کورہ روایت کا تقرر رہوا، اس طرح سلطنت کے اراکین نے صرف چار سو ملازمین کو بحال رکھا، اور باہر کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے تین ہزار خواص ملازمین کی تعداد صرف چار سو رہ گئی، اس سے پہلے ہمیشہ ان کی تعداد تین ہزار رہی تھی۔

جن ملازموں کو برطرف کیا گیا ان لوگوں نے مجبوراً احمد نگر اور گجرات دکن کا رخ کیا، علاوہ ازیں ابراہیم عادل نے فارسی کی بجائے ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ اور یوسف عادل شاہ کے زمانے کے سارے قوانین ختم کیے اور برہمنوں کا مرتبہ بڑھایا، علاوہ ازیں راجہ رام راج سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے پیغامبر کو تمام لوگوں سے پوشیدہ رکھ کر روانہ کیا، مزید برآں مغل سرداروں کی خاصی تعداد اس کی ہمت افزائی اور ہمدردی سے متاثر ہو کر اس کے پاس آ گئی، بیجا نگر کی مسجد تعمیر کرانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس کے ذریعہ ان مغل سرداروں کی دلجوئی اور ہمت افزائی ہو سکے۔

(تاریخ فرشتہ ج ۲ ص: ۱۰۴ تا ۱۰۶، نیز ۱۵۳، ۱۵۴)

عتبہ ؓ بن غزوان کا بصرہ میں پہلا تاریخی خطبہ

حضرت عتبہ ؓ نے بصرہ میں اپنے پہلے خطبے میں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان لاتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر

فرمایا، لوگو! دنیا تیز رفتاری سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہی ہے، اور اپنے چاہنے والوں کو الوداع کہہ رہی ہے، پس دنیا بہت ہی تھوڑی رہ گئی ہے، جیسے برتن کے پیندے میں تھوڑا سا پانی بچا ہوا ہو۔ خبردار رہو، بیشک دنیا تمہیں چھوڑنی ہے، لہٰذا اسے اپنی بہتر حالت میں چھوڑ دو، اور دیکھو کہ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اگر تم ایک پتھر جہنم میں ڈالو گے تو وہ ستر سال بعد اس کی گہرائی میں پہنچے گا، اللہ کی قسم جہنم کو بھر دیا جائے گا، اور اس بات پر غور کرو کہ جنت کے سات دروازے ہونگے اور ہر دروازے کی چوڑائی پچاس برس ہوگی ۔اللہ کی قسم! جنت میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ وہ لوگوں کے اژدھام سے بھری ہوگی۔

ایک وہ وقت بھی تھا کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور ساتواں مسلمان تھا، ہمارے کھانے کو کچھ نہ تھا، ہم بلسان کے پتے اور جھاڑیوں کے کانٹے کھانے پر مجبور تھے۔ ہمارے مسوڑے زخمی ہو چکے تھے۔ اسی اثناء میں مجھے ایک چادر ملی اس میں سے میں نے آدھی چادر اپنے پاس رکھ لی اور آدھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دے دی، پھر اس کے بعد تم نے دیکھا کہ ہم ساتوں میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر بنا، بیشک نبوت بادشاہت کو ختم کر دیتی ہے، اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی ایسا زمانہ نہ پائے کہ جس میں سلطان بادشاہ بن جائے، اور اس بات سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو عظیم سمجھوں، عنقریب ہمارے بعد ایسے امراء آزمالو گے۔ تم ان کی تعریف بھی کرو گے اور برائی بھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ص: ۳۸)

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا سندھ کی فتح کیلئے تاریخی انتظام

محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ چھ ہزار کا لشکر لے کر سرحد سندھ پر پہنچے اور پھر ایک عجیب تدبیر سے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کر کے راجہ کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابل ہوئے۔ اسلامی دارالخلافت سے ہزاروں میل کا فاصلہ پر یہ جنگ

جاری تھی اور آلات رسل و رسائل، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، ریڈیو، لاسکی پیغام وغیرہ جو آج کل پائے جاتے ہیں ان کا کہیں نام نہیں تھا۔ لیکن انتظام کی خوبی یہ تھی کہ عراق کے دار الخلافہ سے محمد بن قاسم کے پاس ڈاک اور اس میں جنگ کے متعلق ہدایات ہر تیسرے روز پہنچتی تھیں۔ یہاں تک کہ) (عروس نامی) قلعہ شکن منجنیق جو لشکر اسلامی کے ساتھ تھا، اس کا حملہ دیبل کے سب سے بڑے منارہ (وقل نامی) پر کس سمت اور کس انداز سے ہو اس کا پورا نقشہ کھینچ کر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو بھیجا تھا۔ ہر تیسرے روز ہندوستان کی ڈاک عراق اور عراق کی ڈاک ہندوستان پہنچ جاتی تھی۔

(فتوح البلدان بلاذری ص: ۴۲۵)

قادسیہ میں مسلمان بہادروں کی ایمانی غیرت و جرأت اور فتح کا دلچسپ تاریخی پس منظر

قادسیہ کی جنگ میں مسلمانوں نے شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں۔ دشمن کی طرف سے معروف پہلوان ''رستم'' تھا اور دوسری طرف اللہ کے شیر صحابہ ؓ تھے، جنگ سے قبل ملاقاتوں کا سلسلہ اور پھر باقاعدہ جنگ'' پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔ (از مؤلف)

رستم نے قادسیہ میں نکل کر مسلمانوں کے لشکر کے سامنے عتیق میں اپنا خیمہ نصب کرایا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی عتیق سے سوار ہو کر نہر کی طرف گیا، پل پر جا کر ایک اونچی جگہ سے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد زہرہ کو کہلا بھیجا کہ تم ذرا دیر سے میرے سامنے آ کر کھڑے ہو جاؤ، کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ زہرہ تنہا خیمہ سے نکل کر رستم کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ رستم نے کہا۔ تم ہمارے پڑوسی ہو، ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور تمہارا دفاع کیا کرتے تھے۔ زہرہ نے پوچھا۔ ان باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ رستم نے کہا تم کو یاد ہوگا کہ ہمارے یہاں سے تم

لوگوں کے وظائف مقرر تھے، تم جب ہمارے یہاں آتے تھے تم کو ہم انعام و اکرام دیتے تھے، اب بھی اگر تم کو اس کی ضرورت ہو تو ہم تم کو خاطر خواہ انعام دیں گے۔ زہرہ نے کہا، ہماری یہ غرض ہر گز نہیں ہے، ہم تو اپنی آخرت سنوارنے آئے ہیں، اور در حقیقت تم جیسا کہتے ہو ہم ویسے ہی تھے، لیکن اللہ جل شانہ نے ہمارے پاس اپنا نبی بھیجا، اس نے ہم کو دین حق کی طرف بلایا، ہم نے اس کو قبول کیا، اس نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص اس دین کو قبول نہ کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ ہم کو مسلط کرے گا اور ہمارے ذریعہ سے وہ اس نافرمانی اور بے دینی کا بدلہ لے گا، اور غلبہ و فتح اللہ تعالیٰ ہم کو عطا کرے گا۔

رستم بولا۔ تم لوگ اب بھی تعداد میں کم ہو، ہماری اس عظیم الشان فوج کے مقابلہ میں کیا کر سکو گے؟ زہرہ نے کہا۔ یہ غلط خیال ہے، ہم اپنے دین حق کی برکت سے تم پر یقیناً غالب ہو جائیں گے۔ اور جب تک ہمارا ایک شخص بھی باقی رہے گا تم سے مقابلے سے منہ نہیں موڑے گا۔ رستم نے کہا، وہ کون سا دین ہے جس کو تم حق کہتے ہو؟ زہرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، شہادتین یعنی **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله** کو زبان سے کہنا، دل سے اس پر یقین کرنا، یہی دین ہے، رستم نے پوچھا یہ تو عقائد ہیں اور عملاً کیا کرنا ہوتا ہے؟ زہرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، شرک اور بت پرستی کو دنیا سے دور کرنا، لوگوں کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف بلانا، اور مخلوق ہونے میں ہم تم سب برابر ہیں، اور ایک دوسرے کے بھائی بھائی، لیکن اس وقت کہ جب ہمارا اور تمہارا دین ایک ہو، ورنہ بجائے بھائی ہونے کے ہم تمہارے جانی دشمن ہیں۔ رستم بولا، اگر ہم تمہاری دعوت قبول کرلیں اور تمہارے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا تم بغیر جنگ کئے لوٹ جاؤ گے؟ زہرہ رضی اللہ عنہ نے خوشی کے لہجہ میں کہا، واللہ ہم بغیر جنگ کئے واپس چلے جائیں گے۔

رستم کا سرداروں سے مشورہ

رستم یہ سن کر خیمہ میں آیا اور سرداروں کو بلا کر زہرہ سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کا تذکرہ کیا۔ سردار رستم کی تقریر سن کر اور اس کا رجحان مسلمانوں کی طرف دیکھ کر غصہ میں آ گئے۔ منہ بناتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، مجلس درہم برہم ہو گئی، اس کے بعد رستم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس کسی سفیر کو بھیج دو۔ جس سے ہم صلح کی گفتگو کریں۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رستم کے پاس حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ اہل فارس نے ان کو قنطرہ میں ٹھہرا کر رستم کو ربعی کے آنے کی اطلاع دی۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا استقبال

رستم نے بڑے تکلف سے ایک سونے کا تخت اپنے لئے بچھوایا، اس کے چاروں طرف دور دور تک ریشمی قالین بچھوایا، اس پر رومی قالینوں کو بچھوا کر تکیوں کو رکھوایا، جن کی جھالریں موتیوں کی تھیں۔ اور غلاف زربفت کے تھے، خوب صورت اور وجیہ امراء کو اپنے اردگرد مقام و مرتبہ کے مطابق بٹھا کر حضرت ربعی رضی اللہ عنہ کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ حضرت ربعی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار اور تلوار پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کی نیام میں کیے، گلے سے لٹکائے، ایک ہاتھ میں نیزہ لے کر فرش کو گھوڑے سے روندتے ہوئے قالین کے فرش تک پہنچے۔ گھوڑے سے اتر کر ایک قالین میں نیزہ سے سوراخ کر کے لگام کو اس میں پھنسا دیا اور نیزہ کی نوک کو فرش کی طرف کر کے ٹیکتے ہوئے چلے، اہل فارس ان کی حرکات کو حقارت سے خاموشی کی حالت میں دیکھتے رہے، جب رستم کے قریب پہنچے، لوگوں نے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ سے اسلحہ وغیرہ رکھ دینے کو کہا، حضرت ربعی رضی اللہ عنہ نے ترش رو ہو کر کہا، اگر میں بغیر بلائے تمہارے پاس آتا تو میں ایسا ہی کرتا لیکن تم نے مجھے بلوایا ہے، اگر مسلح آنے دو گے تو میں آؤں، ورنہ واپس چلا جاتا ہوں، رستم نے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ کو مسلح آنے کی اجازت دی، اور حضرت ربعی اپنا

نوک دار نیزہ ٹیکتے اور فرش کو خراب کرتے پھاڑتے رستم کے تخت تک پہنچے اور رستم کے برابر تخت پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے روکا، ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں تمہارے بلانے سے آیا ہوں، جہاں میں بیٹھنا چاہتا ہوں، بیٹھنے دو تو بیٹھوں گا ورنہ چلا جاؤں گا، مجھ کو تمہارے پاس آنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ ہمارے مذہب میں سختی سے منع کیا گیا ہے کہ ایک شخص معبود بن کر بیٹھے اور باقی آدمی بندے بن کر دائیں ہاتھ کھڑے یا بیٹھے رہیں، رستم نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان کو ان کی حرکتوں سے نہ روکے، لیکن خود ربعی کچھ سوچ کر تخت سے اتر آئے اور ایک قالین نیزہ سے پھاڑ کر زمین پر بیٹھ گئے، اور رستم سے مخاطب ہو کر کہا، ہم تمہارے اس پر تکلف مصنوعی تخت پر نہیں بیٹھتے، (زمین کی طرف اشارہ کر کے) اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا یہ فرش ہمارے لئے کافی ہے۔ رستم نے ترجمان کے ذریعہ سے دریافت کیا، تم کس وجہ سے یہاں آئے ہو؟۔

حضرت ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ جل شانہ نے ہمیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت اور سہولت کی طرف نکالیں، اور باطل دینوں کے ظلم سے بچا کر عدل وانصاف والے اسلام کی طرف لائیں، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کو مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے لئے آئے ہیں، لہٰذا جو شخص اس کو قبول کرے گا ہم اس سے اور اس کے مالک سے جنگ نہ کریں گے، جو شخص اس سے انکار کرے گا ہم اس سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں یا جنگ جیت جائیں۔ رستم بولا کیا تم ہمیں مہلت دے سکتے ہو؟ اور اس کام کو چند دنوں ملتوی کر سکتے ہو؟ تا کہ ہم تمہارے خیالات پر غور کریں۔ ربعی نے کہا ہاں ایک دن یا دو دن۔ رستم نے کہا، نہیں تم ہمیں اتنی مہلت دو کہ ہم اپنے ملک کی سرداری اور اراکین حکومت سے اس معاملہ میں خط و کتابت کر سکیں۔ ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو تین دن سے زیادہ مہلت نہ دیا کریں، تو اس دوران غور

کر کے یا اسلام قبول کرلو تاکہ ہم تمہیں اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں، یا جزیہ دینا قبول کرو لہٰذا ہم اس کو قبول کرلیں گے۔ تم اوروں سے جنگ نہ کرو گے۔ اور جب کبھی تمہیں ہماری ضرورت ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ اور اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک کو بھی قبول نہ کرو گے، تو چوتھے روز ہم تم سے لڑیں گے، اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں شکست دیں گے، اور یہی ہمارا اور ہمارے سب ساتھیوں کا قول و قرار ہے۔ رستم نے پوچھا کیا تم مسلمانوں کے سردار ہو؟ ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، لیکن سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، ہم میں سے ہر انسان بات میں خود مختار اور مجاز ہے، ہم میں اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہیں ہے، ادنیٰ شخص اعلیٰ کی طرف سے اجازت دے سکتا ہے، رستم اور اس کے افسر ربعی کی اس تقریر سے دنگ رہ گئے اور ایک سکتہ کی حالت میں تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد رستم نے حضرت ربعی کی تلوار دیکھ کر کہا، نیام اس کا بہت پرانا ہے، غالباً تلوار بھی ایسی ہی ہوگی۔ ربعی تلوار نیام سے نکال کر بولے "نیام اس کا بوسیدہ ضرور ہے لیکن میں نے اس پر سان ابھی رکھائی ہے"۔ پھر رستم نے ربعی کا نیزہ اٹھالیا اور اس کا پھل دیکھ کر برائے طنز بولا "اس کا پھل بہت چھوٹا ہے لڑائی میں کیا کام آتا ہوگا۔" ربعیؓ نے بے پرواہی سے جواب دیا، "پھل اس کا چھوٹا ضرور ہے لیکن سیدھا دشمن کے سینے میں اتر جاتا ہے"۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آگ کی ایک چھوٹی سی چنگاری ایک شہر کو جلا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

حضرت ربعی رضی اللہ عنہ کی واپسی

تھوڑی دیر تک اس قسم کی نوک جھونک کی باتیں حضرت ربعی رضی اللہ عنہ اور رستم میں ہوتی رہیں، پھر حضرت ربعی اس بے تکلفی سے اٹھ کر نیزہ کو ٹیکتے ہوئے اپنے گھوڑے کے پاس آئے اور اس پر سوار ہو کر اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔ رستم نے حضرت ربعی

﷛ کے واپس جانے کے بعد ایک خاص مجلس میں اراکین سلطنت اور اپنے افسروں کو جمع کر کے کہا، وہ تو نہایت درجہ کا بے تہذیب وحشی غیر تربیت یافتہ تھا۔ کپڑوں کا ملاحظہ فرمایئے کہ اونٹ کا جھول پہنے ہوئے تھا، تمام قالینوں کو خراب کر ڈالا، دوسرے نے جواب دیا۔ ارے صاحب اس نے درمیان سے پھاڑ کر گھوڑی کی لگام اس میں باندھ دی تھی۔ تیسرا بول اٹھا، یہ کیا لڑیں گے، تلوار کا نیام تک تو درست نہیں ہے، نیزہ میں صرف دو انگل کا پھل ہے، اس سرے سے اس سرے تک صرف ایک بانس کی بدشکل لکڑی ہے۔ رستم کو ان لوگوں کی یہ باتیں پسند نہ آئیں، تنگ آ کر بولا، تم لوگ صورت و شکل کی طرف دیکھتے ہو۔ تف ہو تمہاری عقل پر، اس کی رائے اور گفتگو کو دیکھو، اس کے خیالات پر غور کرو، کس قدر پیچیدہ اور بے باکی سے باتیں کرتا تھا۔"

حذیفہ بن محصن اور رستم

دوسرے دن رستم نے پھر ربعی ﷛ کو بلایا، حضرت سعد ﷛ نے ان کے بجائے حضرت حذیفہ بن محصن ﷛ کو روانہ فرمایا، چنانچہ حذیفہ بن محصن بھی اسی طور سے رستم کے پاس گئے تھے، جس طرح حضرت ربعی گئے تھے، لیکن یہ اپنے گھوڑے سے نہیں اترے، بلکہ فرش روندتے ہوئے رستم کے قریب پہنچے اور اسی انداز سے گفتگو و کلام فرمایا، جیسا کہ حضرت ربعی ﷛ نے فرمایا تھا۔ رستم نے دریافت کیا! کیا وجہ ہے کہ آج تم بھیجے گئے، کل والے صاحب نہیں آئے۔ حضرت حذیفہ نے جواب دیا "ہمارا امیر گرم و نرم آدمیوں کو بھیج کر عدل کرتا ہے کل ان کی باری تھی" رستم نے پوچھا، ہمیں مہلت کتنے دنوں کی دے سکتے ہو؟ حضرت حذیفہ نے کہا آج سے تین دن تک کی، رستم یہ سن کر خاموش ہو گیا اور حضرت حذیفہ نے اپنے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور اسلامی لشکر گاہ میں دوبارہ تشریف لے آئے۔

رستم کا غور وفکر

رستم کو حضرت حذیفہ ﷺ کی تیز اور حاضر جوابی نے تعجب میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر تک اس غور وفکر میں رہا کہ عرب سے لڑنے کے لئے کیا کرنا چاہئے، یزدجرد کا حکم جنگ کا ہے۔ اور یہ لوگ بھی بغیر لڑے یا جزیہ لئے واپس نہ جائیں گے۔ جب اس کے دماغ ودل نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو اپنے لشکر کے اراکین سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ لڑائی بڑی خطرناک ہے۔ اس میں ہر شخص جان دینے پر تیار ہے، بہتر ہوگا کہ ان کا دین قبول کرلیا جائے، یا جزیہ دینا قبول کرلیا جائے۔ حاضرین بولے توبہ توبہ! ان احمقوں کا دین اس قابل ہے کہ ہم لوگ قبول کریں؟ اب ان کی یہ شان ہوگئی ہے کہ ہم ان کو خراج دیں، جن کو ہم سب کمترین مخلوق سمجھتے تھے؟ آپ بالکل پریشان نہ ہوں، پہلی ہی جنگ میں ان کا خاتمہ ہوجائے گا، اصول ہے کہ جب چیونٹی کی موت کے دن آتے ہیں تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ رستم ان کی یہ بے وقوفانہ باتیں سن کر خاموش ہوگیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ اور رستم

اگلے دن پھر حضرت سعد ﷺ کے لشکر سے ایک آدمی کو صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بلوایا۔ اس مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ گئے اور انتہائی دلیری سے رستم کے تخت پر چڑھ کر ان کے برابر بیٹھ گئے، لوگوں نے ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ ﷺ نے کہا واللہ! ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف قوم دنیا میں نہیں دیکھی۔ ہم لوگ عرب ہیں، ایک دوسرے کی عبادت نہیں کرتے، تم لوگ عجیب ہو کہ ایک کو تم نے معبود بنا کر تخت پر بٹھا دیا ہے، تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں میں سے بعض معبود اور بعض بندے ہیں، تم نے مجھے بلایا، میں تمہارے بلانے پر آیا، تم نے میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ تم نے مجھے تخت سے اتار دیا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ ضرور مغلوب ہوگئے۔ واللہ کوئی بادشاہ اس غرور وتکبر کے ساتھ بادشاہت نہیں کرسکتا، اور نہ ایسی قوم کبھی ترقی کرسکتی ہے جو اپنے

بادشاہ کو خدا بنالے۔ حضرت مغیرہ کی اس تقریر کو سن کر چھوٹی حیثیت اور کم رتبہ والے آدمیوں نے دل ہی دل میں ان کی تصدیق کی، اور امراء ورؤساء نے حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا، اللہ اس کو موت دے، یہ ہماری تحقیر کرتا ہے۔

رستم کی تقریر

اس کے بعد رستم نے ایک لمبی تقریر میں فارس اور اہل فارس کی عظمت، یزدجرد کی شان وشوکت وحکومت، اور اہل عرب کی تنگی، غربت، ناداری اور نیم وحشی ہونا بیان کر کے کہا ہے کہ تم لوگ نہایت تنگی میں تھے، تم لوگ ہمارے یہاں قحط کے دنوں میں آتے تھے۔ ہم تمہیں کھجوریں اور جو دیتے تھے، تمہارے امیروں کو کپڑے، خچر، رومال عطا فرماتے تھے۔ تم میں سے جو جتنا چاہتا اٹھا کر لے جا سکتا تھا، ہم ان کو کھجوریں اور اناج دیتے تھے۔ اس وجہ سے ہماری غیرت وحمیت تمہارے قتل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی ۔ خیر جو کچھ اب تک تم نے کیا ہے اس سے ہم نے درگزر کیا، بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جاؤ، ہم تمہیں اور تمہارے امیر کو غلہ کپڑے روپیہ اور بہت سے مویشی دیں گے۔

حضرت مغیرہ ﷺ کا خطاب

مغیرہ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی، پھر رستم وحاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا! تم نے جو کچھ عرب کی تنگی معیشت، فاقہ وغربت کا حال بیان کیا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے۔ ہم کو یہ سب معلوم ہے اور ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ آج تنگی ہے تو کل فراخی ہوگی، آج اگر عشرت ہے تو کل عسرت تنگی ہوگی۔ اگر تم لوگ اس کا شکر ادا کرتے جو کہ تم کو دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوتا اور تمہارا یہ شکر ادا کرنا اس سے کم ہوتا جو تم کو دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا، تو کفران نعمت اور ناشکری کا وبال تم پر نازل ہوگا۔ بے شک اللہ جل شانہ نے ہم میں اپنے ایک نبی کو بھیجا جس نے

ہم کو سیدھے راستے کی ہدایت کی، اور کفار مشرکین اور بت پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں اختیار ہے، چاہے اسلام قبول کرلو، ہم تم کو اپنا بھائی بنا لیں گے اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں گے، یا جزیہ دینا اختیار کرو، اور اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو مقابلہ کرلو۔ پھر کچھ سوچ کر کہا، بات یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں نے تمہارے یہاں کھانوں کا مزہ چکھ لیا ہے، اب ان کو تمہارا ملک حاصل کئے بغیر صبر نہیں آئے گا۔

رستم کی تلخ کلامی

رستم سے یہ تقریر سن کر صبر نہ ہوسکا، بے تاب ہو کر بولا، اگر تم اس جستجو اور خیال میں مارے گئے؟ حضرت مغیرہ نے یہ جواب دیا کہ جو شخص ہم میں سے مارا جائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو لوگ ہم میں باقی رہ جائیں گے وہ تم سے جنگ جیت لیں گے۔ رستم اس جواب سے تیش میں آگیا۔ اور قسم کھا کر کہنے لگا "اب میں ہرگز صلح نہ کروں گا جب تک تم سب کو قتل نہ کروں"۔ حضرت مغیرہ ﷺ اٹھ کر اپنے لشکر میں چلے آئے، اور رستم نے اہل فارس کو جمع کر کے صلح کے بارے میں مشورہ کیا، اور جنگ کے انجام سے ڈرایا، لیکن اہل فارس نے اتفاق رائے سے لڑائی کو پسند کیا اور اسی رائے میں ڈٹ گئے۔

حضرت سعد ﷺ کی ایک اور کوشش

اس کے دوسرے دن اتمام حجت کے لئے حضرت سعد نے ایک شخص کو تبلیغ اسلام کے لئے رستم کے پاس بھیجا، رستم نے عادت کے مطابق پہلے اپنے احسانات عرب پر بتائے، پھر ان کا مال وزر کے دینے کا اقرار و وعدہ کیا، آخر کار قاصد واپس چلا آیا۔

اس کے بعد دونوں طرف سے اعلان جنگ ہوگیا۔

مبلغین جہاد کی لشکر میں روانگی

پھر چند عقل مند سمجھ دار اور جنگ کے تجربہ کار اشخاص کو لشکر کی صفوں میں پھر کر جہاد و جنگ پر ابھارنے کے لئے بھیجا۔ ان میں سے (۱) حضرت مغیرہ (۲) حذیفہ (۳) عاصم (۴) طلیحہ (۵) قیس (۶) غالب (۷) عمرو، اور شعراء میں سے (۱) شماخ (۲) حطیہ عبدی (۳) عبدۃ بن الطیب ؓ تھے، یہ لوگ لشکر میں گشت کر کے اسلامی لشکر کو جہاد پر ابھارنے لگے، اور قاریوں نے حضرت سعد کے حکم سے سورۂ انفال پڑھنا شروع کر دی، تو پورے لشکر میں ایک عالمگیر جوش پھیل گیا (سب کی آنکھیں طیش سے سرخ ہو گئیں) دل میں سکون اور اس کے ساتھ انعام و جنگ کا جوش پیدا ہو گیا۔

حضرت سعد ؓ کی ہدایات

حضرت سعد ؓ نے امراء لشکر سے مخاطب ہو کر کہا، اے غازیان اسلام اپنے اپنے مورچے اور مقامات پر پہاڑ بن کر ٹھہرنا، اور جب حرکت ہو تو دریا کے جوش و سیلاب کی طرح جنبش کرنا۔ نماز ظہر کے بعد پہلی تکبیر کہوں گا، تم لوگ بھی تکبیر کہنا اور لشکر کی صفیں درست کر کے مستعد ہو جانا، اور جب دوسری تکبیر سننا تو تم بھی تکبیر کہنا اور مسلح ہو کر نوک دار نیزوں کو دشمنوں کے سینے میں چھونے کے لئے سامنے کر لینا اور تلواریں ہاتھ میں لینا۔ پھر جب تیسری تکبیر کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچے تو اپنے لشکر کو لیکر موقع بموقع سے لڑائی پر تل جانا۔ چوتھی تکبیر کو سنتے ہی اچانک تکبیر کہتے ہوئے دین کے دشمنوں کی صفوں میں گھس جانا اور لاحول و لا قوۃ کہہ کر دو بدو لڑنے کو تیار ہو جانا، لہٰذا جب حضرت سعد نے تیسری تکبیر کہی تو اسلامی لشکر سے لڑنے والے نکلے، اور ان کے مقابلہ پر لشکر فارس سے تجربہ کار سوار آئے، پہلے نیزہ بازی ہوتی رہی، پھر تلوار کے ہاتھ چلنے لگے، شعراء عرب رجز کے اشعار پڑھتے جاتے اور لڑنے والے وار پر وار کئے جاتے تھے۔

جنگ کی ابتداء

پہلا جو شخص اس لڑائی میں گرفتار کیا گیا وہ فارس کے شہزادوں میں سے ہرمز نامی ایک شہزادہ تھا، اس کو حضرت غالب بن عبداللہ اسدی میدان جنگ سے قید کر کے حضرت سعدؓ کے پاس لائے اور پھر لوٹ کر لڑنے چلے گئے تھے، اس دوران ایک دوسرا شہسوار فارس کے لشکر سے نکل کر میدان میں آیا۔ حضرت عمرو بن معدیکرب نے لشکر سے نکل کر اسے گھوڑے سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر ذبح کر ڈالا۔ خود۔ زرہ۔ آلات حرب جو کچھ تھا لے لیا۔ رستم نے لڑائی کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ ایک دم ہاتھیوں کو مسلمانوں کی طرف بڑھایا۔ بجیلہ نے نہایت مردانگی سے ان کا مقابلہ کیا، حضرت سعدؓ نے بنی اسد کو بجیلہ کی کمک کا حکم دیا، طلیحہ بن ولید اور حمال بن مالک نے ہاتھیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا، پھر طلیحہ کی طرف ایک نامی گرامی سپہ سالار فارس حملہ کرتا ہوا بڑھا، طلیحہ نے پہنچنے کے بعد ایک ہی وار سے صاف کر دیا۔

اشعث بن قیس نے بنو اسد کو لڑتے ہوئے دیکھ کر کندہ سے مخاطب ہو کر کہا، اے گروہ کندہ! کیا ناموری اور مردانگی کا سہرہ بنی اسد کے سر پر باندھا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے، کیا مردانگی دکھا رہا ہے! دیکھو اس وقت عرب کی ہر قوم اپنے مورچہ سے حرکت کر چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ تم نے اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ اشعث یہ کہہ کر آگے بڑھے، ان کے بڑھتے ہی کندہ نے بھی حرکت کی اور فارس کے بڑے گروہ کو جو بجیلہ و بنی اسد کو گھیرے ہوئے لڑ رہا تھا پیچھے ہٹا دیا۔

جنگ کا پہلا دن

رستم نے اشارہ سے پورے لشکر کو مجموعی قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا، جس میں ذوالحاجب و جالینوس بھی تھا، اس کے بعد حضرت سعد نے چوتھی تکبیر کہی۔ آواز سنتے ہی

مسلمانوں کی ساری فوج نے بھی تکبیر کہتے ہوئے قدم آگے بڑھائے، بنی اسد قدم جمائے ہوئے لڑ رہے تھے اور جنگ وجدال کی چکی چل رہی تھی۔ فریقین کی فوجیں ایک دوسرے میں خلط ملط ہوگئی تھیں۔ جنگی ہاتھیوں نے مسلمانوں کے میمنہ ومیسرہ پر حملہ کیا۔ اسلامی سواروں کے گھوڑے ان کالے کالے پہاڑوں کو دیکھ کر بدک کر بھاگے۔ حضرت عاصم بن عمرو نے حضرت سعد کے حکم سے تیر اندازوں کو ہاتھیوں اور ان کے سواروں پر تیر اندازی کا حکم دیا۔ تیر اندازوں نے ایسے تیر برسائے کہ ان کے سواروں کو جواب دینے کی مہلت نہ دی۔ اکثر ان میں منہ کے بل اوندھے ہوکر گر پڑے، جو باقی رہے ان کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا، شام تک یہ لڑائی اسی طرح جاری رہی، بلآخر رات نے اپنے اندھیرے سے دن کی روشنی کو چھالیا، دونوں گروہوں نے اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کو نیام میں رکھا اور میدان جنگ سے اپنے اپنے لشکر گاہ کی طرف لوٹ آئے، اس لڑائی کا نام یوم الرماۃ ہے، اور پیر دوشنبہ کے دن محرم ۱۴ھ میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔

جنگ کا دوسرا دن

صبح ہوتے ہی نماز فجر کے بعد حضرت سعد ﷺ نے شہداء کو دفن کرایا، زخمیوں کو عورتوں کے حوالے کردیا، وہ ان کی تیمارداری میں مصروف ہوگئیں، پھر حضرت سعد نے لشکر کی ترتیب کی طرف توجہ کی، اسی دوران دور سے گرد نمایاں ہوئی اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے میدان گونجنے لگا، تھوڑی دیر بعد جب گرد چھٹی تو عراق کا لشکر دکھائی دیا جو شام میں لڑ رہا تھا، اور دمشق فتح کرنے کے بعد جس کی واپسی کا حضرت فاروق اعظم ﷺ نے حکم فرمایا تھا، اس لشکر پر حضرت ابوعبیدہ ﷺ نے ہاشم بن عتبہ کو امیر مقرر فرما کر روانہ کیا تھا، مقدمۃ الجیش پر قعقاع بن عمرو مقرر تھے، ان کے ساتھ ایک ہزار فوج تھی۔ انہوں نے بیس بیس آدمیوں کی ایک ایک ٹکڑی بنائی تھی، اور سب الگ الگ افسر مقرر کر کے ایک کو دوسرے سے اتنے فاصلے پر رکھا تھا کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا تھا

حضرت قعقاع ؓ میدان جنگ میں

دوسرے دن کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت قعقاع ؓ کی فوجیں آنی شروع ہوگئیں، حضرت قعقاع نے حاضر ہوکر سعد ؓ کو سلام کیا۔ شام سے عراق کے لشکر کے واپس آنے کی خوشخبری سنائی اور اجازت لے کر میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نکل گئے۔ فارس کے لشکر سے ذوالحاجب مقابلہ پر آیا، حضرت قعقاع نے پہچان لیا اور بسر کے شہیدوں کو یاد کر کے انتہائی مردانگی سے حملہ کیا، تھوڑی دیر تک لڑتے رہے، آخر میں حضرت قعقاع نے نیزہ چھوڑ کر تلوار نکال لی اور اس تیزی سے وار کرنا شروع کیا کہ ذوالحاجب کو جواب دینے کی مہلت نہ ملتی تھی، آخر کار حضرت قعقاع نے اس کو قتل کر ڈالا، اس کے قتل پر لشکر اسلام میں جتنی خوشی سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے، اس سے کہیں زیادہ فارس کے لشکر میں صف ماتم بچھ گئی، پھر حضرت قعقاع نے جوش مسرت سے ایک چکر لگا کر لڑنے والے کو طلب کیا، فارس کے لشکر سے فیرزان اور بندوان نکل آئے۔ حضرت قعقاع نے فیرزان کی طرف قدم بڑھایا، بندوان نے ان پر پیچھے سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، اتفاقاً حرث بن طبیان ابن الحرث بنی تیم اللات کی نظر پڑ گئی۔ لشکر سے نکل کر بندوان کے سر پر پہنچ گئے۔ حضرت قعقاع نے فیرزان کو، اور بندوان کو حضرت حرث نے، اس جگہ پر ڈھیر کر دیا۔

نقلی ہاتھی بمقابلہ فارس

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی میں بڑی چالاکی یہ کی تھی کہ دس دس اونٹوں کو ایک ایک قطار میں کر کے ان پر جھولیں ڈال دیں۔ اور ان پر بڑے بڑے تیر اندازوں کو بٹھا کر فارس کے لشکر کے سواروں پر حملہ کرنے کو کہا تھا اور ان کے آس پاس

سواروں کو رکھا تھا، چنانچہ حضرت قعقاع ؓ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، فارس کے لشکر کے گھوڑے ان مصنوعی ہاتھیوں کو دیکھ کر بے قابو ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، فارس کے سپاہیوں نے ان کو لانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اہل فارس کو ان نقلی ہاتھوں سے اس سے زیادہ نقصان پہنچا جتنا کہ مسلمانوں کو اصل ساتھیوں سے برداشت کرنا پڑا تھا۔

آج کا دن قعقاع ؓ کا دن

حضرت قعقاع ؓ نے اس معرکہ میں تیس حملے کئے اور ہر حملے میں ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کیا، سب سے آخر میں جوان کے ہاتھ سے مارا گیا، بزرجمہر، ہمدانی تھا۔ سیستان کا شہزادہ برازاعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ دو پہر تک لڑائی کا یہی رنگ رہا، فارس کے لشکر کا کوئی شہسوار باقی نہ رہا جو کہ میدان جنگ میں آیا ہو اور حضرت قعقاع نے اس کو قتل نہ کیا ہو، دو پہر کے بعد اہل فارس حضرت قعقاع کے مقابلہ پر جانے سے ڈرنے لگے، تو رستم نے مجموعی قوت سے پھر حملہ کرنے کا حکم دیا، ایک طرف اہل فارس نے حملہ کر کے لشکر اسلام کو محاصرہ میں کر لینے کا ارادہ کیا، دوسری طرف سے فوج اسلامیہ نے اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کے جوہر دکھانا شروع کر دیے۔

خطرناک جنگ

آدھی رات تک لڑائی نہایت زور وشور سے جاری رہی، جس میں فارس کے نامی گرامی سردار مارے گئے۔ پھر تیسرے دن کی جنگ شروع ہوئی، جسے یوم عماس کہتے ہیں (یاقوت حموی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کسی جگہ کا نام ہے) اس میں مسلمانوں کی طرف سے ایک ہزار آدمی شہید وزخمی ہوئے اور فارس کے دس ہزار مشرکین مارے گئے۔ حضرت سعد نے شہداء کو جمع کرا کے دفن کرایا، زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر

خیموں میں لائے، (جو اس کام کے لئے لگایا گیا تھا) اور عورتوں کے حوالے کر دیا، لڑکوں کے ذمہ قبریں کھودنے کا کام لگایا گیا۔ دشمن کے مقتولوں کی نعشیں میدان جنگ میں یوں ہی پڑی رہیں، نہ ان پر کوئی روتا اور نہ ان کے کفن دفن کی کسی کو پرواہ تھی۔ جنگ کا خوف ایسا غالب ہو گیا تھا کہ مردار کھانے والے بھی ان ناپاک نعشوں کو کھانے نہیں آتے تھے۔

یوم اغواث اور فارسی لشکر کا حال

فارس کے لشکر کی یہ کیفیت تھی کہ سب کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ختم ہونے پر اپنے اپنے خیموں میں بے ہوش پڑے تھے، نہ ان میں وہ جوش باقی رہ گیا تھا جو اس سے پہلے تھا۔ اور نہ ان کو اپنے مقتول سپاہیوں کے انتقام کا کچھ خیال تھا۔ لیکن دوسری طرف اسلامی لشکر کے جوش کا وہی حال تھا، ہر انسان کے چہرے پر خوشی اور فرحت کے آثار واضح تھے، عورتیں اور لڑکے خوشی سے اپنے زخمیوں کی تیمارداری کر رہے تھے، اور جو صحیح و تندرست تھے وہ شوق جنگ میں بے تاب تھے، اس دوسرے دن کی لڑائی کو یوم اغواث کہتے ہیں۔

یوم عماس اور مسلمانوں کی حکمت عملی

تیسرے دن کی جنگ کا نام یوم عماس ہے، حضرت قعقاع ؓ نے اسلامی فوجوں سے رات کو کہہ دیا تھا کہ چند دستے مورچہ سے باہر شام کی طرف اسی وقت چلے جائیں۔ اور صبح ہوتے ہی سو سو سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے میدان جنگ میں آئیں، اس طرح مسلسل سواروں کی فوج آنی چاہئے، چنانچہ صبح ہوتے ہی پہلا دستہ میدان جنگ میں آیا، مسلمانوں نے جوش مسرت سے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور شور مچ گیا۔ شام سے امدادی فوج آگئی۔ ان کے پہنچتے ہی حملہ ہوا، حسن اتفاق سے دوسرا دستہ ابھی پہنچا ہی تھا کہ ہاشم بن عتبہ سات سو سواروں کو لئے ہوئے آپہنچے، جن کو حضرت ابوعبیدة ؓ نے شام سے

مدد کے لئے بھیجا تھا، انہوں نے اپنے سواروں کو ستر ستر آدمیوں کے حصہ پر تقسیم کر کے باری باری میدان جنگ میں آنے کا حکم دیا تھا، صبح سے شام تک تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مسلمان سواروں کے دستے باری باری آتے رہے اور ہر ایک کے آنے پر اللہ اکبر کے شور سے سارا میدان گونج اٹھتا تھا اور فارس والوں کی روح فنا ہوتی جاتی تھی۔

ہاتھیوں کا حملہ ناکام

پھر اسلامی لشکر نے ان کے قلب پر اس زور سے حملہ کیا کہ صفوں کو پھاڑتے ہوئے عتیق تک نکل گئے اور وہاں سے واپس آ کر ان کے میمنہ پر حملہ کیا۔ رستم نے لڑائی کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر ہاتھیوں کو آگے بڑھانے کا حکم دیا اور ان کے اردگرد سواروں کا دستہ مقرر کیا، اگرچہ اس حملہ میں مسلمان فوجیوں کے گھوڑے بدک کر بے قابو ہوئے، اور ان چلتی پھرتی سیاہ پہاڑیوں نے لشکر اسلام کو بے ترتیب کر دیا تھا، جس طرف یہ نکل جاتے تھے گروہ کا گروہ پھٹ جاتا تھا، حضرت سعد حضرت قعقاع و عاصم ؓ نے تو سفید ہاتھی کو لپک کر ایک ہی وار سے مار ڈالا، باقی رہا کھجلی والا ہاتھی جس کے مارنے پر حضرت حمال و شرحبیل مقرر ہوئے تھے انہوں نے اس ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی تھی اور آنکھ پھوڑ دی تھی، وہ زخمی ہو کر بھاگا، اس کے بھاگتے ہی یہ دوسرے ہاتھی اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سیاہ بادل بالکل صاف ہو گئے، فارس کے لشکر کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، اسلامی سپاہی بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے اور ان کو حوصلہ آزمائی کا بھرپور موقع مل گیا، عمرو بن معدیکرب، قیس بن مکشوح نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے، دشمن کی صفوں میں بے خوف مارتے ہوئے گھس جاتے تھے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے تھے، اسی طرح کاٹ چھانٹ کرتے، واپس آتے، سارا جسم گرد و غبار سے بھر جاتا تھا، یہ سارا دن خوف و خطر کے اعتبار سے دونوں گروہوں کے لئے برابر رہا، اسلامی لشکر نے میدان جنگ میں اشارہ سے نماز ادا کی، لڑتے لڑتے شام

ہوگئی تھی، آفتاب مغرب میں چھپ گیا تھا، تھوڑی دیر کے لئے فوجیں ایک دوسرے سے برابر کی حالت میں علیحدہ ہوکر صفوں کو ترتیب دینے میں معروف ہوگئیں۔

لیلۃ الحریرۃ

دونوں فوجیں صفوں کو ترتیب دے کر میدان جنگ میں پہنچیں اور مغرب کے بعد ساری رات لڑتے رہے، اس جنگ کا نام لیلۃ الحریرہ ہے۔ حضرت سعد ﷛ نے جنگ ہونے سے پہلے طلیحہ اور حضرت عمرو بن معدیکرب کو مخاضہ (نشیبی سکر) کی حفاظت پر مقرر کیا تھا کہ اس سمت سے ایرانی لشکر حملہ نہ کر سکے لیکن حضرت طلیحہ اور عمرو بن معدیکرب نے اپنے سپہ سالار کے حکم پر عمل کیا، مخاضہ پہنچ کر مشورہ کیا۔ حضرت طلیحہ نے فارس کے لشکر پر پیچھے سے تکبیر کہہ کر حملہ کیا اور کشت وخون کا بازار گرم کردیا، اور حضرت عمرو بن معدیکرب نشیبی سکر پر یلغار کر کے وہ طلیحہ سے آملے اور نہایت تیزی سے لڑائی شروع کردی۔ سب سے پہلے جس نے حضرت سعد کی اجازت کے بغیر لڑائی چھیڑی وہ حضرت قعقاع اور ان کی قوم تھی، ان کے بعد بنی اسد، پھر نخع، پھر بجیلہ، پھر کندہ نے حملے کئے۔ حضرت سعد ہر قبیلہ کے آنے کے وقت **اللھم اغفر لھم وانصر ھم** (اے اللہ! ان کی مغفرت کر اور ان کی مدد کر) کہتے جاتے تھے۔ حضرت سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن فارس کے لشکر کی طرف سے پہلی ہی تکبیر پر تیراندازی شروع ہوگئی، اس وجہ سے حضرت قعقاع اپنی قوم کو لے کر ٹوٹ پڑے، پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسرے قبائل بھی لڑنے لگے، ساری رات قیامت خیز ہنگامہ برپا رہا، سوائے شور وغل کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی، رات بھر حضرت سعد ﷛ نہ سوئے، دعا کرتے رہے۔

حضرت قعقاع ﷛ کی ہدایت

آدھی رات گزر چکی تھی کہ حضرت قعقاع ﷛ کی آواز سنائی دی، وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے، دیکھو سب کے سب سمٹ کر قلب پر حملہ کرو اور رستم کو پکڑو۔ دشمن پر

میدان جنگ تنگ ہونیوالا ہے، سب لوگ لڑتے لڑتے اگرچہ تھک گئے تھے، ہاتھ پاؤں کام نہیں کر رہے تھے، لیکن حضرت قعقاع کی اس آواز نے ان میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ حضرت قعقاع کا آگے بڑھنا تھا کہ دوسرے قبائل کے سرداروں نے اپنی اپنی قوموں کو للکارا ''بہادرو! اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ تم سے آگے بڑھنے نہ پاویں'' میدان جنگ میں نئے سرے سے جنگ شروع ہوگئی، سواروں نے گھوڑے چھوڑ دیئے، پیدل اور سواروں نے تلواریں گھسیٹ لیں اور بے جگری کے ساتھ لڑنے لگے۔

رستم کا قتل

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے دستے کی فوج دشمن کی صفوں کو پھاڑتی ہوئی رستم کے تخت تک جا پہنچی۔ رستم اس وقت تک عتیق میں بیٹھا ہوا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا، تخت سے اتر کر لڑنے لگا۔ جب زخموں سے چور ہوا، تو بھاگ کھڑا ہوا، حضرت ہلال نے تعاقب کیا، قریب پہنچ کر اسے زور سے برچھا مارا کہ رستم کی کمر ٹوٹ گئی۔ رستم گھبرا کر ایک گڑھے میں گر پڑا۔ ہلال بھی کود پڑے، ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائے، اور تلوار کھینچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر تخت پر چڑھ کر پکار اٹھے، قتلتُ رستم ورب الکعبہ (رب کعبہ کی قسم ہے میں نے رستم کو مار ڈالا) اسکی آواز کو سنتے ہی اسلامی لشکر نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، لشکر فارس کے ہوش وحواس جاتے رہے، میمنہ، میسرہ، قلب، بھاگ نکلا۔ بعض مؤرخوں نے کہا ہے کہ جب رستم کا ہلال نے تعاقب کیا تو اتفاق سے سامنے ایک نہر آگئی، رستم اس میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے، ساتھ ہی ہلال بھی کود ے، ٹانگیں پکڑ کر باہر گھسیٹ لائے، تلوار سے کام تمام کر کے لاش کو خچر کے پیروں میں باندھ دیا اور اس کے تخت پر چڑھ کر جوش ومسرت سے بول اٹھے، میں نے رستم کا کام تمام کر دیا۔

رستم کے قتل کے بعد

رستم کے قتل ہوتے ہی فارس کا لشکر میدان جنگ سے بھاگ نکلا، جالنیوس نے

ان کے روکنے اور لڑائی جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ باقی رہا فارس کا وہ دستہ جو سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ وہ میدان جنگ میں لڑتا رہا۔ قبیلہ جمیضہ نے ان پر حملہ کیا، لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں، مجبور ہو کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، سردار کے سپاہیوں نے جواب دیا کہ تلواریں نہیں کام کر رہی۔ سردار نے غصہ میں آ کر ایک سوار پر اس زور سے برچھے کا وار کیا کہ اسکی کمر ٹوٹ گئی اور وہ اوندھا ہو کر منہ کے بل گر پڑا، یہ دیکھ کر اوروں کو بھی جرات ہوئی اور کمال مردانگی سے لڑ کر سب کو خاک وخون پر موت کی نیند سلا دیا، بڑی مشکل سے تیس ہزار میں سے تیس سواروں نے اپنی جان بچائی۔

ورفش کادیان پر قبضہ

ضرار بن الخطاب نے ایرانیوں کا نشان ورفش کادیان اپنے قبضہ میں لے لیا، جس کے بدلے میں انہوں نے تیس ہزار دینار دیئے جو درحقیقت دو لاکھ دس ہزار دینار کی مالیت کا تھا۔ پچھلی جنگوں کے علاوہ اس معرکہ میں فارس کے لشکر کے دس ہزار سپاہی مارے گئے اور اسلامی لشکر کے چھ ہزار سپاہیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس سے پہلے جنگ میں ڈھائی ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے، شہداء کے دفن کرنے کے بعد مال غنیمت اور جنگی آلات اتنے جمع کئے گئے کہ نہ اس سے پہلے اور نہ پھر اس کے بعد اتنے جمع ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رستم کا سامان ہلال بن علقمہ کو دیا اور حضرت قعقاع اور شرحبیل کو تعاقب کے لئے روانہ کیا، ان سے پہلے زہرہ بن حیوۃ فوج کا ایک دستہ لے کر ہارے ہوئے لشکر کے پیچھے نکل چکے تھے۔

جالینوس کا قتل

ادھر جالینوس مقام حرازہ میں ہارے ہوئے لشکر کو جمع کر رہا تھا، اس دوران زہرہ نے پہنچ کر حملہ کر دیا، سب کو جالینوس سمیت قتل کر ڈالا، اور جالینوس کا سامان قبضہ میں

لے لیا، حضرت سعد ﷺ نے زہرہ کو سامان کے زیادہ اور قیمتی ہونے کی وجہ سے جالنیوس کا سامان دینے سے توقف کیا اور دربار خلافت سے دریافت فرمایا، حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فرمان بھیجا کہ ابھی لڑائی کا خاتمہ نہیں ہوا، زہرہ نے بہت اچھا کام کیا ہے لہٰذا ان کی دل شکنی نہ کی جائے اور جالنیوس کے سامان کے علاوہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پانچ پانچ سو دینار اور بھی عطا فرمائیں۔

مشہور اسلامی بہادر

شکست کے بعد حضرت سلیمان بن ربیعہ باہلی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ ﷺ فارس کے ایک دستے پر حملہ آور ہوئے، جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ جنگ ختم ہونے پر پسپا ہو کر نہ بھاگیں گے اور میدان جنگ میں مر جائیں گے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن نے وہیں ان سب کو ڈھیر کر دیا۔ ایرانیوں کے لشکر کے فرار ہونے پر ان کے تیس سردار اپنی جان نثار فوج کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدمی سے لڑتے رہے، جن کے مقابلے میں اسلامی لشکر سے تیس سوار نکلے اور تھوڑی ہی دیر میں ان سب کو بھی قتل کر کے میدان کو مخالفوں سے صاف کر دیا۔ ایرانی سرداروں میں سے ہرمزان، ہود، وزاد بن بہیس، اور قارن بھاگنے والوں میں سے تھے، اور استقلال کے ساتھ میدان جنگ میں ٹھہر کر لڑنے والوں میں شہریار بن کبار، قردان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی ابن الہربذ وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے نہایت ثابت قدمی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور میدان جنگ میں مردانہ وار جان دی۔

فاروق اعظم ﷺ کا شوق سماعت

حضرت سعد ﷺ نے فاروق اعظم ﷺ کو فتح کی خوشخبری بھیجی، اور اسلامی فوج کے شہیدوں کے نام لکھے، حضرت عمر فاروق ﷺ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے جنگ قادسیہ شروع ہوئی تھی، روزانہ صبح ہوتے ہی مدینہ سے باہر نکل جاتے اور دوپہر ڈھلتے تک

قاصد کا انتظار کرتے، معمول کے مطابق ایک دن مدینہ کے باہر کھڑے ہوئے قاصد کا انتظار فرما رہے تھے کہ دور سے ایک اونٹ سوار نظر آیا، دوڑ کر اس سے پوچھا، کہاں سے آ رہے ہو؟ سوار نے کہا قادسیہ سے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری دے کر مجھے بھیجا ہے، فاروق اعظم شوق سے بے تاب ہو کر تفصیلی حال دریافت فرمانے لگے، قاصد نے کہنا شروع کیا: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اتنے مشرکین جنگ میں مارے گئے اور اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا، جنگ کے ختم ہونے کے بعد لشکر اسلام دربار خلافت سے احکام کے انتظار میں قادسیہ میں ٹھیرا رہا، یہاں تک کہ دربار خلافت سے وہیں قیام کرنے کا فرمان پہنچا۔ جنگ قادسیہ ۱۴ھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۵ھ میں اور بعضوں کا خیال ہے کہ ۱۶ھ میں ہوئی واللہ اعلم۔

(ابن خلدون ج:۳ ص:۲۸۶ تا ۲۹۹)

خلیفہ مامون کے زمانہ کا افسوس ناک تاریخی فتنہ

مامون کے عہد میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا تھا، اس کو اس مسئلہ سے اتنا شغف تھا کہ جو علماء اس کے منکر تھے انہیں سخت مصیبتیں جھیلنی پڑیں، مامون جس قدر خلق قرآن کے عقیدہ میں سخت تھا، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسی قدر اس کے انکار میں متشدد تھے، آپ بھی آزمائش سے نہ بچ سکے، لیکن مامون بھی مرتے دم تک آپ سے اس کا اقرار نہ کرا سکا اور مرتے وقت معتصم کو ان پر سختی کرنے کی وصیت کرتا گیا، یہ جاہل اور ناشناس ادب تھا، اس نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر بڑی سختیاں کیں، یہ فتنہ مامون کے عہد سے اور زیادہ بڑھ گیا، معتصم کا غلو یہاں تک بڑھا کہ اس نے سارے ممالک محروسہ میں علماء سے خلق قرآن کا اقرار کرانے کے فرامین جاری کر دیئے اور معلموں کو حکم دیا کہ بچوں کو اس عقیدہ کی تلقین کریں۔

(تاریخ خطیب ج۳ ص:۳۴۳)

قاضی احمد بن ابی داؤد جنہوں نے مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کی بدعت ایجاد کی تھی، اور واثق کے عہد تک اس کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے تھے ۲۳۷ھ میں معتوب ہوئے اور ان کی کل منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی، ان کا لڑکا ابوالولید اور پوتے قید کر دیئے گئے، ابوالولید کے پاس بڑی دولت تھی، اس نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دے کر اپنے سارے گھر کو رہا کرالیا اور اس کے بدلہ میں اپنے باپ اور بھائیوں سے ان کی جائیداد کا بیعنامہ لکھوالیا، احمد بن ابی داؤد رحمہ اللہ پر عتاب کے بعد یحیٰ بن اکثم قضات کی مسند پر بیٹھے، لیکن ۲۴۰ھ میں یہ بھی ہٹا لئے گئے اور ان کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا، جس کی مقدار ۵۷ ہزار دینار اور چار ہزار جریب زمین تھی، متوکل کی اس مثال سے خلافت عباسیہ میں استحصال بالجبر کی رسم قائم ہو گئی۔ (تاریخ اسلام ج۳ ص ۱۹۶)

ابن زیاد پر دوران خطبہ جرح کرنے والے کی تاریخی حق گوئی

کربلا میں شہادت حسین کے بعد کا واقعہ ہے کہ ابن زیاد کے کہنے پر منادی نے الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان کیا، تو لوگ مسجد میں جمع ہو گئے، ابن زیاد منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا، خطبہ کے دوران امیر المومنین علی اور امام حسین ؓ کو برا بھلا کہا، عبداللہ بن عفیف ازدی والبی سے ضبط نہ ہو سکا، بول اٹھے "اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو اور تیرا باپ ہے، اور وہ جس نے تجھے امیر بنایا ہے۔ اللہ کی مار تجھ پر ہو، نبی کے نواسوں کو قتل کر کے صدیقین اور صلحاء جیسی باتیں کرتا ہے۔

ابن زیاد نے کہا "علی بہ" اس کو میرے پاس گرفتار کر کے لاؤ، لوگوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا، عبداللہ یا مبرو یا مبرو چلا اٹھے، ازد کے چند لوگوں نے پکڑ کر چھڑا دیا ۔ پھر ابن زیاد نے ان کو پولیس کے ذریعہ گرفتار کرا کے مسجد میں پھانسی دے دی۔

(ابن خلدون ج۳ ص: ۶۲۰)

دنیا کے عظیم المرتبت جرنیل غزنوی رحمہ اللہ کی توصیف میں تاریخی جھلکیاں

بعض متعصب غیر مسلم مؤرخین نے محمود غزنوی رحمہ اللہ کو ڈاکو، لٹیرا، لالچی اور حریص تک لکھا ہے، نیز لکھا ہے کہ ہندوستان پر متواتر سترہ حملے محض مندروں کو لوٹنے کیلئے کئے تھے۔ اس کے علاوہ خاصے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ ایک مؤرخ کا کام غیر جانب دار رہ کر تاریخ لکھنا ہوتا ہے، جبکہ اکثر ہندو مؤرخین نے جانب داری سے کام لیا ہے، یقیناً محمود غزنوی دنیا کا عظیم المرتبت انسان تھا ان کی انصاف پسندی کو دیکھ کر بعض مورخین لکھتے ہیں۔ (از مؤلف)

☆ محمود کو سلاطین اسلام کی تاریخ میں ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے ایک منفرد اور بلند مقام حاصل ہے۔ محمود غزنوی فطری طور پر عسکری ذہانت کا پیکر، مستقل مزاج اور بلا کا نڈر انسان تھا۔ اس کی عسکری قابلیت مسلمہ تھی، برق رفتاری سے دشمن کے سر پر جا پہنچنا ۔ دشمن کے کمزور پہلوؤں کو فوراً بھانپ جانا اور سرگرمی وتندہی سے دشمن کے خلاف برسر پیکار ہونا اس کی کامیابی کے اہم راز تھے۔ وہ عسکری لحاظ سے اس قدر دوراندیش تھا کہ لشکرکشی کرتے وقت موسموں تک کا لحاظ رکھتا تھا۔

☆ مؤرخ لین پول نے میڈیول انڈیا انڈر محمڈن رول صفحہ نمبر ۳۳ پر لکھا ہے۔ محمود ایک نڈر سپاہی تھا۔ اس کی جرأت اور دلیری مسلمہ تھی۔ وہ پرلے درجے کا مستعد اور انتھک شخص تھا۔ اس کے دل ودماغ پر قطعی طور پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

☆ محمود کا شمار ایشیا کے عظیم ترین مسلم فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔ اس کی وسیع و عریض سلطنت کی حدود عراق اور بحیرۂ کیسپین سے دریائے گنگا تک پھیلی ہوئی تھی۔

☆ محمود غزنوی میدان جنگ میں ہمیشہ صف اول میں لڑا کرتا تھا۔ اور دشمن کی صفوں

میں خود بے دریغ شمشیر تھام کر گھس جایا کرتا تھا۔ اس نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کیے اور ہر دفعہ فتح و کامرانی اس کے حصے میں آئی۔ ایک کامیاب جرنیل کی حیثیت سے اس نے کبھی شکست کا منہ دیکھا۔

☆ محمود کا شمار ایشیاء کے عظیم المرتبت حکمرانوں کی صف اول میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مطلق العنان فرمانروا اور سلطنت کے جملہ اقتدار کا حامل تھا۔ اس کے وزیروں کی حیثیت محض ملازموں کی سی تھی۔ جن کی تنزلی اور تقرری سلطان کی مرضی پر منحصر تھی۔ وہ ایک عادل اور حق شناس حکمران تھا۔ اس کے دربار عدل میں بلا تمیز ملک وملت رنگ و نسل اور منصب و مرتبہ ہر فریادی کی رسائی ممکن تھی۔ (تاریخ ہند پاکستان ص: ۴۹۵)

☆ ڈاکٹر کاظم کے مطابق: محمود نے رواداری کی حکمت عملی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا، زمانہ امن میں اس نے ہندوؤں کے مندروں اور دوسرے مذہبی مقامات کے احترام کو برقرار رکھا، اور انہیں کبھی تاخت و تاراج اور مسمار نہ کیا۔

☆ الغرض: محمود بلاشبہ دنیا کے عظیم المرتبت فرمانرواؤں میں سے تھا۔ وہ ایک نڈر سپاہی تھا۔ تجربہ کار جرنیل اور انصاف پسند حکمران تھا۔ نیز علماء و فضلاء کا قدردان اور سرپرست تھا۔ اس نے اپنی رعایا کو امن اور فارغ البالی کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور علوم وفنوں اور تجارت کو فروغ دیا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا منتظم اور نظم ونسق کا دلدادہ تھا۔

وہ سنگدل تھا نہ لالچی اور حریص بلکہ ایک فیاض طبع بادشاہ تھا اور ہر معاملے میں اعتدال ومیانہ روی کا قائل تھا۔

☆ پروفیسر سعید الحق کے مطابق سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ بلا شک وشبہ اپنے دور کا زیرک، صاحب علم وفضل حکمران تھا۔ اس کے عہد میں فارسی علم وادب کو فروغ حاصل ہوا۔ وہ خود شعر وسخن کا رسیا اور علوم وفنون کا مربی تھا۔ اس کی علم پروری کی شہرت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اہل علم وادب کو بکمال فیاضی و دریا دلی اور انعام واکرام

سے نوازتا تھا۔ اکثر و بیشتر اہل کمال خود اس کے دربار کی زینت تھے۔

برصغیر پاک و ہند کی جو بے پناہ دولت محمود کے ہاتھ میں آئی تھی۔ اس سے غزنی شہر ایشیاء بھر میں علم و فضل اور ثقافت کا مرکز بن گیا۔ بڑے بڑے شاعر مؤرخین ، سیاستدان، علماء، فضلاء، حکماء، ریاضی دان ، علم نجوم کے ماہر دربار محمودی کی زیب و زینت تھے، جن میں عنصری، فرخی ، اسدی ، اور منوچہری جیسے بلند پایہ شعراء، بیرونی جیسا ریاضی سنسکرت و ہندی علوم کا ماہر اور نجوم وعلم ہیئت کا نکتہ دان فارابی وغیرہ شامل ہیں۔ ۴ لاکھ دینار وہ اہل علم و فضل کو ہر سال انعام دیا کرتا تھا۔ محمود نے اپنی سلطنت میں بے تحاشا مدرسے اور مکتب قائم کئے۔ مساجد و خانقاہیں تعمیر کروائیں۔ عجائب خانے اور کتب خانے قائم کئے۔

المختصر محمود غزنوی اور محمد غوری دونوں جامع صفت انسان ، راسخ العقیدہ مسلمان، عظیم جرنیل، لازوال فاتح اور بیدار مغز حکمران تھے۔ یہ کردار کی خصوصیات ہی تھی کہ بعض امتیازات و اختلافات کے باوجود دونوں اسلام کے مایہ ناز سپہ سالار، نامور فاتح اور قابل فخر حکمران تھے۔ تاریخ اسلام میں ان کا شمار عظیم ترین مجاہدین و فاتح میں ہوتا ہے۔ ان کی فتوحات کے نتیجہ میں برصغیر پاک ہند میں اسلام کی اشاعت و ترقی کی راہ ہموار ہوئی۔ دونوں اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی قوت میں اضافے کا باعث بنے ۔ ایک نے اگر مستقل اور مستحکم بنیادوں پر اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ تو دوسرے نے اس کے لئے راستہ ہموار کیا۔

☆ محمود غزنوی، محمد غوری سے اعلیٰ جرنیل اور عظیم فاتح تھا۔ اس کی جنگی مہمات، اس کی اعلیٰ عسکری ذہانت کے نادر نمونے۔ اسے میدان میں کبھی شکست نہ ہوئی۔ اس کی برق رفتاری اور چابکدستی نے دشمنوں کو حیران کر دیا۔

(محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک (جستہ جستہ) ص: ۱۲ تا ۱۹)

فاطمی خاندان کے قصر کبیر کا تاریخی ساز وسامان

فاطمی خاندان پونے تین صدیاں حکومت کر چکا تھا۔اس کے خاتمے کے بعد مصر میں ایوبی حکومت قائم ہوگئی۔فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیاست و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا،ان کے محلات نادر قسم کے جواہرات سے معمور تھے،اور وہ سارا ذخیرہ صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں آ گیا۔آیئے!فاطمی خاندان کے جواہر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ (از مؤلف)

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیاست و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا،ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز وسامان اور نادرۂ روزگار عجائبات سے معمور تھے،یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز وسامان حد شمار سے باہر تھا،اس کے پاس ایسے بیش بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی، سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی،سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا،ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی قدر چوڑا زمرد تھا،ایسے ایسے دریتیم تھے کہ دنیا میں ان کا جوڑا نہ مل سکتا تھا،ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔

لین پول کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور ان کے بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے،وہ لکھتا ہے۔

فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا، جس میں سونے کی جالی کے پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوتا تھا،جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا، خلیفہ کے ارد گرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے۔عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تو انہیں جالیوں سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا،قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے،دیوان خاص کا کام دیتا تھا،قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو جو سامان

تھے ان کا ذکر مؤرخوں نے کم کیا ہے، لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن و جواہرات کا جو عجیب وغریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے، خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا، جو بارہ انگشت کا تھا، اور ایک یاقوت نظر سے گزرا جس کا نام جبل نور تھا ،اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا، اس یاقوت کو خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا، فاطمین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی، مدتوں ضرب المثل رہی، انہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات یا زیورات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے۔ اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف نقش اور میناکاری کی طلائی چیزیں صندق اور صندوقچے میں جن پر طرح طرح کے سونے کی پچکاری تھی، کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آنبوس ہاتھی، دانت اور صندل کی تھیں درج ملتی ہیں، اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا، فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لال جڑے تھے، سنگ سماق کی میزیں، بے شمار برنجی ظروف جن پر سونے چاندی کا کام تھا، دیوار پوش، بھاری رے کے ریشمین پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت صلاح الدین کو ملی، اس میں ایک چیز بھی اس نے اپنے پاس نہ رکھی، کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں، کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں، کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے، یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی کل کو نذر کر دیں، باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جو سب کے نفع کے لئے تھا۔ (لین پول ص ۹۵، ۱۰۰)

تبوک میں آپ علیہ السلام کا قافیہ بند تاریخی خطبہ

حمد وثناء کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! سب سے زیادہ سچی بات ''کتاب اللہ'' ہے۔ اور سب سے مضبوط سہارا، تقویٰ اور پرہیز گاری کی بات ہے، سب سے بہترین، ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام گفتار سے بہتر اللہ کا ذکر ہے اور سب قصوں اور کہانیوں سے بہتر یہ قرآن ہے اور سب سے بہتر امور فرائض وواجبات ہیں اور سب سے بدترین کام ایجاد بندہ اور بدعات ہیں اور سب سے اچھی رہنمائی انبیاءؑ کی رہنمائی ہے اور سب سے افضل موت جام شہادت کی موت ہے۔ اور سب سے زیادہ اندھا پن رشد وہدایت کے بعد گمراہی وضلالت ہے ۔ بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل ہو۔ بدترین اندھا پن دل کا اندھا ہونا ہے۔ اونچا ہاتھ یعنی دینے والا...... نیچے والے یعنی لینے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ کم بقدر کفایت، زیادہ مال اور غافل کرنے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ بدترین معذرت موت کے وقت ہے۔ بدترین شرمندگی وہ ہے جو قیامت کے دن ہو۔ بعض لوگ جمعہ میں دیر سے آتے ہیں بعض لوگوں کے دل خدا کی یاد میں اور اس کے ذکر میں نہیں لگتے۔ سب سے بڑا جرم جھوٹی زبان ہے۔ بہترین تونگری، دل کی غنی اور تونگری ہے۔ بہترین اور کار آمد توشہ زادراہ تقویٰ ہے۔ اصل دانائی اللہ کا خوف ہے۔ دل کی تمام باتوں میں سے بہتر یقین ایمان ہے۔ دینی باتوں میں شک وشبہ کفر ہے، نوحہ اور میت پر چیخنا اور چلانا جاہلیت اور کفر کی عادتوں میں سے ہے۔ خیانت جہنم کا ٹکڑا ہے۔ برا شعر، ابلیس کا القاء ہے۔ شراب گناہ کی جڑ ہے۔ عورتیں شیطان کے جال ہیں، جوانی دیوانی اور جنون کا ایک حصہ ہے۔ سب سے بدترین کمائی سود کی ہے، سب سے بدترین کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے، بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی برا لکھ دیا گیا۔ تم میں سے ہر کوئی چار

ہاتھ کی تنگ و تاریک قبر میں جانے والا ہے اور معاملہ آخرت پر موقوف ہے۔ اعمال کا انجام اور انحصار آخرت پر موقوف ہے۔ بدترین راوی وہ ہیں جو جھوٹی روایات بیان کرتے ہیں، اور ہر آنے والی چیز قریب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے۔ مسلمان سے قتال اور لڑائی کفر ہے۔ اور اس کی غیبت اللہ کی نافرمانی ہے۔ اور مسلمان کا مال و متاع اس کے قتل و خون کی طرح قابل حرمت ہے، اور جو شخص اللہ پر قسم کھائے گا کہ اللہ ضرور ایسا کرے گا، مثلاً اس کو جنت دے گا اور فلاں کو دوزخ، تو اللہ پاک اس کو جھوٹا کر دے گا۔ جو شخص اللہ سے بخشش مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔ جو شخص درگزر کرے گا اللہ اس سے درگزر کرے گا۔ جو شخص غصہ پی جائے، تو اس کو صلہ و ثواب ملے گا۔ جو شخص مصیبت پر صبر کرے گا اللہ عزوجل اسے اس کا بدلہ دے گا اور جو شخص دکھاوے اور ریا و نمود اور شہرت کا طالب ہوگا، اللہ پاک بھی اس کو سب کے سامنے جتا جتا کر عذاب دے گا، اور جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کئی گناہ اجر دے گا، اور جو شخص گناہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عذب دے گا۔ الٰہی! مجھے اور میری امت کو بخش۔ (یہ جملہ تین بار کہا) پھر فرمایا، میں اپنے اور تمہارے لئے مغفرت کا طالب ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں نکارت ہے، اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تاریخ ابن کثیر ج ۳ حصہ ۵ ص: ۵۰، ۵۱)

خلیفہ کے دل میں علماء و صلحاء کے احترام کا تاریخی واقعہ

جعفر متوکل علی اللہ نے منصب خلافت پر براجمان ہونے کے بعد تمام غلط عقائد و خیالات کو یک قلم بند کروادیا۔ اس وقت سب سے بڑی بدعت خلق قرآن اور رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ کی تھی۔ قاضی ابراہیم بن محمد تمیمی کہتے تھے کہ متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا۔ ان کا علماء سے احترام کا واقعہ مندرجہ ذیل ہے۔ (از مؤلف)

علماء کا بڑا احترام کرتا تھا اور اہل اللہ سے عقیدت رکھتا تھا، ایک مرتبہ اس نے احمد بن معذل اور دوسرے علماء کو اپنے یہاں بلایا، وہ سب آئے، جب متوکل برآمد ہوا تو سب علماء کھڑے ہوگئے۔ لیکن ابو معذل اپنی جگہ بیٹھے رہے، متوکل نے عبید اللہ سے پوچھا! کیا وہ مجھ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے، عبید اللہ نے کہا، خلیفہ کیوں نہیں مانتے اور معذرت میں کہا کہ ان کو دکھائی کم دیتا ہے، احمد بن معذل یہ معذرت سن کر بولے، امیرا لمومنین میری نگاہ میں کوئی خلل نہیں ہے، میں نے آپ کو عذاب دوزخ سے بچایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، یہ سن کر متوکل ان کے پاس بیٹھ گیا۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ج ۳ ص: ۲۰۱)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کی تاریخی فتوحات

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت دس برس چھ مہینے چار دن تھا۔ فتوحات فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وسعت اور اس کی حدود اربعہ کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ میل، مشرق کی جانب ۱۰۸۷ میل، اور مغرب کی جانب جدہ تھا، جس میں شام، مصر، عراق، عرب جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، ارمینہ، آزر بائیجان، فارس، کرمان، خراسان، اور مکران، جس میں کچھ حصہ بلوچستان کا بھی شامل تھا یہ علاقے فتح ہوئے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس دس برس سے کچھ زائد وقت میں ہوئیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفس نفیس کسی میں شریک نہیں ہوئے، مگر فوجیں ہر جگہ کام کررہی تھیں اور فوجی کی امداد ہر موقع پر ان کو پہنچا رہے تھے لیکن ان کی باگ ڈور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، ان سب لڑائیوں میں دو موقعہ نہایت خطرناک تھے،

(۱) حمص کا واقعہ، اس پر قیصر روم نے دوبارہ اہل جزیرہ کی مدد سے چڑھائی کردی تھی۔

(۲) نہاوند کا معرکہ جب کسریٰ فارس نے تمام ملک ایران میں نقیب دوڑا کر ایک قومی

جوش پیدا کردیا تھا، ان دونوں موقعوں پر حضرت فاروق اعظم ؓ ہی کا کام تھا کہ انہوں نے مخالفین کے اٹھتے ہوئے سیلاب کو نہ صرف روکا بلکہ ان کو تباہ و برباد کر کے ہوا میں اڑا دیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص: ۳۵۵)

حضرت حسین ؓ کا دل ہلا دینے والا تاریخی خطاب

حضرت حسین ابن علی ؓ کو کوفہ پہنچنے سے کچھ پہلے ''حُرّ'' نے روک لیا اور کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں آپ کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔ حضرت حسین ؓ نے کہا کہ اس سے تو موت اچھی ہے، اور اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دیا، مگر (حر) نے روک لیا، تو آپؓ نے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

(از مؤلف)

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی ظالم بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محرمات کو حلال کر رہا ہے، اس کے عہد کو توڑ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی نہیں کر رہا۔ خلق اللہ میں ظلم و گناہ کے کام کر رہا ہے اور اس نے کسی قسم کی دست اندازی قولی یا عملی نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کے ساتھ شمار کر لے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! کہ ان لوگوں یعنی (یزید و امراء یزید) نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری چھوڑ کر شیطان کی تابعداری شروع کر دی ہے اور فتنہ و فساد پیدا کر دیا ہے۔ حدود شرعی سے دست کش ہو گئے ہیں، مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ میں ان لوگوں سے زیادہ ''صاحب الامر'' ہونے کا مستحق ہوں۔ تمہارے خطاط و قاصد میرے پاس آئے اور تم نے مجھ کو بیعت کرنے کے لئے بلایا، اب تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر تم اپنے بیعت و اقرار پر قائم رہو گے تو راہ حق پا جاؤ گے۔ میں (حسین) علی اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا بیٹا ہوں، میری جان تمہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں۔ تمہیں میرے ساتھ بھلائی کرنی چاہئے، اور

اگر تم نے ایسا نہ کیا اور عہد شکنی کی تو یہ کوئی تعجب والی بات نہیں ہوگی، تم نے میرے باپ، میرے حقیقی بھائی حسنؓ و چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کے ساتھ بدعہدی کی ہے، افسوس ہے کہ تم لوگ مجھ کو دھوکہ دے کر اپنا حق اور دینداری کا حصہ ضائع کر رہے ہو۔ پس جو شخص بدعہدی کرے گا، وہ اپنے لئے کرے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ کو تم سے بے پرواہ کر دے گا والسلام۔ (ابن خلدون ج ۳ ص: ۵۹۳)

مسلم بن عوسجہ کی پر جوش تاریخی تقریر

کربلا میں مسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا، کیا آپ کو تنہا چھوڑ کت چلے جائیں؟ حالانکہ ہم نے آپ کے حقوق ادا نہیں کیے، اللہ کی قسم ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک آپ کے دشمنوں کے سینے میں فوراً اپنے تیز نیزوں کی نوک نہ چھولیں۔ اپنی تلواروں سے جب تک وہ ہمارے قبضے میں ہیں ان کی گردنوں کو ان کے ناپاک جسم سے جدا نہ کرلیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس کوئی اسلحہ نہ ہوتا تو ان کو میں آپ کی حمایت میں پتھروں سے مارتا یہاں تک کہ میں خود آپ پر جان فدا کر دیتا۔

(ابن خلدون ج:۳ ص:۶۰۰)

جامع مسجد اموی (دمشق) کے تاریخی عجائب

مسجد کی چھت میں مختلف قسم کی کچھ ایسی عجیب وغریب چیزیں لٹکائی گئی تھیں جن کے ذریعہ مختلف قسم کے حشرات الارض اور جانوروں کے مسجد میں داخل ہونے کا امکان ختم کر دیا گیا تھا، ان چیزوں کو طلسمات کہا جاتا تھا۔ ایک ''طلسم'' کا اثر یہ تھا کہ مسجد میں ''سنونو'' نامی پرندہ اپنا گھونسلہ نہیں بنا سکتا تھا، اور کوئی کوا داخل نہیں ہو سکتا تھا، ایک ''طلسم'' چوہوں کو داخل ہونے سے روکتا تھا، ایک ''طلسم'' سانپ اور بچھو کو، ایک طلسم مکڑیوں کے لئے تھا اور ایک کبوتروں کے لئے، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی جانور مسجد

میں داخل نہیں ہوسکتا تھا، اس مسجد کا ایک عجوبہ یہاں کی محیر العقول گھڑی تھی جو تقریباً دو کمروں کے برابر تھی، اس میں دن کا وقت بتانے کے لئے الگ نظام تھا، اور رات کا وقت بتانے کے لئے دوسرا نظام تھا۔ یہ عجیب وغریب گھڑی چھٹی صدی ہجری کے مشہور انجینئر (مہندس) محمد بن عبدالکریم نے ایجاد کی تھی، جو دمشق ہی کے باشندے تھے، ۵۹۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

شام کے نابغۂ روزگار حافظ الحدیث ''علامہ ابن عساکر'' کر نے دمشق کی تاریخ پر اسی (۸۰) جلدوں میں جو تالیف کی ہے وہ بھی اسی مسجد میں انجام پانے والا کارنامہ ہے، اس میں علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس مسجد کی بہت تفصیلات تحریر فرمائی ہیں، اور بعد میں اندلس کا ایک سیاح ابن جبیر جب یہاں آیا اور اس نے جو روئیداد لکھی ہے اسے پڑھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مسجد کو دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا ہے۔

(انبیاء کی سرزمین ص ۱۱۵)

مسلمانوں کی ذمیوں کے ساتھ ۱۷ تاریخی شرائط

۷۰۰ھ کی بات ہے کہ ذمیوں کا اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا تھا، چنانچہ وقت کے سلطان نے علماء اور فقہا کو جمع کر کے متفقہ طور پر چند شرائط طے کروائیں کہ ....ذمیوں کی کچھ ایسی علامات ہونی چاہیں جس سے وہ مسلمانوں سے الگ پہنچانے جاسکیں۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی جیسے۔ مثلاً

۱- عیسائی کالی پگڑیاں باندھیں اور یہودی پیلی

۲- ان کی عورتیں بھی مسلمان عورتوں سے الگ نظر آنے کے لئے مناسب علامات اختیار کریں۔ نہ تو ذمی گھوڑے پر ہوں اور نہ اسلحہ اٹھائیں۔

۳- جب سوار ہوں تو گدھے پر، اور وہ بھی چوڑائی کے لحاظ سے (یعنی جس طرح ہمارے ہاں خواتین موٹر سائیکل پر بیٹھتی ہیں۔ مترجم) اور راستے کے بیچ میں نہ چلا

کریں۔

۴- ذمیوں کی آواز مسلمانوں کی آواز سے اونچی نہ ہوا کرے۔

۵- ذمیوں کی عمارتیں اور گھر بھی مسلمانوں کے گھروں سے اونچے اور بلند نہ ہوا کریں۔

۶- ذمی اپنی خاص رسوم ورواج کا اظہار کھلے عام نہ کیا کریں۔

۷- ذمی ناقوس نہ بجایا کریں۔

۸- نہ کسی مسلمان کو عیسائی بنائیں (یعنی مسلمانوں کو عیسائیت کی تبلیغ نہ کریں) اور نہ کسی مسلمان کو یہودی بنائیں۔

۹- کسی سے مسلمان غلام نہ خریدیں۔

۱۰- اور نہ کسی مسلمان جنگی قیدی کو پکڑیں۔

۱۱- ذمی ایسی کوئی چیز نہ خریدیں جو مسلمانوں کے حصے میں آچکی ہیں۔

۱۲- کوئی بھی ذمی جب حمام میں داخل ہو تو اپنے گلے میں گھنٹی باندھ لے، تاکہ پہچانا جائے۔

۱۳- اپنی انگوٹھیوں اور نگینوں پر عربی میں نقوش نہ بنائیں

۱۴- اپنی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم نہ دیں۔

۱۵- مسلمان خادم سے کوئی مشکل کام نہ لیں۔

۱۶- آگ نہ جلائیں

۱۷- اگر کسی ذمی نے مسلمان عورت سے زنا کیا تو اس ذمی کو قتل کردیا جائے۔

چنانچہ ان شرائط کے مطابق معاہدہ ہوگیا، عیسائیوں کے بڑے مذہبی رہنما نے کہا کہ مجھ پر میری قوم اور میرے ساتھیوں پر اس معاہدے کی خلاف ورزی حرام ہے۔ اسی طرح یہودیوں کے رہنما نے کہا کہ میرے گروہ اور میری قوم پر اس معاہدے کی پابندی

ضروری ہوگئی۔ چنانچہ اس معاہدے کو لکھوا کر چاروں طرف کے صوبوں اور ان کے گورنروں کے پاس بھجوادیا گیا۔ (ابن خلدن ج ۷ ص:۱۳۱،۱۳۲)

ذمیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کا ۱۷ شرائط پر تاریخی معاہدہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر اس معاہدے کا بھی ذکر کردیا جائے جو حضرت عمرؓ اور ذمیوں کے درمیان ہوا تھا۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

شام اور مصر کے عیسائیوں کی طرف سے امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے نام، جس وقت آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے اپنی اپنی اولاد کی اور اپنی قوم کی جان اور مال کی حفاظت کے لئے آپ سے عرض کی تھی۔ چنانچہ اس کے بدلے میں ہم مندرجہ ذیل امور کی پابندی کریں گے۔

۱ ہم اپنے شہروں میں اور ان کے آس پاس نہ ہی کوئی نئی خانقاہ تعمیر کریں گے، اور نہ گرجا، اور نہ راہبوں کے لئے کوئی نئی عمارت، بلکہ اگر کسی نئی عمارت کی تعمیر شروع ہوچکی ہو تو اسے مکمل نہ کریں گے، اور اگر کوئی عمارت تباہ ہوچکی ہو تو اسے نئے سرے سے تعمیر نہ کریں گے۔

۲ ہم مسافروں کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھیں گے، اور اگر کوئی مسلمان مسافر آیا تو تین دن تک اسے اپنے پاس رکھیں گے اور کھانا کھلائیں گے۔

۳ ہم اپنے گھروں اور گرجوں میں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے اور نہ کوئی عیب مسلمانوں سے چھپا کر رکھیں گے۔

۴ اپنے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم نہ دیں گے اور نہ ہی اپنے مذہب کی تبلیغ کریں گے۔

5 ہم میں سے یا ہمارے رشتے داروں میں سے اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے نہیں روکیں گے۔

۶ مسلمانوں کا احترام کریں گے، اور اگر وہ ہمارے پاس بیٹھنا چاہیں تو ہم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کریں گے۔

۷ ہم مسلمانوں جیسے لباس، عمامہ، ٹوپی اور جوتے استعمال نہیں کریں گے، اور نہ مسلمانوں جیسے بال بنائیں گے، ان جیسے نام رکھیں اور نہ کنیت استعمال کریں گے۔

۸ نہ ہم گھوڑے پر سوار ہونگے، نہ تلوار لٹکائیں گے، نہ ہتھیار بنائیں گے اور نہ اپنے پاس رکھیں گے۔

۹ اپنی انگوٹھیوں اور نگینوں پر عربی میں نقوش نہیں بنوائیں گے۔

۱۰ ہم مہمان کا استقبال کریں گے خواہ کہیں بھی ہوں۔

۱۱ ہم اپنی کمر پر زنار باندھیں گے اور صلیبوں کو واضح نہ کریں گے۔

۱۲ ہم اپنا دریچہ یا آرام گاہ نہ مسلمانوں کے راستوں میں کھولیں گے اور نہ ان کے بازاروں میں۔

۱۳ نہ ہم مسلمانوں کے سامنے ناقوس بجائیں گے اور نہ اپنے خاص مذہبی رسم و رواج کا اظہار کریں گے۔

۱۴ ہم اپنے جنازوں میں اپنی آواز بلند نہ کریں گے، اور نہ اپنے مردے ان کے پاس دفنائیں گے۔

۱۵ مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں آگ روشن نہ کریں گے۔

۱۶ ہم وہ غلام بھی نہ خریدیں گے جو مسلمانوں کے حصے میں آچکا ہے۔

۱۷ نہ ہم اپنی عمارتیں مسلمانوں کی عمارتوں سے زیادہ بلند کریں گے اور نہ ان کے گھروں پر جھانکیں گے۔

چند مزید شرائط

یہ معاہدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں یہ اضافہ

بھی کیا کہ ہم (یعنی عیسائی) کسی مسلمان کو نہ ماریں گے، اور ہم نے یہ شرائط خود اپنے آپ پر، اپنی قوم اور قبیلے پر لازم کرلی ہیں، اور ان کے بدلے امان حاصل کی ہے۔ چنانچہ اگر ہم نے ان شرائط کی ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کی جن کو ہم نے اپنے آپ پر اور اپنی قوم پر ضروری قرار دیا ہے تو آپ پر ہماری کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، اور ہمارے ساتھ وہ سلوک کرنا جائز ہو جائے گا جو دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں ایک اور شرط کا اضافہ کیا کہ "جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مارے گا تو اس نے اس معاہدے کو توڑ دیا"۔ اور پھر اس معاہدے کو نافذ کرنے کا حکم دے دیا۔ (حوالہ ایضاً)

مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھنے والے کی فوج کا تاریخی انجام

۵۷۹ھ کا واقعہ ہے کہ شام کے فرنگی فرمانرواؤں میں ریجی نالڈ (پرنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا، شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا، زیادہ تر وہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، لین پول نے اس کو مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عہد و پیمان کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، معاہدوں کے توڑنے میں ان کو خاص شہرت حاصل تھی، اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا تھا۔

اس کو اسلام اور مسلمانوں سے اتنی عداوت تھی کہ ۵۷۸ھ میں اس نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر پورا نہ ہوسکا، ایک سال بعد ۵۷۹ھ میں پھر اس نے کوشش کی۔

لین پول لکھتا ہے کہ:

ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا قصد کیا، تاکہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کردے، اسکے لئے اس نے ایسے جہاز تیار کرائے جن کے ٹکڑے ہو سکتے تھے، ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا اور انہیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا، اور عیذاب کو لوٹنے چلا، عیذاب بحر قلزم کے افریقی ساحل پر واقعہ تھا، اس نے دو جہازوں کو بیچ میں ڈال کر ایک کا بحری راستہ بند کردیا، مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کا حجازی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے تعاقب میں چلا، اس کا امیر البحر لولوء تھا، اس نے آتے ہی پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی کل فوج کو ''الحوراء'' تک جو بحر قلزم کا چھوٹا بندرگاہ تھا لے آیا، ریجی نالڈ نے اسی بندرگاہ سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، فرنگیوں نے جونہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا تو وہ ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگے، لولوء نے بدوؤں سے گھوڑے لے لے کر سپاہیوں کو اس پر سوار کیا اور دوڑ کر دشمن کو غار اور باغ میں جا پکڑا، اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے، ریجی نالڈ خود بھاگ گیا مگر اس کے ساتھ والوں میں بہت سے لوگ قتل کیے گئے، لولوء نے کسی کو جان کی امان نہ دی۔ (صلاح الدین لین پول ص: ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۷۴)

میں ''محمد ﷺ سے مدد چاہتا ہوں'' تاریخی جملہ اور تاریخی قتل

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، اسی دوران سلطان نے ۵۸۳ھ میں صفوریہ کا رخ کیا اور فرنگیوں کے قریب ہی طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتار دیں۔ کافی طویل جنگ ہوئی، فرنگیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا اور گرفتار بھی کیا۔ جن میں یروشلم کا بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ بھی گرفتار ہوا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے ۵۷۸ھ اور ۵۷۹ھ میں دو مرتبہ مکہ اور مدینہ پر حملہ کی کوشش کی تھی۔ آیئے دیکھتے ہیں

کہ سلطان ایسے بد بخت کو کیسے قتل کرتے ہیں۔ (از مؤلف)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اتنے صلیبی قتل اور گرفتار ہوئے کہ مقتولین کے انبار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پوری فوج قتل ہوگئی، اور قیدیوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کل فوج زندہ گرفتار کرلی گئی۔

ابوشامہ لکھتا ہے کہ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے، مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی جو زندہ بچے تھے وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہوگئے، ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا۔

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے، یروشلم کے بادشاہ گائی کو اس نے اپنے پہلو میں جگہ دی، باقی امراء کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق بٹھایا۔ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کا عہد کیا تھا، گائی اس کو بچانا چاہتا تھا، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لئے پانی مانگا، برف کا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے پیش کیا گیا، گائی نے خود تھوڑا سا پی کر باقی ریجی نالڈ کو دے دیا، عربوں کا دستور تھا کہ جس قیدی کو کھانا پانی دیتے تھے، وہ گویا مامون ہو جاتا تھا، اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا! میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا ہے، اس لئے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے، اور تمام قیدیوں کو کھانے کے لئے رخصت کر دیا، صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا، اور ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گذشتہ بداعمالیوں کو گنا کر کہا ''اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں'' (یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کرلیا تھا اور انہوں نے اس سے رہائی کی درخواست کی تھی تو ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ اس وقت محمد ﷺ کو چھڑانے کے لئے کیوں نہیں بلاتے)۔

گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا، تاہم اس نے اسلامی اصول کے موافق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کر کے اپنی قسم پوری کی۔

گائی ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا، سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا ''بادشاہوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ وہ دوسرے بادشاہ کو قتل کریں'' ریجی نالڈ کو صرف اس کی حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بدرجہ مجبور قتل کرنا پڑا۔

(تاریخ اسلام ندوی جلد ۴ ص: ۲۲۷)

ایک حیرت انگیز تاریخی واقعہ

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المنتظم'' میں سند کے ساتھ لکھا ہے کہ بنی عزرہ کے ایک نوجوان کا ابن ام الحکم کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت معاویہ ﷜ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ بنو عذرہ کا ایک نوجوان آ کر سامنے کھڑا ہوا اور اشعار سنانے لگا، جن میں وہ اپنی بیوی سعاد کی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہ ﷜ نے اسے قریب بلا کر اس کا قصہ پوچھا، تو اس نے کہا اے امیر المؤمنین میں نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی، میں اونٹ اور بکریوں کا مالک تھا، میں نے وہ سارا مال اس پر لٹا دیا، جب میرا مال زوال پزیر ہونے لگا، تو اس کا باپ مجھ سے کنارہ کش کر کے جا کر کوفہ کے والی سے میری شکایت کر دی، اور کوفہ کے گورنر کو میری بیوی کی خوبصورتی کی اطلاع مل چکی تھی، میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور میرے اوپر جبر کرنے لگا کہ میں اسے طلاق دیدوں، چنانچہ مجبوراً میں نے اسے طلاق دیدی۔ عدت ختم ہوتے ہی آپ کے گورنر نے دس ہزار درہم دے کر اس سے شادی رچالی۔ اے امیر المومنین! میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ غمزدہ، پریشانوں، مظلوموں کے مددگار ہیں، مجھے اس غم سے نجات مل سکتی ہے؟ پھر وہ رو رو کر یہ اشعار

پڑھنے لگا، (ترجمہ) میرے دل میں آگ لگی ہے، آگ میں چنگاریاں ہیں، میرا رنگ زرد ہو چکا ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں، میری آنکھیں تیز بارش کی مانند برس رہی ہیں، عاشق کی حالت عبرت ناک ہے جس سے طبیب بھی حیران ہے، میں نے بڑے دکھ برداشت کئے، اب مزید کی گنجائش نہیں رہی۔ ہائے رات میرے لئے رات نہ ہوتی اور دن میرے لئے دن نہ ہوتا۔

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر رحم آیا، چنانچہ انہوں نے ابن الحکم کو خط لکھا، جس میں اسے سخت وسست کہا تھا، ڈانٹ پلائی تھی، اور لکھا تھا کہ فوراً یکبارگی اسے طلاق دو، جب خط پہنچا تو اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ امیر المومنین مجھے اور اس عورت کو ایک سال تک رہنے دیں، پھر مجھے تلوار کے حوالے کر دیں، پھر وہ اس کی طلاق کے متعلق غور کرنے لگا، لیکن اس کا دل نہیں مان رہا تھا، اور جو ایلچی خط لے کر آیا تھا وہ اسے طلاق کی ترغیب دیتا رہا، بالآخر اس نے اسے طلاق دیدی۔ اور وفد کے ہمراہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، جب وہ ان کے سامنے کھڑی ہوئی تو بڑا دل کش منظر تھا، بڑی فصیح اللسان اور شیریں کلام تھی، خوبصورتی اور حسن میں بھی اسے کمال حاصل تھا، اس نے اس کے چچا کے بیٹے سے کہا، اے اعرابی! کیا اس کو ایک بڑے عوض کے بدلے بھول سکتے ہو، اس نے کہا ہاں جب تم میرے سر اور جسم کو علیحدہ کر دو، پھر یہ اشعار پڑھنے لگا۔

ترجمہ: مجھے ضرب المثل اور اس شخص کی طرح بنا کر مت چھوڑ جو گرمی سے بچنے کے لئے آگ کی پناہ چاہتا ہے۔ غمزدہ اور پریشان شخص کو اس کی سعاد واپس دلاؤ، جو اس کی یاد و فکر صبح و شام کرتا ہے۔ اسے ایسا قلق اور اضطراب طاری ہے جس کی کوئی مثال نہیں، اور اس کا دل خوب جلا ہوا ہے، اللہ کی قسم میں اس کی محبت کو بلا نہیں سکتا جب تک میں اپنی قبر میں پتھروں کے نیچے نہ چلا جاؤں، میں کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں جب کہ دل اس کا

دیوانہ ہے اور اسے اس کے بغیر کچھ صبر نہیں۔

حضرت معاویہ ﷺ نے فرمایا، ہم اس عورت کو اختیار دیتے ہیں، وہ مجھے، یا تجھے، یا ام الحکم میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے، تو اس عورت نے یہ شعر کہے۔

ترجمہ: اگر چہ اس شخص کا حلقہ محدود ہے اور اس کے پاس مال و آسائش کی کمی ہے لیکن مجھے اپنے والدین پڑوسیوں اور دراہم ودینار سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ سن کر حضرت معاویہ ﷺ ہنسے اور اس شخص کے لئے دس ہزار دینار، دراہم، سواری اور بچھونوں کا حکم فرمایا، اور جب اس عورت کی عدت پوری ہوگئی تو ان دونوں کا نکاح کروادیا اور عورت اس شخص کے حوالے کر دی۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص: ۵۵۳، ۵۵۴)

حضرت علی ﷺ کے حکمت آموز تاریخی اقوال

حضرت علی ﷺ نے فرمایا: زیادہ ہوشیاری برا گمان ہے۔ (ابوالشیخ ابن حبان)

محبت اپنے سے بعید النسب شخص کو قریب کر دیتی ہے اور عداوت قریب النسب آدمی کو بعید کر دیتی ہے۔ دیکھو ہاتھ جسم میں سب سے زیادہ قریب ہے مگر جب ہاتھ خراب ہو جاتا ہے تو کاٹ دیا جاتا ہے اور پھر جھلسایا جاتا ہے۔ (ابونعیم)

آپ ﷺ نے فرمایا: میری پانچ باتیں یاد رکھو۔ (۱) کسی شخص کو سوائے گناہ کے اور کسی سے نہ ڈرنا چاہئے (۲) اور سوائے اپنے رب کے کسی سے امید نہ رکھنی چاہئے (۳) جو چیز آدمی نہ جانتا ہو اس کے سیکھنے میں کبھی شرم نہ کرنی چاہئے۔ (۴) عالم کو اس وقت شرم نہ کرنی چاہئے جبکہ وہ کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو اور اگر کوئی اس سے اس مسئلہ کو دریافت کرے تو یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (۵) صبر اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے سر اور جسم کی، جب صبر جاتا رہا سمجھو کہ ایمان جاتا رہا کیونکہ جب سر ہی جاتا رہا تو جسم کہاں بچ گیا۔ (ابن منصور) (تاریخ الخلفاء ص: ۲۳۶، ۲۳۷)

سندھ کے حدود اربعہ کی تاریخی حیثیت

آج کل صوبہ سندھ جس مختصر سے خطہ زمین کا نام ہے آج سے بارہ سو سال پہلے سندھ صرف اس محدود خطہ کا نام نہیں تھا بلکہ وہ ایک طویل وعریض اور وسیع ملک تھا۔ اس زمانہ کے مورخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک، مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک، شمال مین ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پنجاب کے جنوبی اضلاع، بلوچستان کا اکثر حصہ، صوبہ سرحد کا جنوبی حصہ، راجپوتانہ کا اکثر حصہ، گجرات کا شمالی حصہ مع موجودہ ملک سندھ کا تھا۔ مورخین نے راجہ چچ اور اس کے پیش رو راجہ کے جو حدود حکومت بیان کئے ہیں وہ اس مذکورہ سندھ سے بھی زیادہ وسیع ہیں، لیکن عرب حملہ آوروں اور ان کے مورخین نے جس ملک کو سندھ کے نام سے تعبیر کیا ہے اسی کے وہ حدود ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

(آئینہ حقیقت نما ص:۶۹)

علی بن حسین ؓ کی مدح میں فرزدق کے ۲۳ تاریخی اشعار کا ترجمہ

علی بن حسین ؓ جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہوئے، حج کے موقع پر تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا، وہ ایک ملیح شکل ولباس، وجیہ انسان تھے، لوگوں نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے حقارت اور تجاہل عارفانہ کے طور پر کہا میں ان کو نہیں جانتا، تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ فرزدق شاعر بھی وہاں موجود تھا، اس سے رہا نہ گیا، اس نے کہا ان سے کون واقف نہیں (سب جانتے ہیں) لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

ترجمہ: (۱) بطحاء کا سارا علاقہ اس سے واقف ہے، خانہ کعبہ احلی وحرم سب اسے جانتے تھے۔(۲) یہ اللہ کے بندوں میں سے سب سے بہترین کا لڑکا ہے، یہ متقی پاک باز اور صاحب علم ہے۔(۳) اہل قریش اسے دیکھ کر کہتے ہیں تمام فضائل ومناقب اس شخص پر ختم ہیں۔(۴) قریب ہے کہ اسلام کے وقت اللہ کی رحمت اسے روک لے۔(۵) وہ حیاء سے آنکھیں نیچی رکھتا ہے، لوگوں کی آنکھیں نیچی رہتی ہیں اس کے مسکرانے کے وقت لوگ بات کرتے ہیں۔(۶) ہدایت کا نور اس کی پیشانی سے ہویدا ہے، جس طرح کہ سورج کی کرنیں اسے چھو کر نکلتی ہیں۔(۷) وہ قدموں کا بوجھ اٹھانے واالا ہے جب وہ بوجھ سے دب جائیں، وہ حالات کو سازگار بنانے والا ہے۔(۸) اگر تمہیں معلوم نہیں تو یہ فاطمہ کا لڑکا ہے، ان کے جدامجد خاتم النبیین ہیں۔(۹) انہیں کو افضل الانبیاء کی فضیلت سے نوازا گیا، اسی طرح انہیں کی امت کو خیر الامم کا لقب عطا کیا۔(۱۰) تمام مخلوقات پر ان کا احسان ہے، انہی کی وجہ سے گمراہی افلاس اور ظلمت کا خاتمہ ہوا۔(۱۱) ان کے دونوں ہاتھوں کے فیضان کی وجہ سے ان کا نفع عام ہے، ان کے دونوں ہاتھ کبھی خالی نہیں ہوتے۔(۱۲) وہ نرم خو شخص ہے جس سے نقصان کا بالکل اندیشہ نہیں، بردباری اور کرم نے اس میں مزید نکھار پیدا کردیا۔(۱۳) وہ وعدہ خلاف نہیں، اس کی غیر حاضری بھی امن کی ضمانت ہے، وہ کشادہ دست اور بڑا الوالعزم ہے (۱۴) ان کی جماعت سے محبت (کرنا) دین ہے، ان سے بغض کفر ہے اور ان کی قربت نجاۃ کا ذریعہ ہے (۱۵) وہ لوگوں سے محبت کے ذریعہ بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹالتا ہے، اس پر مستزاد ان کا احسان وانعام ہوتا ہے (۱۶) اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر تمام چیزوں سے مقدم ہے، ان کا ہر حکم سربہ مہر ہوتا ہے (۱۷) اگر اہل تقویٰ کو شمار کیا جائے تو وہی ان کے آئمہ نکلیں گے، اگر روئے زمین پر اہل خیر کو تلاش کیا جائے تو ان ہی کا نام لیا جائے گا۔(۱۸) بڑے سے بڑا سخی ان کی انتہاء کو نہیں پہنچ سکتا، اگر وہ کرم نوازی پر اتر آئیں تو

کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کرسکتی (۱۹) وہ زبردست طاقت والے ہیں، جب وہ کسی کا ذمہ لے لیتے ہیں تو اس پر پورا اترتے ہیں، اور خطرات کے وقت وہ غضبناک ہوجاتے ہیں (۲۰) وہ برائی اور ذلت کو قبول نہیں کرسکتے، ان کے خیمے مہمان نواز ہیں، ان کے ہاتھ سخاوت کے عادی ہیں (۲۱) کون سی مخلوق ان کے احسان کے زیر بار نہیں۔ ان کے انعام واکرام اس کی ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ (۲۲) تونے ان کو کچھ کہا نہیں یہ ان کی بصیرت ہے، جس کا تو منکر ہے، سارا عرب وعجم اس سے واقف ہیں (۲۳) جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ اس سے بھی واقف ہے، مخلوقوں نے اسی گھرانے سے دین سیکھا۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۵ حصہ ۹ ص: ۱۳۶)

یزید ناقص کا بنوامیہ سے مختصر تاریخی خطاب

ابی عثمان لیثی سے روایت ہے کہ یزید ناقص نے بنوامیہ سے مخاطب ہوکر یہ کہا........کہ تم غناء سے پرہیز کرو، کیونکہ غنا یعنی گانا بجانا شرم کو کم کرتا ہے اور خواہشات نفسانیہ کو بڑھاتا ہے اور مروت کو زائل کرتا ہے، شراب نوشی کی رغبت دلاتا ہے اور بدمستوں اور نشہ بازوں کے سے کام کراتا ہے، اگر تم گانا بجانا کروگے تو زنا کے ضرور مرتکب ہوگے، کیونکہ گانا زنا کا پیش خیمہ ہے، کم ازکم عورتوں کو گانے سے دور رکھو۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۳۳۹)

ایک بادشاہ کی فقیری کا تاریخی قصہ

خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ میں ایک روز ہشام بن عبدالملک کے یہاں مہمان ہوا۔ ہشام نے مجھ سے کہا کہ کوئی قصہ سناؤ، میں نے کہا کہ ایک بادشاہ، ذی علم، صاحب اقبال ایوان خورنق کی طرف سیر کیلئے نکلا۔ اس نے راستہ میں اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ کا، پھر کہنے لگا کہ اچھا بتلاؤ جس قدر

مال ومتاع میرے پاس ہے اتنا کبھی کسی بادشاہ کے پاس تھا۔ایک پرانے زمانے کا بوڑھا عالم دین بھی اتفاق سے ساتھ تھا۔اس نے کہا کہ جو بات آپ نے دریافت کی ہے بہتر ہے کہ اس کا جواب اگر آپ خود فرمادیں یا میں دوں۔بادشاہ نے کہا بہتر ہے، فرمایئے! اس نے کہا کہ یہ بتایئے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے کیا اس میں کمی نہیں آئے گی۔یا یہ مال متاع آپ کے پاس بطور میراث کے نہیں پہنچا، اور کیا آپ کے جانشین کو بطور میراث کے نہیں پہنچے گا؟ بادشاہ نے کہا تینوں باتیں ہوں گی۔اس نے کہا کہ یہ تو سخت تعجب ہے کہ آپ کو ایسی چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا جو کہ کم ہونے والی ہے اور جس کا زیادہ حصہ آپ کے پاس سے دوسرے کے پاس منتقل ہونے والا ہے اور جو کچھ آپ نے خرچ کرلیا ہے اس کا حساب ہونے والا ہے۔بادشاہ یہ سن کر کانپ اٹھا اور کہا کہ کہاں چلا جاؤں، اور کہاں مطلب کی بات پاؤں۔بوڑھے عالم نے کہا کہ اگر بادشاہی کرنا چاہتا ہے تو اپنے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کر، ورنہ اپنا تخت چھوڑ اور تاج رکھ اور گدڑی پہن اور اپنے رب کی عبادت کر۔بادشاہ نے کہا کہ میں اس کے متعلق رات کو غور وفکر کروں گا اور صبح کو جو کچھ رائے ہوگی بتلاؤں گا، چنانچہ جب صبح ہوئی تو اس نے کہا کہ میں بادشاہت چھوڑ کر پہاڑ اور چٹیل میدان اختیار کرتا ہوں اور بجائے پوشاک کے گدڑی پہنتا ہوں، اگر تو میرے ساتھ رہے تو یہ سب سے ہی بہتر ہے، چنانچہ ان دونوں نے ایک پہاڑ کو اپنا مسکن بنالیا اور مرتے دم تک وہیں رہے۔

یہ قصہ سن کر ہشام بن عبدالملک اتنا رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور اپنے دونوں بیٹوں کے کام سپرد کرکے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور محل سے باہر نہیں آیا، یہ دیکھ کر اراکین سلطنت خالد بن صفوان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تو نے امیر المومنین پر کیا کردیا کہ ان کا آرام اور لذت بھی جاتی رہی۔

خالد بن صفوان نے کہا کہ میں معذور ہوں، میں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا ہے

کہ جب میں کسی بادشاہ کے پاس جاؤں گا تو اس کو اللہ تعالیٰ سے ضرور ڈراؤں گا۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۳۳۳، ۳۳۴)

نور الدین زنگی رحمہ اللہ کا ایک عدیم المثال تاریخی واقعہ

سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کا ایک عدیم المثال واقعہ یہ ہے کہ ایک رات وہ معمول کے مطابق تہجد کی نماز پڑھ کر سویا تو آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ آپ ﷺ دو بھورے رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔

أَنجِدنِي أَنقِذنِي مِن هٰذَينِ

میری مدد کو پہنچو، مجھے ان دو سے بچاؤ۔

سلطان کی گھبرا کر آنکھ کھلی، وضو کیا اور نماز پڑھ کر دوبارہ سویا تو بعینہ وہی خواب پھر دیکھا، سلطان پھر جاگ اٹھا، وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر سویا تو تیسری بار بھی وہی خواب دیکھا، اب تو نیند غائب ہو چکی تھی، اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو طلب کر کے سارا واقعہ سنایا، یہ وزیر بڑا پاک باز، دین دار اور وفادار تھا، اس نے سنتے ہی کہا اب بیٹھنا کیسا؟ آپ کو اسی لمحے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے مگر کسی پر یہ واقعہ ظاہر نہ فرمائیں۔"

سلطان نے اسی رات کے باقی حصے میں سفر کی تیاری کی اور وزیر کے ساتھ تیز رفتار اونٹنیوں پر روانہ ہو گیا، بہت سا مال اور بیس آدمی بھی ساتھ لے لئے۔ دمشق سے مدینہ منورہ کا سفر جو ایک ماہ میں طے ہوتا تھا، سلطان نے صرف ۱۶ دن میں طے کر لیا اور صبح کے وقت غسل کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوا، سب سے پہلے ریاض الجنة میں نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟

اہل مدینہ مسجد شریف میں جمع ہو گئے تھے، وزیر نے ان کو بتایا کہ سلطان نبی ﷺ

کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، اور تقسیم کرنے کے لئے بہت سا مال لائے ہیں، آپ یہاں کے سب لوگوں کے نام لکھ کر دے دیں۔ اہل مدینہ نے فہرست تیار کر کے پیش کردی، سلطان نے سب کو ایک ایک کر کے بلانا شروع کیا، جو جو بھی آتا گیا اسے بغور دیکھتے رہے اور مال دے دے کر واپس کرتے رہے، سب لوگ فارغ ہو گئے، مگر ان میں کوئی شخص بھی ان دو میں سے نہ تھا جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔

سلطان نے پوچھا: کیا کوئی آدمی اپنا حصہ لینے سے رہ گیا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا، تو سلطان نے کہا: سوچو غور کرو، شاید کوئی رہ گیا ہو۔ اس پر لوگوں نے بتایا کہ مغرب (اسپین) کے دو آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا، مگر وہ دونوں کسی سے کوئی چیز لیتے نہیں، وہ نیک اور مال دار ہیں، اور غریبوں کو وہ خود ہی بہت صدقات وخیرات دیتے رہتے ہیں۔

سلطان نے یہ سن کر قدرے اطمینان کا سانس لیا اور دونوں کو بلوایا، دیکھا تو یہ وہی دو شخص تھے جن کی طرف اشارہ کر کے رحمۃ للعالمین ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ:

انجدنی انقذنی من ھذین

سلطان نے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مغربی ملک اسپین سے آئے ہیں، حج کرنے آئے تھے، پھر یہاں اس سال رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کا ارادہ کرلیا۔

سلطان نے کہا: ''مجھے سچ بتاؤ'' اس پر وہ بالکل خاموش ہو گئے۔

سلطان نے پوچھا: ''ان کی رہائشگاہ کہاں ہے؟'' بتایا گیا کہ حجرۂ شریفہ (روضۂ اقدس) کے برابر ایک مکان میں رہتے ہیں۔

سلطان ان دونوں کو ساتھ لے کر ان کے گھر پہنچا، تو وہاں بہت سا مال ودولت اور کچھ کتابیں وغیرہ کے سوا کچھ نظر نہ آیا، اہل مدینہ نے سلطان کے سامنے ان دونوں کی

بہت تعریف کی کہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں، نمازیں پابندی سے ریاض الجنتہ میں ادا کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، روزانہ صبح کو جنت البقیع کے قبرستان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، اور ہر سنیچر کو (ہفتہ کے روز) قباء کی زیارت کو جاتے ہیں، کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے، حتیٰ کہ اس قحط سالی کے زمانے میں تو انہوں نے اہل مدینہ کی بہت ضرورتیں پوری کیں۔

سلطان خاموشی سے یہ باتیں سنتا اور اس گھر میں گھومتا رہا، فرش پر ایک چٹائی بچھی تھی، سلطان نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ کھدی ہوئی نظر آئی، جو حجرۂ شریفہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچ چکی تھی۔ اب تو لوگ گھبرا اٹھے، سلطان نے ان دونوں کی خوب پٹائی کی اور کہا: ''ساری بات سچ سچ بتاؤ۔''

اب انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ درحقیقت عیسائی ہیں، ان کے ہم مذہب لوگوں نے انہیں اندلسی (اسپینی) حاجیوں کے بھیس میں یہاں بہت سا مال دے کر بھیجا ہے تا کہ آنحضرت ﷺ تک (نعوذ باللہ) پہنچ کر آپ ﷺ کو (خاکم بدہن) یہاں سے نکال کر اپنے ناپاک دلوں کی بھڑاس نکالیں۔

انہوں نے بتایا کہ وہ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے تھے اور جمع شدہ مٹی کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر جنت البقیع کی زیارت کے بہانے وہاں جا کر قبروں کے درمیان پھیلا دیتے تھے، یہ سلسلہ مدت سے جاری تھا کہ آج رات جیسے ہی ہم (حجرۂ شریفہ) کے قریب پہنچے تو اچانک بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے لگی، سخت زلزلہ آیا اور یوں لگا جیسے پہاڑ اکھڑ جائیں گے، یہاں تک کہ صبح کو آپ پہنچے۔

سلطان یہ سب سن کر اللہ تعالیٰ کے حضور بہت رویا کہ اس نے اس عظیم خدمت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا۔

پھر ان دونوں بدنصیبوں کے سر قلم کروا دیئے، ان کو حجرۂ شریفہ کے قریب والے

اس روشن دان کے نیچے قتل کیا گیا جو بقیع کی طرف کھلتا تھا، اور حجرۂ شریفہ کے گرد گہری خندق پانی کی سطح تک کھدوا کر اس کو پگھلے ہوئے سیسے سے بھروادیا، اس طرح حجرۂ شریفہ کے گرد سیسے کی ایسی فصیل قائم کردی جو پانی کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ خدمت انجام دے کر سلطان دمشق واپس آگیا اور اب یہیں جامع اموی کے برابر میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔

ایسا بطل جلیل جو بیک وقت اعلیٰ درجے کا حکمران بھی تھا، اور اللہ تعالیٰ کا قابل رشک ولی بھی، اور جس کی مثال مشہور مؤرخ علامہ ابن الاثیرؒ کے بقول خلافت راشدہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد نہیں مل سکی۔

(انبیاء کی سرزمین ص: ۱۲۱ تا ۱۲۴)

مشرق ومغرب کے دو عظیم اور تاریخی سپہ سالار

مدبر، عقلمند اور نہایت ذی رائے شخص تھا۔ اور خوب خبر رکھنے والا صاحب تدبیر آدمی تھا۔

بغوی کا کہنا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کے شہروں کا گورنر ۲۹ھ کو بنادیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ تمام ملکوں اور اقلیموں کو فتح کرتا چلا گیا، اندلس میں بہت سے شہر اور قصبات، دیہات مختلف جہتوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سب کو اس نے بڑی حکمت و دانائی سے اپنی ماتحتی میں کرلیا اور وہاں کے بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا۔ اور بہت سا مال غنیمت بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اور سونا چاندی تو اتنا حاصل کیا کہ جس کا تخمینہ لگانا ہی مشکل ہے، اور اسی طرح آلات واسباب اور مال متاع کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ لگا، جس کا گننا اور حساب کتاب بھی دشوار تھا۔ اور قیدیوں میں حسین اور خوبصورت لڑکے اور خوبرو نوجوان لڑکیوں کی بھی کثرت تھی، اور یہ بات بھی موسیٰ بن نصیر کے بارے میں مشہور ہے کہ جتنا مال غنیمت اور قیدی اس کے ہاتھ لگے، شاید ہی کوئی ہو جسے اس قدر

مال غنیمت ملا ہو۔ اور اسی طرح اس کے ہاتھ پر بے شمار لوگ مشرف با اسلام ہوئے، اور اس نے ایمان، احکام، اسلام اور قرآن کی ترویج و تبلیغ بہت کی، جب اس کا مال غنیمت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا، تو بطور سواریوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کی بجائے ٹرک اور بڑی بڑی گاڑیاں مستعمل ہوتی تھیں۔

دو عظیم سپہ سالار

قتیبہ بن مسلم اور موسیٰ بن نصیر رحمہما اللہ اسلام کے دو عظیم المرتبہ، نڈر، پاک بہادر جوان گزرے ہیں، قتیبہ بن مسلم نے سرزمین مشرق میں فتوحات کا جھنڈا بلند کیا، جبکہ موسیٰ بن نصیر نے مغرب کی سرزمین کو اپنی آماجگاہ بنایا، ویسے تو اللہ پاک دونوں کو خیر کثیر عطا فرمائے مگر موسیٰ بن نصیر کی کامیابیاں و کامرانیاں اور مال غنیمت میں حاصل ہونے والے قیمتی اثاثے اور عظیم دولت تک قتیبہ بن مسلم کا پہنچنا دشوار رہا۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۵ حصہ ۹ ص: ۱۸۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری کی تاریخی مثال

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی خلافت سے ہاتھ اٹھالیا مسلمانوں کی جماعت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بالاتفاق بیعت کرلی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ شان نبوت اور خوارق عادات کو بھلا کر قومی حمیت اور غلبہ پر آرہے تھے، اور غلبہ سارے عرب اور مصر کے قبائل پر بنو امیہ کو حاصل تھا اور ان میں سب سے زیادہ عظیم الشان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے خود خلافت کو تقسیم کیا اور نہ کوئی دوسرا شخص ان کا حصہ دار بنا، جس سے ان کے قدم میدان حکومت میں جم گئے، ان کی شان بڑھ گئی، ان کی ریاست سرزمین مصر و شام میں مستحکم ہوگئی۔ بیس برس تک حکومت کرتے رہے اور اس دریا دلی سے لوگوں کو اپنے انعامات سے نوازا کہ اس زمانہ میں

کوئی شخص ان کی قوم کا ان سے زیادہ سخی اور فیاض نہ تھا۔

رؤساء عرب اور مصر کے سرداروں کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے، ان کی سخت ونامناسب باتوں کو برداشت کرتے، ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے، ان کے تحمل و بردباری کی کوئی حد نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان کی حکومت وریاست کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہوا، اور روز بروز استقلال ہوتا چلا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، امیر معاویہ نے ازراہ مذاق امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے پر انہیں چھیڑا، تو عدی نے ناراض ہوکر کہا، واللہ وہ دل جن سے ہم نے آپ سے دشمنی کی تھی، اب تک ہمارے سینوں میں ہیں اور بیشک تلواریں جن سے ہم آپ سے لڑ رہے تھے ہمارے قبضہ میں ہیں، اگر تم ایک بالشت بھی بدعہدی کرکے ہماری طرف بڑھو گے تو ہم برائی سے تمہاری طرف پانچ ہاتھ بڑھائیں گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نا مناسب باتیں سننے سے حالت نزع ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ اے معاویہ رضی اللہ عنہ تلوار کی بو سے تلوار اٹھائی جاتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا، یہ باتیں نہایت صحیح ہیں، ان کو لکھ لو، پھر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرمی اور ملاطفت سے گفتگو کرتے رہے، اس کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری و تواضع کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔

(ابن خلدون ج ۳ ص: ۵۲۶)

بدعتی کو شہر سے نکال دیا سلطان زنگی رحمہ اللہ کا تاریخی فرمان

سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ کو اصول دین کی حفاظت میں ادنیٰ مساحت بھی گوارہ نہ تھی، اس کے سامنے کوئی شخص دین کے صحیح عقائد کے خلاف کسی متبدعانہ خیال پر لب کشائی کی جرأت نہ کرسکتا تھا اور کرنے والوں کو پوری تنبیہ کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا

کہ اگر چوروں اور لٹیروں سے راستوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے، تو کیا دین کی حفاظت جو اصل اساس و بنیاد ہے ہم پر ضروری نہیں ہے، دمشق کے ایک متصوف نے جن کے زہد وورع کا بڑا چرچا تھا اور عوام ان کے عقیدت مند تھے، تشبیہ کے بعض خیالات ظاہر کیے، نورالدین کو خبر ہوئی تو اس نے ان کو گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی، نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور تشہیر کے بعد شہر سے نکال دیا۔

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً روک دی تھی، اور اس کی درآمد برآمد بالکل بند کر دی تھی، شرابیوں پر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کے ہوں شرعی حد جاری کرتا تھا۔

(تاریخ اسلام ج:۴ص:۲۰۳)

گدھے کو باپ بنانا اور باپ کو گدھا، انگریز کا تاریخی اصول

انگریزوں کا ہمیشہ اصول رہا ہے کہ ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنالو اور ضرورت پوری ہوجانے پر باپ کو گدھا بنا دو، نہایت نرم اور خوش آیند الفاظ بول کر دھوکہ دینا اور سیدھے سادھے لوگوں پر قبضہ کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔ ایشیائی اور افریقی اقوام ان کے اس دام فریب میں گرفتار ہوکر ہمیشہ نقصان اٹھاتی رہی ہیں، اس مکاری اور دغابازی میں برطانوی قوم اتنی ماہر ہے کہ یورپ کی دوسری قومیں بھی ان کو نہیں پہنچ سکیں۔ یہی حال ہندوستان کی غلامی اور بربادی کا باعث ہوا۔

خان بہادر خان جو کہ نواب روہیل کھنڈ کے آخری وارث تھے، انہوں نے اپنے اعلان جنگ ۱۸۵۷ء میں اسی بات پر زور دیا تھا کہ انگریز ہمیشہ وعدہ خلافی اور جائدادوں کی ضبطی کرتے رہے ہیں اور ہندوستانیوں کو لڑاتے رہتے ہیں، اب دونوں کو مل کر ان کے خلاف لڑنا چاہئے، وہ روہیل کھنڈ پر قابض ہوکر خوب لڑے (یہ اس آزادی

کی لڑائی کا اعلان تھا جو کہ ۱۸۵۷ء میں عمل میں لائی گئی اور جس کو انگریزوں نے غدر کے نام سے مشہور کیا۔) (برطانوی سامراج ص: ۲۴۰)

ایک بڑھیا کی دربار سلطان میں تاریخی دلیری

سلطان محمود رحمہ اللہ کے زمانہ میں کوچ بلوچ کرمان کے پہاڑی جرگوں کے قزاقوں نے رباط اور دیر کچھن (اصفہان) میں ڈاکہ ڈالا۔ ایک بڑھیا کا مال واسباب بھی لٹ گیا۔ اس نے سلطان سے فریاد کی۔

"آپ خدا کی طرف سے ہمارے محافظ ونگہبان ہیں، یا میرا مال دلا یئے یا اس کا معاوضہ عطا کیجئے۔"

سلطان نے کہا کہ معلوم نہیں دیر کچھن کہاں ہے! بڑھیا بولی، اے سلطان! اس قدر ملک فتح کرو کہ ان کے جغرافیہ سے واقفیت رہ سکے اور ان کا انتظام ہو سکے۔

سلطان نے اس جواب کو تسلیم کر کے پھر کہا یہ لوگ کہاں سے آئے تھے اور کون تھے۔ بڑھیا نے کہا کوچ بلوچ کے ڈاکو تھے جو کرمان کے قریب ہے۔ سلطان نے کہا وہ ملک تو میری سرحد سے باہر ہے اس کا میں کیا انتظام کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا کیا اسی عدل وانصاف پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے، وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیئے سے نہ بچا سکے۔ اس میں میرا تنہا اور ضعیف ہونا اور آپ کو فوج اور لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔

سلطان محمود نے جب بڑھیا کے یہ جوانمردانہ کپکپا دینے والے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا اور بوعلی الیاس امیر کرمان کو لکھا کہ مفسدوں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بھیج دو یا مال ڈکیتی برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دے دو تا کہ آئندہ وہ میرے ملک میں لوٹ مار نہ کر سکیں، ورنہ یاد رکھو کرمان بمقابلہ سومنات بہت نزدیک ہے۔

امیر کرمان سلطان کے خوف سے ایک جرار فوج لے کر گیا، دس ہزار بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امیر ابو علی نے سب سامان غزنی بھجوا دیا، سلطان نے منادی کرادی کہ جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے وہ آ کر اپنا مال پہنچان لیں۔ تمام ملک سے لوگ آتے تھے اور اپنا مال پہچان کر لے جاتے تھے۔ سلطان نے ایک اور کام یہ کیا کہ ملک سے ہر قسم کی خبریں منگوانے کے لئے پرچہ نویس مقرر کر دیئے تاکہ حاکموں کے ظلم وستم اور تغافل اور ملک کے حالات کی خبر ملتی رہے۔

ایک بڑھیا کی آزادی اور جرأت نے ملک کو کس قدر فائدہ پہنچایا کہ ڈاکوؤں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی اور چھینا ہوا مال بھی واپس آ گیا۔

(نظام الملک طوسی حصہ دوم ص:۲۵۶)

شہاب الدین غوری رحمہ اللہ کی حمیت وغیرت کی تاریخی مثال

سلطان شہاب الدین غوری رحمہ اللہ کو جب ۵۸۷ھ میں ہند کے راجاؤں نے شکست دی تو دوسرے سال یعنی ۵۸۸ھ میں وہ پھر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، لیکن کسی کو اس نے اپنے اصل ارادہ سے آگاہ نہ کیا۔ جب پشاور پہنچا تو ایک غور پیر مرد نے ہاتھ باندھ کر کہا، کچھ معلوم نہیں ہوتا سلطان کہاں جاتا ہے اور کیا ارادہ رکھتا ہے۔

سلطان نے کہا جب سے میں نے ہند کے راجاؤں سے شکست کھائی ہے بتقاضائے غیرت وحمیت اسلامی، میں اس دن سے آج تک اپنی عورت کے پاس نہیں گیا اور نہ کبھی خوشی کے جلسوں میں شریک ہوا، جب تک شکست کی بدنامی کے داغ کو نہ مٹالوں مجھے ایک پل بھی چین نہیں آ سکتا۔

(ناقابل فراموش واقعات ص:۲۷۰)

امت محمدیہ کے سرخیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تاریخی احتیاط

کوفہ کے قاضی محمد بن ابی لیلیٰ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے درمیان تھوڑی سی نفرت تھی، اور آپ کوفہ میں مسجد میں فیصلہ کے لئے بیٹھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز، آپ اپنی مجلس سے واپس آئے تو آپ نے ایک عورت کو ایک مرد سے کہتے سنا، اے دوزنا کاروں کے بیٹے! تو آپ کے حکم سے اس عورت کو گرفتار کرلیا گیا، اور آپ اپنی مجلس کی طرف لوٹ آئے، اور آپ کے حکم سے اسے دو حدیں ماری گئیں اور وہ کھڑی تھی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس بات کی خبر ملی، تو آپ نے کہا، اس واقعہ میں قاضی نے چھ (۶) باتوں میں غلطی کی ہے، اپنی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد واپس آنے میں، اٹھ جانے کے بعد آپ کو واپس نہیں آنا چاہئے تھا، اور مسجد میں حد لگانے میں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود کے قائم کرنے سے منع کیا ہے، اور عورت کو کھڑے ہونے کی حالت میں، عورتوں کو لباس پہننے، اور بیٹھے ہونے کی حالت میں مارا جاتا ہے، اور اسے دو حدیں مارنے میں، اور تہمت تراش پر واجب ہے کہ وہ ایک جماعت پر ایک بات سے تہمت تراشے، تو ایک حد واجب ہوگی، اور اگر دو حدیں واجب ہوتیں تو ان دونوں کو مسلسل نہ لگائے۔ بلکہ پہلی حد لگائے پھر چھوڑ دے۔ حتیٰ کہ وہ پہلی حد کی تکلیف سے صحت یاب ہو جائے۔ اور اس پر کسی طالب کے بغیر حد قائم کرنے میں۔ محمد بن ابی لیلیٰ کو اس کی اطلاع ملی، تو اس نے والی کوفہ کو اطلاع بھجوائی، کہ یہاں ایک نوجوان ہے، جسے ابوحنیفہ کہا جاتا ہے، وہ میرے فیصلوں میں میرا مقابلہ کرتا ہے، اور میرے فتوے کے بغیر فتویٰ دیتا ہے، اور میری خطاء کی برائی کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے اس بات سے روکیں، تو والی نے آپ کی طرف پیغام بھیج کر آپ کو فتویٰ سے روک دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز، آپ اپنے گھر میں تھے، اور آپ کی بیوی، اور آپ کا بیٹا

حماد، اور آپ کی بیٹی بھی آپ کے پاس تھی، آپ کی بیٹی نے آپ سے کہا، میں روزے دار ہوں اور میرے دانتوں کے درمیان سے خون نکلا ہے، اور میں نے اسے تھوک دیا ہے، حتیٰ کہ سفید تھوک واپس آ گیا، اس پر خون کا نشان نہ تھا، پس کیا میں افطار کر دوں جبکہ میں تھوک کو نکل گئی ہوں، آپ نے اسے کہا، اپنے بھائی حماد سے پوچھ لے، امیر نے مجھے فتویٰ دینے سے روک دیا ہے، یہ حکایت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں اور حکمران کے حکم اطاعت سے حسن تمسک میں شمار کی جاتی ہے۔ بلاشبہ آپ کی بات ماننا، اطاعت ہے حتیٰ کہ آپ نے خفیہ بھی اس کی اطاعت کی ہے، اور اپنی بیٹی کو جواب نہیں دیا، یہ حکم بجالانے کی انتہاء ہے۔

(ابن خلکان ج ۴ ص: ۵۵۷)

یزید بن معاویہؓ سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ کا تاریخی فتویٰ

امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے اس قسم کے مسئلہ میں اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یزید پر صراحۃً لعنت کرتا ہے کہ کیا اس کے فسق کا فیصلہ کیا جائے گا یا اسے اس میں رخصت دی جائے گی؟ اور کہا وہ حضرت حسین ﷺ کے قتل کا خواہاں تھا یا اس کا مقصد دفاع تھا، اور کیا اس کے لئے رحم کی دعا کرنا جائز ہے یا سکوت اس سے افضل ہے۔ اشتباہ کا ازالہ کر کے نوازش کی جائے۔ اس نے جواب دیا۔

مسلمان پر لعنت کرنا اصلاً جائز نہیں، اور جو مسلمان پر لعنت کرے وہ ملعون ہے، اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا''۔ اور مسلمان پر لعنت کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بہائم پر لعنت کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور اس بارے میں نہی وارد ہے، اور حضرت نبی کریم ﷺ کی نص سے مسلمان کی حرمت کعبہ سے بھی بڑی ہے اور یزید کا اسلام صحیح ہے اور اس کا حضرت حسین ﷺ کو قتل کرنا صحیح نہیں

ہے، اور نہ اس نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ اسے پسند کیا ہے، اور جب اس کے متعلق یہ بات صحیح نہیں تو اس کے متعلق یہ گمان کرنا بھی جائز نہ ہوگا، بلاشبہ مسلمان کے متعلق بدظنی کرنا بھی اسی طرح حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بدظنی سے بہت بچو" بلاشبہ بعض ظن گناہ ہیں۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، مال ،عزت اور اس کے متعلق بدگمانی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اور جس کا خیال ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا ہے اور اسے پسند کیا ہے، تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ وہ نہایت احمق ہے، بلاشبہ اس کے زمانے میں جو اکابر وزراء اور سلاطین قتل ہوئے ہیں، اگر کوئی حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ کس نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے اور کس نے اسے پسند کیا ہے، اور کس نے اسے ناپسند کیا ہے تو وہ اس کی سکت نہ پائے گا، خواہ اسے اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانے میں اور اس کے دیکھتے دیکھتے قتل کیا گیا ہو۔ اور اگر وہ دور دراز ملک اور قدیم گزشتہ زمانے میں ہوا ہو، تو وہ اسے کیسے معلوم کرسکتا ہے جب کہ اس پر تقریباً چار سو سال گزر چکے ہیں، اور وہ واقعہ دور دراز جگہ پر ہوا ہے؟ اس واقعہ میں تعصب نے راہ پائی ہے، اور اس کے متلق جوانب سے بکثرت احادیث بیان ہوئی ہیں، اور یہ وہ بات ہے جس کی حقیقت اصلاً معلوم نہیں ہوسکتی، اور جب وہ معلوم نہیں ہوسکتی تو ہر مسلمان کے متعلق ممکن حد تک حسن ظن کرنا واجب ہے، اور اگر کسی مسلمان کے متعلق ثابت بھی ہوجائے کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے، تو اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہے، قتل کفر نہیں ہے، بلکہ معصیت ہے، اور جب قاتل مرجاتا ہے تو بسا اوقات وہ توبہ کے بعد مرتا ہے اور اگر کافر اپنے کفر سے توبہ کرلے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، پس اس پر کیسے لعنت ہوسکتی ہے جس نے قتل سے توبہ کرلی ہے، اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ حسین کا قاتل توبہ سے پہلے مرا

ہے؟ اور وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے، پس کسی مرنے والے مسلمان پر لعنت جائز نہ ہوگی، اور جو اس پر لعنت کرے گا وہ فاسق اور اللہ کا نافرمان ہوگا، اور اگر اس پر لعنت کرنا جائز ہے اور وہ خاموش رہا ہے، تو بالاجماع وہ نافرمان نہ ہوگا بلکہ اگر اس نے عمر بھر ابلیس پر بھی لعنت نہ کی ہو تو قیامت کے روز اس سے پوچھا نہیں جائے گا۔ کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی، اور لعنت کرنے والے سے پوچھا جائے گا تو نے کیوں لعنت کی ہے، اور تجھے کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ مستر داور ملعون ہے؟ اور ملعون وہ ہے جو اللہ سے دور ہو، اور یہ غیب کی بات ہے، اور یہ اسی کے متعلق معلوم ہوسکتی ہے جو کافر مرا ہو، بلاشبہ یہ بات شرع سے معلوم ہوگی اور اس کے لئے رحم کی دعا کرنا جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، بلکہ ہر نماز میں ہمارے قول میں یہ داخل ہے کہ اللھم اغفر للمومنین والمومنات اے اللہ مومنین اور مومنات کو بخش دے، بلاشبہ وہ مومن تھا، واللہ اعلم۔ اسے امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا۔

(ابن خلکان ج ۳ ص: ۲۳۲، ۲۳۳)

دس تاریخی خواب اور انکی تعبیر

پہلا واقعہ

اسماعیل بن ابی حکیم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے عبدالملک بن مروان کو مسجد نبی کریم ﷺ کے قبلے میں چار مرتبہ پیشاب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا۔ میں نے سعید بن میسب رحمہ اللہ سے بیان کیا، تو انہوں نے کہا، اگر تم نے اپنا خواب سچ بیان کیا ہے تو عبدالملک کی پشت سے چار خلیفہ مسجد نبوی کے قبلے میں کھڑے ہوں گے۔

محمد بن عمر نے کہا کہ سعید بن میسب سب سے زیادہ تعبیر خواب جاننے والے تھے

انہوں نے یہ علم اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے حاصل کیا، اور اسماءؓ نے اپنے والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔

دوسرا واقعہ

شریک بن ابی نمرہ سے مروی ہے کہ میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دانت ٹوٹ کر میرے ہاتھ پر گر پڑے۔ پھر میں نے انہیں دفن کر دیا، سعید بن مسیب نے کہا کہ اگر تم نے اپنا خواب صحیح بیان کیا ہے تو تم نے اپنے خاندان کے ہم سن لوگوں کو دفن کر ڈالا۔

تیسرا واقعہ

مسلم الخیاط سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ سے ڈرو کیونکہ تمہارے نکاح میں کوئی محرم ہے۔ اس شخص نے غور کیا تو اتفاق سے اس کی بیوی کے اور اس کے درمیان رضاع کا تعلق تھا (یعنی جس عورت نے اسے دودھ پلایا تھا اسی عورت نے اس کی بیوی کو دودھ پلایا تھا۔)

چوتھا واقعہ

ان کے پاس ایک دوسرا شخص آیا اور کہا کہ اے ابو سعید میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا زیتون کی جڑ میں پیشاب کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ غور کرو کہ تمہارے نکاح میں کون ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نکاح میں کوئی محرم ہے، اس نے غور کیا تو اتفاق سے وہ عورت تھی جس سے اس کا نکاح جائز نہ تھا۔

پانچواں واقعہ

ابن المسیب سے مروی ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کبوتری منارہ مسجد پر گر پڑی، انہوں نے کہا کہ حجاج عبداللہ بن

جعفر بن ابی طالب کی بیٹی سے نکاح کرلے گا۔

چھٹا واقعہ

مسلم الخیاط سے مروی ہے کہ ایک شخص ابن مسیب رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بکرا ثنیہ سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ ذبح کرو، اس شخص نے کہا کہ میں نے ذبح کیا، سعید نے کہا کہ ابن ام صلاء مرگیا، وہ ہٹا بھی نہ تھا کہ اس کے پاس خبر آگئی کہ وہ مرگیا۔ محمد بن عمر نے کہا کہ ابن ام صلاء اہل مدینہ کے موالی میں سے تھا جو لوگوں کی چغلخوری کرتا تھا۔

ساتواں واقعہ

عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن السائب سے جو خاندان قارہ سے تھا مروی ہے کہ قبیلہ افہم کے ایک شخص نے ابن المسیب سے کہا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ آگ میں گھسا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر تم نے اپنا خواب سچ بیان کیا ہے تو تمہیں اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک کہ تم سمندری سفر نہ کرلو اور تمہیں قتل کے ذریعہ سے موت آئے گی۔ اس نے سمندری سفر کیا اور ہلاکت کے قریب ہوگیا۔ جنگ قدید میں تلوار سے قتل کیا گیا۔

آٹھواں واقعہ

حصین بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ مجھے اولاد کی طلب تھی، مگر میرے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی، ابن المسیب رحمہ اللہ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں انڈا ڈال دیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ مرغی عجمی ہے لہٰذا تم عجم میں رشتہ تلاش کرو۔ پھر میں نے ایک باندی لی تو اس سے ایک لڑکا ہوا حالانکہ میرے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص خواب دیکھتا اور ان سے بیان کرتا تو وہ کہتے تھے کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔

نواں واقعہ

ابن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خواب (میں) خشک کھجور (دیکھنے سے) سے ہر حال میں رزق مراد ہے اور تر کھجور سے اس کے موسم میں رزق مراد ہے۔ ابن المسیب سے مروی ہے کہ خواب کا آخر چالیس سال سے ہے (یعنی اس کی تعبیر میں ،مطلب یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو خواب دیکھیں اس کی تعبیر اکثر درست ہوتی ہے۔)

دسواں واقعہ

ابن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خواب میں بیڑی دیکھنا ثبات دین کی علامت ہے، ایک شخص نے کہا کہ اے ابو محمد میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سائے میں بیٹھا ہوں، پھر اٹھ کر دھوپ میں چلا گیا۔ ابن المسیب رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ کی قسم اگر تم نے اپنا خواب درست بیان کیا ہے تو ضرور ضرور اسلام سے نکل جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ اے ابو محمد میں نے خواب دیکھا کہ میں سایہ سے نکالا گیا اور دھوپ میں داخل کیا گیا، پھر مجھے بے کار کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں کفر پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اس نے عبدالملک بن مروان کے زمانے میں بغاوت کی۔ اسے گرفتار کر کے مجبور کیا گیا، وہ باز آیا، وہ مدینہ میں آیا، وہی یہ واقعہ بیان کرتا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۱۵۲ تا ۱۵۴)

جنت کی طلب ہے تو لڑو! لڑو! لڑو! خالد ﷜ کا تاریخی خطاب

مندرجہ ذیل جنگ کا واقعہ یرموک کا ہے جو کہ رجب میں اجنادین کے بعد پیش آیا تھا۔ اسی جنگ کے دوران مسلمانوں کو حضرت ابو بکر صدیق ﷜ کی وفات کی خبر ملی تھی۔ یہاں میرا مقصد جنگ کا نقشہ کھینچنا نہیں بلکہ اس جنگ سے قبل حضرت خالد بن

ولید کی دعا اور خطاب پیش کرتا ہے۔ (از مؤلف)

ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ چھیالیس ہزار کے اس لشکر میں جو اس واقعہ میں حضرت خالد ﷜ کے ساتھ تھا، ایک ہزار مہاجرین وانصار تھے جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت بابرکت نصیب ہوئی تھی اور ان میں سے ایک سو بدری صحابی تھے۔ ان کے مقابلہ پر رومیوں کا دولاکھ چالیس ہزار سپاہیوں پر لشکر آیا ہوا تھا۔ ہرقل کا بھائی پوری فوج کا افسر اعلیٰ تھا اور اس کی ماتحتی میں نامی گرامی تجربہ کار سپہ سالار کام کر رہے تھے۔ ایک مہینہ پہلے سے ''قسیس''، ''راہب''، ''بطریق'' لوگوں کو لڑائی کی ترغیب دیتے اور مسلمانوں کے خلاف ابھارتے تھے۔ لشکر کے قلب میں بطریق اعظم اطلسی غلاف میں انجیل کو لپیٹے ہوئے صلیبی نشان کے نیچے کھڑا ہو کر لشکر کو لڑائی پر ابھار رہا تھا۔

حضرت خالد بن ولید ﷜ نے رومی لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر پہلے اپنے لشکر کو منظم اور ہر کمانڈر کو پوزیشن پر کھڑا کیا، اس کے بعد لشکر کے قاریوں کو سورت انفال پڑھنے کا حکم دیا، اور پھر قلب میں کھڑے ہو کر مہاجرین اور انصار کو دوسروں سے علیحدہ کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی، اے پروردگار عالم! یہ تیرے خاص بندے ہیں، جنہوں نے تیرے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ اور اس کے مددگار ومعاون رہے تھے۔ تیری مرضی کے لئے انہوں نے اپنے گھربار عیال اور بچوں کو چھوڑا، تو ہماری عزت نہ رکھ بلکہ اپنے سچے دین اور اپنے سچے رسول کی عزت رکھ، ہماری مدد نہ کر بلکہ اپنے دین کی مدد کر، اے بے کسوں کے کام آنے والے تو ان کے ذریعے سے ہماری مدد کر، ہم کو کفار کے ہاتھ سے ذلیل وخوار نہ کر۔

حضرت خالد ﷜ اس دعا سے فارغ ہو کر مجاہدین کی طرف متوجہ ہوئے اور حمد و نعت کے بعد نہایت فصاحت وبلاغت سے خطاب کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

اے مسلمانو! یہ دن تمہاری آزمائش اور امتحان کا دن ہے، آج تم کو فخر نہیں کرنا

چاہئے اور نہ ہی ریا کاری کو دخل دینا چاہئے۔تم لوگ آج جو کام کرو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرو۔اپنے نیک اعمال سے اس کو راضی کرو۔ یہ وہ دن ہے کہ اگر تم شہید ہو گئے تو بیشک جنت میں جاؤ گے۔اور اگر دشمنان اسلام پر فتح حاصل کرو گے تو غازی کہلاؤ گے، کیا تم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ اگر تم کو جنت حاصل کرنی ہے اور اللہ کو راضی کرنا ہے تو لڑو! لڑو! لڑو! شاید اس کے بعد پھر ایسا موقع تم کو نہیں ملے گا اور تمہیں موت آجائے گی۔بستر پر ذلت کے ساتھ مرنے سے بہتر ہے کہ جہاد کے میدان میں اللہ کے راستے میں مارے جاؤ، اور انہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیئے جاؤ تا کہ قیامت میں تمہارے فی سبیل اللہ لڑنے اور لڑتے لڑتے جان دے دینے کی گواہی دیں۔ میرے بھائیو! یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہارے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔کیا تم لوگ جنت میں جانا پسند کرو گے؟ دیکھو! اللہ کی رحمت تم پر نازل ہونا چاہتی ہے۔تم کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے کامیاب کرے، نیک نیتی سے اس کی راہ میں کوشش کرو اور اس بات کو سمجھ لو کہ تم سے دنیا چھوٹنی ہے، اللہ اللہ ہر شخص اپنے لئے سفر کا توشہ تیار کر لے، اگر لڑنے میں کچھ بھی پس و پیش کیا تو دنیا تو چھوٹ ہی جائے گی، اور نہایت ذلت کے ساتھ کفار کے ہاتھ مارے جاؤ گے، اور قیامت تک تم سے اللہ کی رحمت دور رہے گی، پھر تم اللہ کو، اس کے رسول کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ چلو چلو! اپنی مرادیں حاصل کرو، دیکھو دشمنان اسلام تمہاری طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہے ہیں، لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ تم پر حملہ کریں تم ان پر ٹوٹ پڑو، تم نے ان کو خندق کی طرف پیچھے دھکیل دیا تو پھر ان کو شکست ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نہ کرے انہوں نے تم کو شکست دی تو اللہ کی قسم ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا خود کو جہنم میں ڈالنے جیسا ہے۔چلو آگے بڑھو! ایک ایک قدم پر تمہارے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔آؤ جو کچھ لینا ہے آج ہی لے لو، کل پر مت چھوڑو۔

اسلامی لشکر کا دل اس تقریر سے بھر آیا اور سب نے تکبیر کا نعرہ لگا کر تلواریں کھینچ لیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھ کر لڑنے کا حکم دیا۔ رومی لشکر اسلامی لشکر کو آگے بڑھتا دیکھ کر تیر پھینکنے لگا، لیکن جب اسلامی لشکر کی پیش قدمی کو تیر نہ روک سکے تو تلوا اور نیزے لے کر جھپٹ پڑے۔

پھر لڑائی نہایت تیزی سے ہونے لگی۔ ہر فریق دوسرے کو دھکیل دینے کی کوشش کر رہا تھا، اس دوران مدینہ سے محمیہ بن زنیم آئے اور انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بلا کر چپکے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال اور عمر رضی اللہ عنہ کی امارت کی خبر دی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خبر کو مشہور نہ کیا اور لڑائی جس طرح شروع ہوئی تھی اسی طرح جاری رکھی۔

(ابن خلدون ج ۳ ص: ۲۵۵، ۲۵۶ کا حاشیہ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امراء اسلام کو ۱۳ تاریخی ہدایات

جو ہدایات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امراء اسلام کو روانگی کے وقت کی تھیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں مسلمانوں کا افسر مقرر کیا، اس غرض سے کہ میں تمہارا امتحان لوں اور تم کو آزماؤں، کہ تم مسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو، اگر اچھا برتاؤ کرو گے تو تم سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوگا۔ دنیا میں تمہارے مضافات بڑھا دوں گا اور آخرت میں تم کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر تم نے کوئی برائی کی تو تم کو معزول کر دوں گا۔ (مترجم)

(۱) ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہنا، کیوں کہ وہ تمہارے باطن کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح تمہارے ظاہر کو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور بہتر وہی شخص ہے جو اعمال صالح کے اعتبار سے اس سے قریب ہو

(۲) زمانہ جاہلیت کی عادات و اطوار بالکل ترک کر دینا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے کرنے والے سے ناراض ہوتا ہے۔

(۳) لشکر کے ساتھ سفر کرنے میں ہمیشہ ان کی حسنِ محبت کا خیال رکھنا۔

(۴) جب ان کو سمجھانا ہو تو مختصر کلام میں سمجھانا، کیوں کہ زیادہ بولنا نقصان پہنچاتا ہے۔

(۵) نمازوں کو اوقات مقررہ پر پڑھنا، رکوع، سجدہ اطمینان سے کرنا۔

(۶) جب تمہارے دشمنوں کے قاصد آئیں تو ان کی عزت کرنا، اپنے لشکر کی پوری حفاظت کرنا۔

(۷) رات کو پہرہ مقرر کرنا، ایسا نہ ہو کہ حالت غفلت میں دشمن تم پر حملہ کردیں۔

(۸) اپنا ظاہر و باطن ایک سا رکھنا، جو کام کرنا مشورہ سے کرنا۔

(۹) جب نگہبانی میں کسی سے غفلت دیکھنا تو اس کو سزا دینا، لیکن زیادتی کے ساتھ نہیں۔

(۱۰) مستحق کی عقوبت سے نہ ڈرنا۔

(۱۱) لشکریوں کے افعال و حرکات کی نگرانی کرتے رہنا۔

(۱۲) بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، جو ہتھیار رکھ دے یا اسلام قبول کرلے اس کو بھی نہ مارنا۔

(۱۳) سچائی اور ایفائے وعدہ کے ہمیشہ پابند رہنا، یہ نیک نصیحتیں ہیں ان پر عمل کرنا۔ جاؤ اللہ کے نام پر اور اللہ کی راہ میں لڑو۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۲۵۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تاریخی خطبہ

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ والی ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ سنایا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر کہا ''امابعد، لوگو! میں تمہارے امر (خلافت) کا والی تو ہو گیا لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔''

قرآن نازل ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقے مقرر کردیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

سکھایا اور ہم سیکھ گئے، خوب جان لو! کہ تمام عقلوں سے بڑھ کر عقل مندی تقوی ہے اور تمام حماقتوں سے بڑھ کر حماقت بدکاری ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو کمزور ہیں، میرے نزدیک وہی بڑے زبردست ہیں، یہاں تک کہ ان کا حق میں دلا دوں، اور تم میں جو زبردست ہے میرے نزدیک بڑا کمزور ہے، یہاں تک کہ حق کو اس سے واپس لے کے مستحق کے سپرد کردوں۔ لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں، ایجاد کرنے والا نہیں ہوں، اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص: ۴۷)

حجاج سے ایک نڈر اور حق گو نوعمر لڑکے کی تاریخی گفتگو

حجاج اپنے محل کے دریچہ میں نشست فرما تھا، عراق کے بعض سردار بھی حاضر تھے، ایک لڑکا جس کے بال اس کی کمر تک لٹک رہے تھے، فلک نما عمارت کو غور سے دیکھا۔ دائیں بائیں نظر کی اور با آواز بلند کہا۔ ''کیا اونچی اونچی زمینوں پر نشان بناتے ہو، بے فائدہ اور مضبوط قلعے بناتے ہو۔ اس خیال سے کہ ہمیشہ جیتے رہو گے۔''

حجاج تکیہ لگائے بیٹھا تھا، یہ سن کر سیدھا ہو گیا اور کہنے لگا، لڑکے تو مجھے عقلمند اور ذہین معلوم ہوتا ہے ادھر آ۔ وہ آیا تو اس سے کچھ باتیں کرنے کے بعد کہا، کچھ پڑھو، لڑکے نے پڑھنا شروع کیا۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یخرجون من بین اللہ افواجاً

ترجمہ: ''شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جبکہ خدا کی مدد اور فتح آئی۔ اور تو دیکھے کہ لوگ خدا کے دین سے فوج درفوج نکلے جا رہے ہیں۔''

حجاج...... یدخلون پڑھو یعنی داخل ہوتے ہیں۔

لڑکا...... بے شک داخل ہی ہوتے تھے مگر تیرے عہد حکومت میں چونکہ لوگ نکلے جارہے ہیں اس لئے میں نے خروج کا صیغہ استعمال کیا۔

حجاج......تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟

لڑکا...... ہاں میں جانتا ہوں کہ ثقیف کے شیطان سے مخاطب ہوں۔

حجاج......تو دیوانہ ہے اور قابل علاج ہے۔ اچھا امیر المومنین کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔

لڑکا......خدا ابوالحسن (حضرت علی ﷺ) پر رحمت کرے۔

حجاج......میری مراد عبدالملک بن مروان سے ہے۔

لڑکا......اس نے تو اتنے گناہ کئے ہیں کہ زمین وآسمان میں نہیں سما سکتے۔

حجاج......ذرا ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں۔

لڑکا......ان گناہوں کا ایک نمونہ تو یہ ہے کہ تجھ جیسے ظالم کو حاکم بنایا۔ تو وہ ہے کہ غریب رعایا کا مال مباح اور خون حلال سمجھتا ہے۔

حجاج...... نے مصاحبوں کی طرف دیکھا اور کہا اس گستاخ لڑکے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا اس کی سزا قتل ہے، کیونکہ یہ اطاعت پذیر جماعت سے الگ ہو گیا ہے۔

لڑکا......اے امیر! تیرے مصاحبوں سے تو تیرے بھائی فرعون کے مصاحب اچھے تھے، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے متعلق فرعون سے کہا تھا کہ ان کے قتل کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے۔ یہ کیسے مصاحب ہیں کہ (محض خوشامد کی وجہ سے) بغیر سوچے سمجھے میرے قتل کا فتویٰ دے رہے ہیں۔

حجاج نے یہ سوچ کر کہ ایک معصوم لڑکے کے قتل سے ممکن ہے شورش عظیم نہ ہو جائے، نہ صرف اس کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا بلکہ اب خوف دلانے کی بجائے نرمی

سے کام لینا شروع کیا اور کہا۔ اے لڑکے! تہذیب سے گفتگو کر اور زبان کو بند کر، جا میں نے تیرے واسطے چار ہزار درہم کا حکم دے دیا ہے (اس کو لے کر اپنی ضرورتیں پوری کر لے۔)

لڑکا...... مجھے درہم ودام کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا تیرا منہ سفید اور تیرا مخنہ اونچا کرے۔

حجاج نے لڑکے سے کہا۔ ہم نے تیری نوخیزی پر رحم کیا ہے اور تیری ذہانت و ذکاوت اور تیری جسارت وجرات کی وجہ سے تیری خطا معاف کی ہے۔ اس کے بعد اس لڑکے نے حجاج سے اور بھی باتیں کیں۔ اس کے چلے جانے پر اپنے مصاحبین سے کہا خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ دلیر اور سر بکف کسی کو نہیں پایا اور امید ہے کہ وہ بھی مجھ جیسا کسی کو نہ پائے گا۔ (ناقابل فراموش واقعات ص: ۱۲۳ تا ۱۲۵)

خلیفہ ثانیؓ کا عورت کے اشعار سننے پر تاریخی فیصلہ

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے میرے سچے دوست نے خبر دی ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کی آواز سنی جو چند اشعار پڑھ رہی تھی۔ (جن کا ترجمہ یہ ہے۔)

''یہ رات بڑھ گئی اور ستارے چل رہے ہیں، مجھے یہ بات جگا رہی ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ میں لیٹوں اور کھیلوں۔ واللہ! اگر اللہ کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو البتہ اس چارپائی کی چولیں ہلتی ہوتیں، لیکن میں اس نگہبان اور موکل سے ڈرتی ہوں کہ جس کا کاتب کسی وقت نہیں بہکتا، مجھے خوف اور شرم منع کرتی ہے اور میرا خاوند ایسا بزرگ ہے کہ اس سواری پر سوار ہونے کا کوئی قصہ نہ کرے''

آپؓ نے فرمایا: تجھے کیا ہوگیا، اس نے کہا کہ میرا شوہر کئی ماہ سے جنگ پر گیا ہوا ہے اس کے اشتیاق میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو نے برے کام کا

تو ارادہ نہیں کرلیا، اس نے کہا کہ معاذ اللہ۔ آپ نے فرمایا: تو اپنے دل پر قابو رکھ میں صبح ہی اس کو بلاتا ہوں، چنانچہ صبح ہی آپ نے قاصد روانہ کر دیا۔ اس کے بعد اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ایک مشکل آپڑی ہے تم اسے حل کر دو۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت کو اپنے شوہر کی کتنے دنوں تک سخت ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ نے شرم کے مارے اپنا سر نیچا کرلیا اور شرما کے چپ ہو گئیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حق بات میں شرم نہیں کرتا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ تین یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ۔ آپ نے حکم دیا کہ چار مہینے سے زیادہ میدان جنگ میں کسی لشکر کو نہ روکا جائے۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۱۷۳، ۱۷۶)

قرآن پاک جمع کرنے میں صحابہ کرام ﷺ کا تاریخی کردار

حضرت ابوبکر ﷺ کے زمانہ میں جنگ یمامہ کا واقعہ پیش آیا، جس نے آپ کو پورے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کی طرف توجہ دلائی، اس جنگ میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی تھی، جس سے حضرت ابوبکر ﷺ کو قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر پیدا ہوگیا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ثابت ﷺ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر ﷺ نے اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے بلایا، تو میں نے دیکھا کہ عمر بن خطاب ﷺ ان کے پاس موجود ہیں، تو ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس عمر ﷺ آئے اور بیان کیا کہ یمامہ کے دن قراء قرآن کے ساتھ جیسا شدید واقعہ پیش آیا اس سے مجھے خوف ہے کہ حفاظ قرآن اگر اسی طرح مزید شہید ہو گئے تو اکثر قرآن ضائع ہو جائے گا۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں، جس پر میں نے عمر ﷺ سے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم کس طرح کریں، تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر ہے، پھر عمرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ نے میرے دل کو اس کام کے لئے کھول دیا اور میں نے وہی مناسب سمجھا جو حضرت عمرؓ کی رائے ہے۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو اور ذی ہوش ہو، ہم تم پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے، اور تم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے، لہٰذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو، خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کو ہٹانے کی زحمت دیتے تو مجھ پر بار نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ انہوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا، میں نے کہا آپ وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو فرمایا کہ واللہ یہ بہتر ہے، پھر ابو بکرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس بات کے لئے کھول دیا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابو بکر و عمرؓ کے دل کھول دئے تھے، پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کردی اور کھجور کی شاخوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کردیا حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں لقد جاء کم رسول سے آخر سورۃ توبہ تک ابی خزیمہ انصاری کے پاس سے لایا کہ ان کے سوا اور کسی کے پاس یہ آیتیں نہ تھیں، پھر یہ صحیفے حضرت ابو بکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی حیات تک رہے، پھر حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔

اور سیوطی نے اتقان میں روایت کی ہے کہ حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں کہا ہے کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا، البتہ وہ متفرق ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تو مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک جگہ کر دیا اور یہ ان اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پائے گئے تھے، جن میں قرآن منتشر تھا، پھر جمع کرنے والے نے ایک جگہ جمع کر کے ایک تاگہ سے باندھ دیا کہ اس سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

اور زید بن ثابت ﷺ نے حفاظ قرآن اور کاتبان وحی میں سے ہونے کے باوجود اپنے حفظ اور کتابت پر ہی اعتماد نہ کیا بلکہ حافظوں کے سینوں سے اور کاتبان وحی کے صحیفوں سے اور رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں جو لکھا ہوا پایا گیا اس سے مدد لی ،اور جمع کرنے کے بعد مہاجرین وانصار کی جماعت کے سامنے پڑھا،اس طرح ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کی تکمیل ہوگئی کہ:

انا نحن نزلنا الذکرو اناله لحفظون

ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(تاریخ فقہ اسلامی ص:۱۶۶تا۱۶۸)

خلیفہ ہارون الرشیدؒ کا گستاخ رومی کو تاریخی جواب

خلیفہ ہارون الرشید کے کل فوجی کارنامے تفصیل سے دکھانا تو مشکل ہے، لیکن اہل روما کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ مختصراً لکھے جاتے ہیں، جن میں ہارون خود سپہ سالار بن کر گیا تھا، چنانچہ ۱۸۷ھ ۸۱۲ء کا واقعہ ہے کہ جب ایرینی فرمانروائے روم نے سرکشی کی تو قاسم کی ماتحتی میں روم پر فوج کشی ہوئی اور شہزادے نے قلعہ مستان کا محاصرہ کرلیا۔اس وقت ملکہ نے تاب مقابلہ نہ دیکھ کرادائے خراج پر صلح کرلی۔لیکن اس کی معزولی کے چند مہینے بعد نقفور (نیکورس یا نائسفورس) تخت نشین ہوا، تو اس نے ادائے خراج سے انکار کیا اور ارکان سلطنت کے مشورے سے ہارون الرشید کو یہ خط لکھا کہ:

''ملکہ سابق نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی،اب میں تخت نشین ہوا ہوں،اس لئے لکھتا ہوں کہ جس قدر خراج اب تک سلطنت روم سے وصول کیا ہے وہ فوراً واپس کردو، ورنہ بذریعہ تلوار فیصلہ کیا جائے گا۔''

نقفور کی گستاخانہ تحریر پڑھتے ہی ہارون الرشید آپے سے باہر ہوگیا اور اس کا چہرہ

غصہ سے آگ ہو گیا، امراء اور وزراء کے حواس جاتے رہے، کسی میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی، چہ جائیکہ کوئی گفتگو کر سکتا۔ اس لئے خط کی پشت پر خود ہی اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے:

من هارون امير المؤمنين الىٰ نقفور كلب الروم قد قرأت كتابك يا ابن الكافره والجواب ماتراه دون ماتسمعه .

''یعنی یہ خط امیر المؤمنین ہارون رشید سے نقفور (سگ رومی) کے نام ہے۔ اے کافر کی اولاد میں نے تیرا خط پڑھا، اس کا جواب تو نہ سنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھ لے گا۔''

ہارون نے اسی وقت فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس تیزی سے اس پر جا پڑا کہ نقفور حیرت زدہ رہ گیا۔ جب پائے تخت ''ہریکلی'' تباہ ہو گیا اور رومی فوج بہت کچھ تلوار کے گھاٹ اتر چکی، تب نقفور نے معافی مانگی اور شرائط سابق پر صلح کر لی۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۱۴۱)

سلطانی عدل کا تاریخی فیصلہ

اسلام کا ابتدائی دور اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ حجاز کے شمال میں عربوں کے ایک خاندان بنی غسان نے ایک سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ شام میں رومیوں کا اقتدار قائم ہوا تو یہ غسانی سلطنت ان کے زیر اثر آ گئی۔ جبلہ اس کا آخری تاجدار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ عرب کے تمام قبیلے اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے ہیں اور نئی اسلامی حکومت نے روم و ایران کی شوکت پر بھی لرزہ طاری کر دیا ہے تو وہ خود بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا، اور حضرت عمرؓ کو اپنے ارادے کی اطلاع دے دی کہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر اسلام لانا چاہتا ہوں، حضرت عمرؓ یہ اطلاع پا کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ بہت شوق سے آؤ۔ قبول اسلام کے بعد تمہیں وہ تمام حقوق حاصل

ہو جائیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تمہارے ذمے وہی فرض عائد ہو جائیں گے جو ہم پر عائد ہیں۔

جبلہ پانچ سو سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا، اس نے تمام سواروں کو زربفت کی قبائیں پہنا رکھی تھیں۔ خود بھی زرتار لباس زیب بدن کر رکھا تھا اور سر پر مرصع سنہرا تاج جگمگا رہا تھا۔ اہل مدینہ نے اس ٹھاٹھ کا جلوس پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

غرض جبلہ حضرت عمرؓ کے دست مبارک پر اسلام لایا۔ حج کا موسم قریب تھا اور حضرت عمرؓ ہی کے ساتھ وہ بھی حج کے لئے مکہ معظمہ پہنچا۔ ایک روز خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اتفاق سے ایک بدوی کا پاؤں نادانستہ جبلہ کے چغے کے دامن پر پڑ گیا۔ جبلہ کے دماغ سے شاہی غرور ابھی زائل نہ ہوا تھا، اس نے بدوی کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ناک کا بانسہ پھوٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ بدوی نے جبلہ سے تو کچھ نہ کہا اور دادخواہی کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ گیا۔

خلیفۂ اسلام نے شکایت سن کر جبلہ کے پاس آدمی بھیجا اور دریافت کیا کہ اس بے گناہ کو کیوں مارا ہے؟ جبلہ نے جواب دیا کہ اس نے سخت گستاخی کی۔ میرے لباس پر پاؤں رکھ دیا، یہ تو طمانچہ ہی تھا اگر خانہ خدا کی حرمت کا پاس نہ ہوتا تو اس کا سر اڑا دیتا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خیر اور جو کچھ آپ کرتے وہ تو دیکھ لیا جاتا آپ نے اپنے جرم کا اقبال تو کر ہی لیا، جس طرح بھی ہو اس بدوی کو راضی کیجئے، ورنہ مجھے حکم دینا پڑے گا کہ بدوی بھی آپ کے منہ پر اسی طرح طمانچہ رسید کرے۔

جبلہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور بولا کہ میں فرمانروا ہوں اور یہ ایک ادنیٰ شخص ہے میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے میری عزت بڑھے گی، یہ معلوم نہ تھا کہ جو عزت مجھے پہلے سے حاصل ہے وہ بھی باقی رہے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسلام نے تمہیں اور اس شخص کو برابر کر دیا ہے، فضیلت میں بڑا وہ ہے جو نیک اعمال میں بڑا ہو

۔تمہاری عزت یقیناً بڑھ گئی، وہ اس طرح کہ تم میں اور تمام مسلمانوں میں اخوت و برادری کا رشتہ پیدا ہو گیا۔

آخر جبلہ نے ایک رات سوچنے کی مہلت مانگی، اندھیرا چھا گیا تو وہ اپنے سواروں کو لے کر چپ چاپ مدینہ سے نکل گیا۔ وہ اپنے وطن میں بھی نہ ٹھہرا، بلکہ رومی بادشاہوں کے علاقے میں جا پہنچا اور باقی زندگی وہیں عیش و آرام سے بسر کی۔ لیکن آخری وقت تک اسلام سے پھر جانے پر پچھتاتا رہا، وہ خود کہا کرتا تھا کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں وہ بات مان لیتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔

دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھوٹے بڑے کا لحاظ کیے بغیر سلطانی عدل کا فیصلہ سنا دیا اور جبلہ کی خاطر اصول میں ردوبدل گوارا نہ کیا، حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ غریبوں پر شریعت کا حکم لگا دیا جاتا تھا اور امیروں سے کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دنیا کو اسلامی عدل کا نمونہ دکھا دیا۔

(سو تاریخی واقعات ص: ۹۵،۹۶)

خلیفۂ اسلام کی قابل رشک تاریخی حیثیت

(۱) مقام یرموک میں مسلمانوں اور رومیوں میں ایک فیصلہ کن معرکہ گرم ہے۔ رومیوں کی ٹڈی دل فوجوں کے مقابلے میں شام وعراق کی اسلامی فوجیں مجتمع ہو کر داد شجاعت دے رہی ہیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک نئے طرز پر اسلامی فوجوں کو لڑا رہے ہیں۔ سپہ سالار اسلامی کی مہارت قیادت کی بدولت نقشہ جنگ میں فتح وظفر کا رنگ بھرا جا رہا ہے۔ ہر شخص سیف اللہ کی روانی و برانی پر عش عش کر اٹھتا ہے۔ یکا یک خلیفہ اسلام کا حکم پہنچتا ہے کہ خالد اپنے عہدہ سے معزول کئے جاتے ہیں۔ سپہ سالار دربار خلافت کے اس حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں پڑتا اور اس کی تلوار کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ہے خلیفہ اسلام کی پہلی حیثیت۔

(۲) مسجد نبوی ﷺ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر فرمارہے ہیں کہ ایک شخص مجمع عام میں سے کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

''اے عمر خاموش ہو جاؤ۔ ہم تمہاری بات نہیں سنتے۔ جو مال غنیمت تقسیم ہوا ہے اس میں سے سب کو ایک ایک چادر ملی ہے۔ تمہارے پاس دو چادریں کہاں سے آئیں کہ ایک قمیص بنالی اور ایک اوڑھے ہوئے ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔''میرا بیٹا عبداللہ اس کا جواب دے گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

''امیر المومنین نے بھی ایک ہی چادر لی ہے۔ دوسری چادر جس کی قمیص پہنے ہوئے ہیں میرے حصہ کی ہے، جو میں نے اپنے والد کو دے دی ہے۔''

یہ ہے خلیفہ اسلام کی دوسری حیثیت۔

عہد اسلام کے خلیفہ اول نے خلافت کے بار کو سنبھالتے ہی امتیازات خلافت کی حدود کو ان الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا۔

ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فاذا احسنت فاعینونی وان انازغت فقومونی

''اے لوگو! میں تو احکام شریعت کی پیروی کرنے والا ہوں، کوئی بات اپنی طرف سے ایجاد کرنے والا نہیں۔ لہٰذا جب میں صحیح راستہ پر چلوں تو میری مدد کرو اور اگر اس سے انحراف کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔''

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ان ہی حدود کی عملی تفسیر ہیں۔

(۳) احنف بن قیس امرائے عرب کے ساتھ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو گئے ۔کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین دامن چڑھائے ادھر ادھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ احنف کو

دیکھا تو کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا اونٹ بھاگ گیا ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں بہت سے غریبوں کا حق ہے۔ایک شخص نے کہا۔امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔''

آپ نے فرمایا۔''مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے۔''

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو بیماری کی وجہ سے شہد درکار ہوا۔ کہیں اور نہ ملتا تھا، بیت المال میں موجود تھا۔آپ بیماری ہی کی حالت میں مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور عام مسلمانوں سے اس کے استعمال کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تب اسے ہاتھ لگایا۔

(۵) نواح مدینہ میں ایک ضعیف و نابینا عورت رہتی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کام میں ان سے سبقت کر جاتا ہے۔ایک روز اس کا کھوج لگانے کے لئے کچھ دیر پہلے آگئے۔دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر نکل رہے ہیں۔

متحیر ہو کر کہا:

''اے خلیفہ رسول! خدا کی قسم کیا روز آپ ہی خدمت کر جاتے ہیں!''

(تاریخ ملت ملخصاً ج:۲ص:۳۰۰تا۳۰۳)

دوسرا حصہ

دنیا کی واحد جگہ جہاں ۴۰۰ سال تک تلاوت قرآن ہوئی

یوں تو دنیا کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ استنبول میں محفوظ یہ تبرکات زیادہ مستند ہیں۔ ان میں سرور دو عالم ﷺ کا جبہ مبارک، آپ ﷺ کی دو تلواریں، آپ ﷺ کا وہ جھنڈا جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں استعمال کیا گیا تھا، موئے مبارک، دندان مبارک، مقوقس شاہ مصر کے نام آپ ﷺ کا مکتوب گرامی اور آپ ﷺ کی مہر مبارک شامل ہیں۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات بنوعباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ یہ آخری عباسی خلیفہ المتوکل کے حصے میں بھی آئے تھے، وہ آخر میں مصر کے اندر مملوک سلاطین کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اقتدار واختیار میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی سلطان سلیم اول کی سلطنت تسلیم کر لی، اور اسے ''خادم الحرمین الشریفین'' کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ المتوکل نے ''خلافت'' کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا، اور مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی کنجیاں اور یہ تبرکات بھی بطور سند خلافت ان کے حوالے کر دیئے۔ اسی کے بعد سے سلاطین عثمان کو ''خلیفہ'' اور ''امیر المومنین'' کا لقب مل گیا۔ اور پوری دنیائے اسلام نے ان کی یہ حیثیت کسی اختلاف کے بغیر تسلیم کر لی۔

اس طرح سلطان سلیم دسویں صدی ہجری میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے کر آئے، اور یہ اہتمام کیا کہ "توپ کاپے سرائے" میں ان کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک مستقل کمرہ تعمیر کیا۔ سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدر دانی اور ان سے عشق و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک سلطان سلیم زندہ رہے استنبول میں مقیم رہنے کے دوران اس کمرے میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور اس کی صفائی کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اس کمرے میں انہوں نے حفاظ قرآن کو مقرر کیا کہ وہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں، حفاظ کی ڈیوٹیاں مقرر تھیں اور ایک جماعت کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت آ کر تلاوت شروع کر دیتی تھی۔ اس طرح یہ سلسلہ بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا، اس طرح دنیا میں شاید واحد جگہ ہے جہاں چار سو سال تک مسلسل تلاوت قرآن ہوتی رہی ہے، اور اس دوران ایک لمحے کے لئے بھی بند نہیں ہوئی، خلافت کے خاتمے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوا۔

(جہانِ دیدہ ص: ۳۳۸، ۳۳۹)

۲۳ سالہ دور نبوت میں بننے والی خلافت الٰہیہ کے ۱۱۲ اہم اصول

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید، اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا، اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے.......... اسلام دنیا میں شاہنشاہی قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مٹانے اور اس کے حزابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا، اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا جو انسانوں کے دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا، اس قانون کے تحفظ، نفاذ اور قیام امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی، اس لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی، یہ کوئی شاہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضرورت کے مطابق

نظام بنتا جاتا تھا۔

اگرچہ ذات اقدس جملہ مذہبی وانتظامی امور کا مرجع تھی لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے مختلف شعبے قائم کرکے انہیں اکابر صحابہ کرام ؓ کے متعلق فرمادیا تھا۔ وہ سادہ نظام حکومت یہ تھا۔

فوج اور امیر العسکری چونکہ اسلام جنگ وجدل کے لئے نہیں آیا تھا، اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی، مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا اور حضرت ابوبکر ؓ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سربکف نظر آتا تھا، بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس قیادت فرماتے تھے، بدر، احد، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں آپ ﷺ ہی امیر العسکر تھے، چونکہ ان معرکوں کا مقصد خونریزی اور فتح نہ تھا بلکہ فوج کی اخلاقی وروحانی نگرانی اور اصول آئین جنگ کی تاسیس بھی تھا، مجاہدین اسلام کے جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپ ﷺ نے گرفت فرمائی، اس کی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں کبار صحابہ امیر العکسر ہوتے تھے۔

افتاء:

افتاء کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے، لیکن بعض صاحب علم صحابہ ؓ بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ:

مدینہ اور حوالی مدینہ کے قضیے آپ ﷺ خود فیصل فرماتے تھے، لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت علی ؓ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو آپ ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا

تھا۔بعضوں کے نام آئندہ آئیں گے۔

کاتب:

آپ ﷺ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے، قبائل واقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے، مسلمان قبائل اور عمال ومحصلین کو احکام وہدایات بھیجتے تھے، اس لئے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا، اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا، لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت زید بن ثابت انصاری ﷺ اور آخر میں امیر معاویہ ﷺ کاتب وحی تھے۔

ان کے علاوہ مراسلات کی تحریر کی خدمت اور بہت سے صحابہ کرام ﷺ انجام دیتے تھے۔

احتساب:

یعنی قوم کے اخلاق و عادات بیع، وشراء اور بعض معاملات کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوت ﷺ میں نہ تھا، لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑ گئی تھی، آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے، لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے، تجارت میں آپ ﷺ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا، جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ دیں۔

کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لے جاتے تے، ایک بار آپ بازار سے گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے پوچھا، اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کرلیا کہ ہر شخص کو نظر آتا، جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں

ہیں۔

عمال کا جائزہ:

فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے، چنانچہ جب عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ ﷺ جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللبیۃ رضی اللہ عنہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے جائزہ لیا، انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ ملا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا، اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی

حکام اور ولاۃ:

مقدمات کا فیصلہ، اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے۔

محصلین

اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات وزکوۃ خود لا کر پیش کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کیلئے آنحضرت ﷺ نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوۃ کے محصل مقرر فرمائے، عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا۔

یہ محصلین قوانین صدقات وزکوۃ کے عالم ہوتے تھے، ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے، چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا، اس ضرورت کی تصریح آپ ﷺ نے خود ان الفاظ میں فرمادی

تھی کہ جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر گھر نہ ہو تو مکان کا اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا تو وہ خائن ہے۔''

محاصل کی اقسام اور اس کے مصارف

عہد نبوی ﷺ میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں، غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ، اور خراج، غنیمت، یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا، یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، اس کو قرآن نے خدا کی ملکیت قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے۔

لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ ﷺ خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے اور پیدل کو ایک، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے، خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

زکوٰۃ:

صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ، پھل، پیداوار، مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب وسامان تجارت۔

دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا، مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے، پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے، اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

زکوۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کردی ہے، فقراء و مساکین ،نو مسلم و غلام، جن کو آزاد کرنا ہو۔ مقروض، مسافر، محصلین زکوۃ کی تنخواہیں اور دوسرے کار خیر، زکوۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی۔

جزیہ:

غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، اس کی تعداد متعین نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے۔

خراج:

غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہوجائے، خیبر، فدک، وادی القری اور تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی معارف میں صرف ہوتی تھی ،جو کچھ وصول ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آتا اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرمادیتے ،ان سب کے نام درج رجسٹر تھے، اہل و عیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔

شریعت کی تاسیس و تکمیل

تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اپنے پیروں کے تزکیہ اخلاق اور ان کی اخروی فوز و فلاح کے ساتھ ان کے جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہے، اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کی دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک

مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصول ضابطہ موجود ہے، اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی ﷺ سے ہوا اور اختتام آپ ﷺ کی وفات پر، یعنی کامل تئیس (۲۳) سال کی مدت میں حسب ضرورت بتدریج مکمل ہوتا رہا، اس کی چار شاخیں ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، اور عام اخلاق، ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات خدا اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور دو یعنی معاملات و اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں، عقائد میں توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر نشر اور سزا و جزاء پر ایمان، عبادات میں نماز، روزہ، حج، اور زکوہ پر عمل (حرام وحلال کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات، وراثت، وصیت، وقف، نکاح، وطلاق، حدود، تعزیرات، تجارت اور لین دین وغیرہ، یعنی مسلمانوں کے دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط وقواعد، اخلاق، انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض۔

کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصول احکام موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونۂ عمل بنادی۔

(تاریخ اسلام ندوی ج:۱ص:۹۰ تا۹۴)

خلیفۂ وقت کا مثالی عدل، مثالی سخاوت، مثالی گفتگو

خلیفۂ ناصر ظاہر بامر اللہ کی وفات کے بعد پہلی شوال ۶۲۲ھ کو ابو نصر محمد تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ عمر اس وقت ۵۲ سال کی تھی۔ لوگوں نے کہا آپ فتوحات کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے، آپ نے فرمایا، میرا کھیت تو سوکھ چکا ہے، بیکار طمع سے کیا فائدہ ہے، لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کی عمر میں برکت دے گا۔ جواب دیا کہ جس شخص نے شام کو دوکان کھولی وہ خاک کمائے گا۔

عدل وانصاف

ابن کثیر کا بیان ہے کہ الظاہر تخت خلاف پر بیٹھے تو اتنا عدل واحسان کیا کہ پچھلے دو خلفاء نے بھی نہ کیا تھا، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد ان جیسا کوئی خلیفہ نہیں ہوا تو بالکل صحیح ہے۔ جتنے اموال واملاک ان کے باپ دادا نے ضبط کئے تھے یا کام میں لائے تھے، مستحقین کو واپس کر دیئے۔ نئے ٹیکس تمام معاف کر دیئے اور حکم دیا کہ جو قدیم میں خراج تھا وہی قائم رہے، ایک دفتر کا افسر واسط سے آیا، اس کے پاس ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھے جو ظلم سے اس نے پیدا کئے تھے، خلیفہ نے کہا یہ تمام مال مستحقین کو واپس کر دو، جو لوگ قرضہ کی علت میں تھے ان کو رہا کر دیا، اور قاضی کو دس ہزار دینار بھیج دیئے کہ ان کا قرضہ اتار دیا جائے۔

سخاوت

عید الاضحیٰ کے روز علماء وصلحاء کو ایک لاکھ دینار تقسیم کر دیئے، اس تمام روپے میں ایک حبہ ایسا نہ تھا کہ کسی سے زبردستی یا خلاف رضامندی وصول کیا گیا ہو۔

سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ: ’’ایک روز الظاہر خزانہ کی طرف نکلے، ان کے غلام نے کہا کہ یہ خزانہ آپ کے والد کے وقت کا ہے اور بھرپور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آخر میں کیا تدبیر کروں کہ یہ خزانہ پھر بھر جائے، مجھے تو اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے خالی کرنا آتا ہے جمع کرنا سوداگر کا کام ہے۔‘‘

ظاہر نے نو مہینے فرائض خلافت انجام دے کر ۱۵ رجب ۶۲۳ھ کو وفات پائی۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اس نے قبل وفات بخط خاص ایک فرمان وزیر کو لکھا تھا جو ارکین دولت کے روبرو پڑھا گیا۔

وزیر نے تمام اراکین سلطنت کو جمع کیا تو خلافت مآب کے قاصد نے کھڑے ہو کر کہا کہ ’’امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ صرف اس قدر کہنے پر

اکتفا کیا جائے دربار خلافت سے یہ فرمان آیا ہے یا یہ حکم صادر ہوا ہے، بعد اس کے اس کا کوئی اثر کہیں محسوس نہ ہو، بلکہ اس زبانی گپ شپ کو چھوڑ دو اور اس پر عمل درآمد کرو۔''

قاصد اس قدر کہہ کے خاموش ہوگیا۔ فرمان کھولا گیا تو اس میں بعد بسم اللہ کے لکھا ہوا تھا۔

آگاہ ہو جاؤ کہ ہماری یہ تاخیر مہمل اور بے کار نہیں ہے اور نہ ہماری یہ چشم پوشی غفلت پر مبنی ہے، بلکہ ہم لوگوں کو جانچتے ہیں کہ تم لوگوں میں سے کوئی شخص اچھا کارگزار ہے، اس سے پیشتر ویرانی ملک، بربادی رعایا، تخریب شریعت کی کاروائیاں، جو ظہور پزیر ہو چکی ہیں، اور نیز براہ مکر وفریب جو جھوٹی باتوں کو سچائی کے لباس میں ظاہر کیا کرتے تھے اور بیخ کنی و ہلاکت رعایا کو حق رسی ودادرسی سے تعبیر کرتے تھے۔

ہم نے ان سب تمہارے افعال ذمیمہ وحرکات قبیحہ سے درگزر کیا۔ افسوس ہے کہ تم نے اس فرصت کے وقت کو مغتمات سے شمار کر کے خوف ناک اور مہیت شیر کے پنجوں اور دانتوں کی طرح سے خلق اللہ کو چیر پھاڑ ڈالا۔ تم لوگ ایک ہی بات کو بالفاظ مختلفہ کہا کرتے ہو، حالانکہ تم علم خلافت کے امین اور معتمد علیہ ہو، تم لوگ اپنی خواہشات کی طرف خلافت مآب کی رائے کو مائل کر لیتے ہو اور حق و باطل کو ملا جلا دیتے ہو، اس سے بہ مجبوری تمہاری رائے سے موافقت کی جاتی ہے۔ بظاہر مطیع اور فرمانبردار ہو، لیکن حقیقت میں تم حد درجہ کے نافرمان اور متمرد ہو، صورۃ موافقت کا پیرایہ اختیار کرتے ہو اور حقیقتاً پورے پورے مخالف اور سرکش ہو۔

الحمدللہ کہ اب اللہ سبحانہ نے تمہارے خوف کو امن سے محتاج کو غنا سے، اور باطل کو حق سے تبدیل کر دیا، اور ایک ایسا فرمانبردار خلیفہ تم کو عنایت کیا ہے جو تمہارے عزرات کو قبول کرے گا اور اس شخص سے مواخذہ اور انتقام لے گا جو اپنی خطاؤں پر مصر

ہوگا اور اپنی حرکات نامعقول سے باز نہ آتا ہوگا۔ امیر المومنین تم کو عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کا یہی مقصد ہے کہ تم لوگ ہمیشہ عدل وانصاف سے رہو اور بے جا ظلم و کارروائی سے احتراز کرتے رہا کرو، امیر المومنین کو ظلم وستم بے حد ناگوار اور ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس کی ناراضی سے امیر المومنین خائف وترساں ہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنی اطاعت کی ترغیب وتوفیق دے گا۔

پس اگر تم نے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک میں اللہ تعالیٰ کے نائبوں اور امینوں کا ہے تو نور علی نور، ورنہ یاد رکھو کہ ہلاک وتباہ ہو جاؤ گے۔"

(ابن خلدون بحوالہ تاریخ ملت ج ۲ ص ۴۵۲ تا ۴۵۴)

جنگ جمل کے بعد اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیار بھرا جملہ

"میرے بچو"

اختتام جنگ کے بعد حضرت علی ؓ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر ؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو زخم تو نہیں پہنچا، اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔

اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھی ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا خدا ہم دونوں کو معاف کرے، اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔

چند دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی ؓ نے محمد بن ابی بکر ؓ کو حکم دیا کہ وہ عزت واحترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں اور سواری

اور زادراہ نقد وجنس وغیرہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی، بصرہ کی پولیس کو معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہم رکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا، میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہئے۔ میرے اور علی ﷜ کے درمیان جو ساس، داماد میں کبھی کبھی ہوجایا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی۔ وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد پر حضرت علی ﷜ نے فرمایا، ام المومنین رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی، وہ دنیا وآخرت دونوں میں تمہارے نبی ﷺ کی حرم ہیں۔

اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، حضرت علی ﷜ نے چند میل تک خود مشایعت کی، اس کے بعد حضرت حسن ﷜ کو بھیجا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ا ص: ۲۵۳)

ہرقل کا اپنے رؤسا کے سامنے تقریر کرنا

حضرت عمر فاروق ﷜ جب مسند خلافت پر براجمان ہوئے تو اہل کفر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷜ کو دبدبہ ہی ایسا دیا تھا کہ آپ کے ڈر سے رؤسائے کفار بھی گھبرا اٹھے۔ اسی گھبراہٹ اور خوف میں شاہ روم اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔ (از مؤلف)

"یا بنی اصفر! یہ وہی شخص ہے جس سے میں تمہیں ڈرایا کرتا تھا۔ مگر تم نے میری

ایک نہ سنی، اب اس گندمی رنگ اور سیاہ چشم والے شخص کی حکومت اور دبدبہ کی وجہ سے معاملہ زیادہ نازک اور خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے، اور وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب اس صاحب فتوح مشابہ بہ نوح علیہ السلام شخص کی ولایت کے حدود، خدا کی قسم! میرے پایہ تخت تک پہنچ جائیں گے اور وہ میرے تاج و تخت کے مالک ہو کر رہیں گے، لہٰذا تمہیں وقت آنے سے قبل بلا نازل ہونے، گھر اجڑنے محلوں کے ویران، پادریوں کے قتل، اور ناقوسوں کے بے کار اور بند ہونے سے پہلے ڈرنا اور بہت زیادہ ڈرنا چاہئے۔ یہ شخص حرب و ضرب کا ماہر اور روم و فارس کو زیر و زبر کرنے والا شخص ہے، اپنے دین کا زاہد ہے اور دوسری ملتوں کے متبعین پر نہایت سخت۔ اگر اب بھی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند ہو جاؤ، ظلم چھوڑ دو، ادائے مفروضات اور طاعات مسیح علیہ السلام کی اتباع کرو، زنا اور تمام بے ہودہ باتوں سے توبہ کر لو، تو مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن تم نے اس کا انکار کیا اور اسی طرح فسق و فجور میں مبتلا اور خواہشات دنیا میں پھنستے رہے تو یاد رکھو کہ تمہارے دشمنوں کو خدا تم پر مسلط کر دے گا، اور ایسی بلا میں تم گرفتار ہو جاؤ گے جس کے اٹھانے کی طاقت تک تم میں نہ ہوگی۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اس قوم کا دین دنیا کے تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا اور جب تک اس مذہب کے حامل خود اپنے اس دین میں تغیر و تبدل نہیں کریں گے اس وقت تک وہ ہمیشہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ رہیں گے، اس وقت تمہارے سامنے دو ہی صورتیں ہیں، اول یہ کہ تم اس دین میں داخل ہو جاؤ یا جزیہ پر مصالحت کر لو۔"

رومی یہ فقرے سن کر اس طرح جھپٹے اور چاہا کہ اسے قتل کر دیں، مگر ہرقل نے نرم آواز میں ان کے سخت غصے کو ٹھنڈا کیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، کہ میرا مطلب اس کہنے سے محض آپ لوگوں کی آزمائش اور معلوم کرنا تھا کہ آپ حضرات کو اپنے دین کی غیرت اور حمیت کہاں تک ہے اور آیا آپ کے دلوں میں عربوں کا خوف تو جگہ نہیں

کر گیا۔ (فتوح الشام ص: ۱۵۳)

رکن یمانی کو پکڑ کر حاجت طلب کرنے والے چار افراد

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے طارق بن عبدالعزیز سے بحوالہ شعبی بیان کیا ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہم اور عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کعبہ کے صحن میں موجود تھے، اور لوگوں نے اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہا کہ تم میں سے کوئی ایک آدمی کھڑا ہو کر رکن یمانی کو پکڑے اور اللہ سے اپنی حاجت طلب کرے، وہ اسے اسی وقت عطا کرے گا۔ اے عبداللہ بن زبیر اٹھیے! آپ ہجرت میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ آپ اٹھے اور رکن یمانی کو پکڑ کر کہنے لگے، اے اللہ تو عظیم ہے اور ہر عظیم سے امید کی جاتی ہے میں تیرے عرش کی حرمت اور تیرے چہرے کی حرمت اور تیرے نبی علیہ السلام کی حرمت کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے حجاز کا والی بنائے بغیر موت نہ دینا، اور مجھے سلام خلافت کہا جائے اور آپ بیٹھ گئے لوگ کہنے لگے اے مصعب اٹھئے، حضرت مصعب نے اٹھ کر رکن یمانی کو پکڑا اور کہنے لگے، اے میرے اللہ! تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز تیری طرف لوٹ جائے گی، میں تجھے تیری قدرت کا واسطہ دے کر جو ہر چیز پر تجھے حاصل ہے، واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں عراق کا والی بنائے بغیر موت نہ دینا، اور حضرت سکینہ بنت الحسین سے میرا نکاح کرانا، اور آ کر بیٹھ گئے، لوگ کہنے لگے اے عبدالملک اٹھیے، اس نے اٹھ کر رکن یمانی کو پکڑا اور کہنے لگا، اے اللہ جو ساتوں آسمان کا مالک ہے اور اے چٹیل زمین کے رب، میں تجھ سے وہ سوال کرتا ہوں جو تیرے احکام کے فرمانبردار بندوں نے تجھ سے سوال کیا ہے، اور میں تیرے چہرے کی حرمت کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور میں تیرے اس حق کا واسطہ دے کر جو تیری ساری مخلوق

پر واجب ہے، اور تیرے گھر کے ارد گرد طواف کرنے والوں کے حق کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ مجھے زمین کے شرق و غرب کا والی بنائے بغیر موت نہ دینا، اور جو مجھ سے جھگڑا کرے میں اس کا سر لے آؤں، پھر وہ آ کر بیٹھ گیا۔ لوگ کہنے لگے اے عبداللہ بن عمر اٹھیے! آپ نے اٹھ کر رکن یمانی کو پکڑا اور کہنے لگے، اے اللہ تو رحمٰن رحیم ہے، میں تجھ سے تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر جو تیرے غضب سے سبقت کر گئی ہے، سوال کرتا ہوں اور جمیع مخلوق پر تجھے جو قدرت حاصل ہے اس کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ مجھ پر جنت واجب کیے بغیر مجھے موت نہ دینا۔ شعبی کا بیان ہے کہ میری آنکھیں دنیا سے نہ گئیں حتیٰ کہ میں نے ہر شخص کے لئے وہ کچھ دیکھا جو اس نے سوال کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر کو جنت کی بشارت دی گئی اور آپ کے لئے جنت کو دیکھا گیا۔

(ابن خلکان ج ۳ ص: ۱۹۔ ۲۰)

بغاوت اور ہنگامہ خیزی سے متعلق چار قیمتی باتیں

ہنگامہ خیزی اور بغاوت کا سبب عام طور پر چار چیزیں ہوا کرتی ہیں جو یہ ہیں:

اول:- بادشاہ کا رعایا سے بالکل بے خبر رہنا اور اس کی بھلائی یا برائی کی پرواہ نہ کرنا۔

دوم:- ملک میں شراب نوشی کا عام رواج ہونا، شراب نوشی کی وجہ سے انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اس کی بد طینتی کا مادہ ابھرنے لگتا ہے، انسان نشے کے عالم میں اپنے آپ سے باہر نکل کر اپنی خواہشات کو تسکین پہنچانے کے لیے طرح طرح کی حرکات کرتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر ہم خیالی کی بدولت آپس میں مل جل کر ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں۔

سوم:- امراء اور اراکین سلطنت کا آپس میں گہرے مراسم رکھنا، جب امراء آپس میں شیر وشکر ہوتے ہیں تو اس وقت ان میں سے اگر کوئی ایک کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو باقی تمام اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

چہارم:- مال ودولت کی فراوانی، جب کم ظرفوں اور کمینوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ روپیہ مل جاتا ہے تو وہ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ہر چیز پر قابض ہونے کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی حریص نگاہیں زمام حکومت کو بھی ہاتھ میں لینے کے لئے تڑپنے لگتی ہیں۔ (تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۶۲)

اصول حکمرانی کا لب لباب

منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کو جو مرنے سے پہلے وصیت کی تھی اس میں یہ چند فقرے اصول حکمرانی کے لب لباب سے ہیں:۔

''ابو عبداللہ کنیت (مہدی)۔ بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقویٰ سے، رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تابعداری سے، شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے، بادشاہ کے اقتدار اور اس کی تابعداری کو دوام جب ہی ہوتا ہے کہ خزانہ بھرپور ہو، احتیاط جب ہی ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خبریں بادشاہ کو پہنچتی رہیں، وہی شخص معاف کرنے پر قدرت رکھے گا جو عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہو، سب آدمیوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں پر ظلم کرے۔ اپنے دوستوں کے کاموں سے عبرت حاصل کرتے رہو۔ کسی کام کی استواری کا خیال مت کرو، جب تک کہ غور نہ کرلو، کیونکہ سمجھدار کا فکر کرنا اس کا آئینہ ہوتا ہے، ایسا کرنے سے تمہیں اس کے اچھے برے کا علم ہو جائے گا۔

(ابن اثیر ج:۶ ص:۹)

جذبۂ شہادت سے سرشار مجاہدین کے ہاتھوں انگریز کی لاشوں کا انبار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمان بے انتہاء جذبۂ شہادت سے سرشار تھے، ذیل کے مضمون سے ان کے سچے جذبات کی عکاسی ہو رہی ہے۔اس اقتباس کا مقصد مسلمانوں کی دین سے محبت کو ظاہر کرنا ہے۔ (از مؤلف)

جامع مسجد پہنچ کر اس دستے نے کمک کا انتظار کیا مگر مسجد میں ٹھہرے ہوئے مجاہدین کو جب یہ معلوم ہوا کہ فوج آرہی ہے تو ایک شخص نے مکبّر پر چڑھ کر للکارا:

''تمہارے امتحان کا وقت آگیا......تم میں کون ہے جو اپنی جان نچھاور کرنا چاہتا ہے؟ دشمن سامنے کھڑا ہے، جس کو مرنا ہے وہ میرے ساتھ شمالی دروازے کی طرف آئے اور جسے جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازے سے چلا جائے کہ اُدھر دشمن نہیں ہے۔''

اللہ اکبر کے نعروں نے بام و در لرزا دیئے، مجاہدین تلواریں کھینچ کر تیار ہو گئے۔ ایک بھی جنوبی دروازے کی طرف نہیں گیا۔ جیسے ہی وہ شمالی دروازے سے نکلے انگریزی فوج نے گولیوں کی باڑھ ماری، تقریباً دوسو (۲۰۰) شہید ہو کر گر پڑے مگر انگریزی فوج کو دوسری بار گراب مارنے کی مہلت نہ ملی اور یہ لوگ جن کے پاس صرف تلواریں تھیں، ان کے سر پر جا پہنچے۔ دست بدست جنگ ہوئی اور دشمن کی فوج اس مجاہدانہ جذبے کی تاب نہ لا کر بھاگنے لگی۔ شہر کے لوگ جو ہاتھ آیا، حتیٰ کہ پلنگ کی پٹیاں تک لے کر نکل پڑے۔ ان مجاہدوں نے انگریزی فوج کا پیچھا نہ چھوڑا اور کشمیری دروازے کے گرجا (سینٹ جیمس) تک بھگا دیا، ظہیر دہلوی اس موقعے کے چشم دید حالات میں بتاتے ہیں کہ:

میں وہاں سے چاوڑی کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی لاٹھی

پٹونگا۔ تلوار۔ گنڈاسا وغیرہ لیے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں، غرض کہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر گلیوں میں پہنچا تو وہاں عجیب تماشا نظر آیا، لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے لکڑیوں کی ٹال لگی ہوئی ہے.....''

اس جنگ کا واقعہ بتانے کے بعد وہ کہتے ہیں:۔

''ایک غل شور برپا ہوا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں۔ پلنگ کی پٹیاں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔ اس بزن میں سے کچھ آدمی مارے گئے جن کی یہ لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر چلے گئے ....میں نے جامع مسجد سے لے کر کوتوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں، اور ایک ٹین کی تھیلی گراب کی کوتوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے دریبے کے پھاٹک پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ پیپل کے پیڑ کے نیچے ایک توپ کھڑی ہوئی ہے اور کوئی گولنداز وغیرہ وہاں نہیں ہے......حسب التحقیق واضح ہوا کہ کچھ آدمی اس توپ کو لاہوری دروازے سے کھینچ کر لائے اور یہاں قائم کر کے انہوں نے انگریزی فوج پر گراب مارا اور اس سے افواج انگریزی کو جو کوتوالی کے آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا، جب دوبارہ گراب مارا ہے اور اس سے زیادہ نفوس تلف ہونے لگے تو ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔''

(داستان غدر ص: ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ہارون الرشید رحمہ اللہ کو سخت تنبیہ کی

ہارون اور سفیان ثوری میں بچپن سے دوستی تھی، جب یہ خلیفہ ہوا تو سفیان ثوری سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن سفیان نے پروانہ کی۔ آخر ہارون نے ان کے نام خط

لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

''از ہارون الرشید بنام برادرم سفیان!

برادرم تم کو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتہ اخوت قائم کیا ہے اور میرے تمہارے جو تعلقات تھے بدستور قائم ہیں۔ تمام میرے احباب میری خلافت کی مبارک باد دینے کو میرے پاس آئے اور میں نے ان کو گراں بہا صلے دیئے۔ افسوس ہے آپ اب تک نہ آئے، میں خود حاضر ہوتا لیکن یہ امر شان خلافت کے خلاف تھا۔''

جواب: ''از بندۂ ضعیف سفیان بنام ہارون فریفتہ دولت!

تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کرلیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کو بے موقع اور بے جا گراں بہا صلے دے کر خرچ کیا، اس پر بھی تم کو تسلی نہ ہوئی، اور چاہتے ہو کہ قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں۔ ہارون تجھ کو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

تو تخت پر اجلاس کرتا ہے، حریر کا لباس پہنتا ہے۔ تیرے دروازے پر چوکی پہرہ رہتا ہے۔ تیرے عمال خود تو شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں۔ خود زنا کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ ان جرائم پر پہلے تجھ کو اور تیرے عمال کو سزا ملنی چاہئے پھر اوروں کو۔ ہارون وہ دن بھی آئے گا کہ تو قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ تیری مشکیں بندھی ہوں گی۔ تیرے ظالم عمال تیرے پیچھے ہوں گے اور تو سب کا پیشوا بن کر سب کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ میں نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اب کبھی خط نہ لکھنا۔'' (سفیان ثوری)

ہارون الرشید اعظم نے یہ خط پڑھا، بے اختیار چیخ اٹھا اور دیر تک روتا رہا۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۱۵۰)

سلطنت کی قیمت پانی کا ایک گھونٹ اور پیشاب کے چند قطرے

ایک دن ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، خلیفہ کو پیاس لگی، پانی مانگا، پینے ہی لگا تھا کہ ابن سماک نے کہا۔ امیر المومنین ذرا ٹھہر جایئے! پہلے یہ بتایئے کہ اگر پانی آپ کو نہ ملے تو شدت پیاس میں آپ پانی کا ایک پیالہ کس قیمت تک خرید سکیں گے، ہارون الرشید نے کہا۔ نصف سلطنت دے کر لے لوں گا۔ ابن سماک نے کہا آپ پی لیجئے۔ جب وہ پی چکا تو پھر کہا، اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رہ جائے اور نہ نکلے تو اس کے نکلوانے کے عوض آپ کیا خرچ کریں گے؟ خلیفہ نے کہا باقی تمام سلطنت دے دوں گا۔

ابن اسماک رحمہ اللہ نے کہا بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تمام ملک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے پیشاب کی قیمت رکھتا ہے، پس اس پر کبھی تکبر نہ کیجئے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں سے یکساں سلوک کیجئے۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۱۵۱)

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے کہا سر کو مارو

ایک روز آپ کے پاس ایک ایلچی گذرا جو انگور کی بیل کو دیکھ رہا تھا، اس نے کہا مجھے یہ انگور دے دیجئے، آپ نے فرمایا مجھے اس کے مالک نے اس کی اجازت نہیں دی، تو اس نے کوڑا گھمایا اور آپ کے سر پر مارنے لگا۔ ابراہیم رحمہ اللہ نے اپنا سر جھکا دیا اور کہنے لگے، سر کو مارو، اس نے خدا کی بہت نافرمانی کی ہے، راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص: ۳۴)

بلخ کے کتے بھی یہ ہی کرتے ہیں

شقیق بلخی کا بیان ہے کہ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کس

حالت میں ہیں، میں نے کہا جب مجھے رزق دیا جاتا ہے تو میں کھاتا ہوں اور جب مجھ سے رزق کو روک دیا جاتا ہے تو میں صبر کرتا ہوں، آپ نے فرمایا ہمارے ہاں بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں، میں نے آپ سے پوچھا، آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مجھے رزق دیا جاتا ہے تو میں ایثار کرتا ہوں اور جب مجھ سے رزق کو روک دیا جاتا ہے تو میں شکر کرتا ہوں۔ (حوالہ بالا)

قدرت اور رحمت کا نظارہ

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سمندر میں تھے کہ ہوا چل پڑی اور کشتیاں ڈولنے لگیں اور لوگ رونے لگے، تو ان میں سے ایک شخص کو بتایا گیا کہ یہ ابراہیم بن ادھم ہیں، کاش تو ان سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنے کی درخواست کرے، اور وہ شخص کشتی کی ایک جانب میں اپنا سر لپیٹے کھڑا تھا، اس نے آپ کے نزدیک آکر کہا، اے ابواسحاق کیا آپ لوگوں کی کیفیت نہیں دیکھتے ؟ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا، اے اللہ تو نے ہمیں اپنے قدرت کا نظارہ کرا دیا ہے، اب ہمیں اپنی رحمت کا نظارہ بھی دکھا، پس کشتیاں پرسکون ہوگئیں۔ (حوالہ بالا)

عمل اور قول میں فرق

ایک شخص نے بشر بن الحارث سے کہا، میں ابراہیم بن ادہم کے طریق پر چلنا پسند کرتا ہوں، آپ نے کہا یہ کوئی تقویٰ کی بات نہیں ہے، اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے کہا ابراہیم نے عمل کیا اور بات نہیں کی اور تو نے بات کی اور عمل نہیں کیا:

ابوسلیمان الدارانی نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے ایک وضو سے پندرہ نمازیں پڑھیں، آپ نے ۱۴۰ھ میں جزیرہ میں وفات پائی اور آپ کو صور میں لاکر دفن کیا گیا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کی برکات سے ہمیں بہرہ مند کرے، بلاشبہ وہ جو

چاہے اس کی پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ (حوالہ بالا)

عید غدیر اور تعزیہ کا آغاز کس سن میں ہوا

معز الدولہ نے ۱۸ ذوالحجہ سنہ ۳۵۱ھ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام عید خم غدیر رکھا۔ خوب بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ اسی تاریخ کو یعنی ۱۸ ذوالحجہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چونکہ شہید ہوئے تھے۔ لہٰذا اس روز شیعوں کے لئے خم غدیر کی عید منانے کا دن تجویز کیا گیا۔ احمد بن بویہ دیلمی یعنی معز الدولہ کی اس ایجاد کو جو سنہ ۳۵۱ھ میں ہوئی، شیعوں نے یہاں تک رواج دیا کہ آج کل کے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عید غدیر کا مرتبہ عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ بلند ہے۔

تعزیہ داری کی ایجاد

سنہ ۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر ابن بویہ مذکور نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دوکانیں بند کردی جائیں۔ بیع وشرا، بالکل موقوف رہے۔ شہر و دیہات کے تمام لوگ ماتمی لباس پہنیں اور اعلانیہ نوحہ کریں۔ عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے، چہروں کو سیاہ کئے ہوئے، کپڑوں کو پھاڑے ہوئے، سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوچتی ہوئی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی، مگر اہلسنت دم بخود اور خاموش رہے، کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی۔ آئندہ سال سنہ ۳۵۳ھ میں پھر اس حکم کا اعادہ کیا گیا اور سنیوں میں فساد برپا ہوا، بہت بڑی خونریزی ہوئی۔ اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کردیا اور آج تک اسی کا رواج ہندوستان پاک و ہند میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ عجیب (اور افسوس کی) بات یہ ہے کہ ہندوستان، پاک ہند میں اکثر سنی لوگ بھی تعزیے بناتے ہیں۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۲ ص: ۱۳۰، ۱۳۱)

خواب میں قیامت قائم ہوگئی اللہ نے پوچھا علماء کہاں ہیں

احمد بن عمر بن سریج رحمہ اللہ متوفی ۳۰۶ھ نے اپنے مرض الموت میں خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور خدائے جبار فرماتا ہے "علماء کہاں ہیں" وہ آئے تو اس نے پوچھا، تم نے علم کے مطابق عمل کیا ہے؟ وہ کہنے لگے اے ہمارے رب ہم نے کوتاہی اور برائی کی ہے، اس نے دوبارہ سوال دہرایا، گویا اس نے اسے پسند نہیں کیا اور وہ دوسرا جواب چاہتا ہے، میں نے کہا میرے نامہ اعمال میں شرک نہیں ہے اور آپ نے اس سے کمتر گناہ کے بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے، اس نے کہا جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا اور اس کے تین دن بعد آپ فوت ہو گئے۔

(تاریخ ابن خلکان ج:۱ص:۱۷)

علماء کی قدر دانی کی غیر معمولی مثال

معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء، امراء، دست بستہ کھڑے رہتے تھے، صرف وزیر اعظم اور حکیم بن ثابت قرہ ثابی کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ معتضد ثابت کی اس کے علم وفضل کے اعتبار سے بڑی قدر ومنزلت کرتا تھا۔ ایک دن باغ میں معتضد چہل قدمی کررہا تھا۔ ثابت ہمراہ تھا۔ معتضد ثابت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔ دفعتاً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈرا۔ معتضد نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں اس کو سوئے ادب سمجھتا ہوں کہ میرا ہاتھ اہل علم کے اوپر ہو۔

(تاریخ ملت ج۲ص:۳۱۰)

سب سے پہلے اسلام کس علاقے میں آیا

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالا بار، سراندیپ

وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا۔ مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی، بلکہ عرب تجار کی آمدورفت کے سبب ہوئی۔ جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ بیشک سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلہ اسلام کہا گیا ہے۔

عربوں کی آمدورفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال مالابار میں آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا، اس زمانہ میں مالابار کا راجہ زمون یا سامری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان پلویا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی، اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے، یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا، اور تخت و سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا، لیکن راستہ ہی میں فوت ہو کر ساحل ملک یمن میں مدفون ہوا۔ راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

(فتوح الہند ص:۹)

تاریخ کے اوراق سے

۱۹۷۳ء میں عین اسوقت جب عرب اور اسرائیل میں جنگ چھڑنے والی تھی، امریکی سینیٹر اور اسلحہ کمیٹی کا سربراہ اسرائیل آیا، اور اسرائیلی وزیراعظم ''گولڈہ مائر'' سے ملاقات کی۔ گولڈہ مائر نے بڑی چالاکی سے اسلحہ خریدنے کا معاہدہ کر لیا۔ اس کے بعد اسلحہ خرید لیا اور عربوں سے جنگ شروع ہو گئی۔ چنانچہ عرب اس خاتون وزیراعظم کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ بعد میں کسی نے اسرائیلی وزیراعظم سے پوچھا کہ امریکی اسلحہ خریدنے کیلئے آپ کے ذہن میں جو دلیل تھی وہ فوراً آپ کے ذہن میں آئی یا پہلے سے

حکمت عملی تیار کر رکھی تھی؟ گولڈہ مائیر کا چونکا دینے والا جواب پڑھیئے اور اس کے بعد درس بیداری لیجئے۔ (ازمؤلف)

میں نے یہ استدلال اپنے دشمنوں (مسلمانوں) کے نبی محمد ﷺ سے لیا تھا، میں جب طالبہ تھی تو مذاہب کا موازنہ میرا پسندیدہ موضوع تھا۔ انھی دنوں میں نے محمد ﷺ کی سوانح حیات پڑھی۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک جگہ لکھا تھا کہ جب محمد ﷺ کا وصال ہوا تو ان کے گھر میں اتنی رقم نہیں تھی کہ چراغ جلانے کے لئے تیل خریدا جاسکے، لہٰذا ان کی اہلیہ (حضرت عائشہ) نے ان کی زرہ بکتر رہن رکھ کر تیل خریدا، لیکن اس وقت بھی محمد ﷺ کے حجرے کی دیواروں پر نو تلواریں لٹک رہی تھیں۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو میں نے سوچا کہ دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو مسلمانوں کی پہلی ریاست کی کمزور اقتصادی حالت کے بارے میں جانتے ہوں گے، لیکن مسلمان آدھی دنیا کے فاتح ہیں، یہ بات پوری دنیا جانتی ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اگر مجھے اور میری قوم کو برسوں بھوکا رہنا پڑے، پختہ مکانوں کے بجائے خیموں میں زندگی بسر کرنا پڑے، تو بھی اسلحہ خریدیں گے، خود کو مضبوط ثابت کریں گے اور فاتح کا اعزاز پائیں گے۔"

یہ حیرت انگیز واقعہ تاریخ کے دریچوں سے جھانک کر مسلمانان عالم کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ بیداری کا درس دے رہا ہے۔ ہمیں سمجھا رہا ہے کہ ادھڑی عباؤں اور پھٹے جوتوں والے گلہ بان، چودہ سو برس قبل کس طرح جہاں بان بن گئے؟ ان کی ننگی تلوار نے کس طرح چار براعظم فتح کر لیے؟

اگر پرشکوہ محلات، عالی شان باغات، زرق برق لباس، ریشم و کمخواب سے آراستہ و پیراستہ آرام گاہیں، سونے چاندی، ہیرے اور جواہرات سے بھری تجوریاں، خوش ذائقہ کھانوں کے انبار اور کھنکھناتے سکوں کی جھنکار ہمیں بچاسکتی تو تاتاریوں کی

ٹڈی دل افواج بغداد کو روندتی ہوئی۔ معتصم باللہ کے محل تک نہ پہنچتی۔ آہ! وہ تاریخ اسلام کا کتنا عبرت ناک منظر تھا جب معتصم باللہ، آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا، چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے سامنے کھڑا تھا۔

کھانے کا ٹائم آیا تو ہلاکو خان نے خود سادہ برتن میں کھانا کھایا اور خلیفہ کے سامنے سونے کی طشتریوں میں ہیرے اور جواہرات رکھ دیے۔ پھر معتصم سے کہا:

''جو سونا چاندی تم جمع کرتے تھے اسے کھاؤ!''

بغداد کا تاج دار بے چارگی و بے بسی و بے کسی کی تصویر بنا کھڑا تھا، بولا: ''میں سونا کیسے کھاؤں؟''

ہلاکو نے فوراً کہا ''پھر تم نے یہ سونا و چاندی جمع کیوں کیا تھا؟''

وہ مسلمان جسے اس کا دین ہتھیار بنانے اور گھوڑے پالنے کی ترغیب دیتا تھا، کچھ جواب نہ دے سکا، ہلاکو خان نے نظریں گھما کر محل کی جالیاں اور مضبوط دروازے دیکھے اور سوال کیا:

تم نے ان جالیوں کو پگھلا کر آہنی تیر کیوں نہ بنائے؟ تم نے یہ جواہرات جمع کرنے کے بجائے اپنے سپاہیوں کو رقم کیوں نہ دی تاکہ وہ جانبازی اور دلیری سے میری افواج کا مقابلہ کرتے۔''

خلفیہ نے تاسف سے جواب دیا: ''اللہ کی یہی مرضی تھی۔'' ہلاکو خان نے کڑک دار لہجے میں کہا: ''پھر جو تمہارے ساتھ ہونے والا ہے، وہ بھی خدا کی مرضی ہوگی۔''

پھر ہلاکو خان نے معتصم باللہ کو مخصوص لبادے میں لپیٹ کر گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا، بغداد کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے پہلے والا بغداد نہیں بنا سکتی۔''

تاریخ تو فتوحات گنتی ہے۔ محل، لباس، ہیرے جواہرات لذیذ کھانے اور زیورات نہیں۔ اگر ہم ذرا سی بھی عقل وشعور سے کام لیتے تو برصغیر میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب کبھی غروب نہ ہوتا۔

افسوس صد افسوس! سیرت نبوی ﷺ سے ایک یہودی عورت نے توسیق حاصل کرلیا مگر مسلمان اس پہلو سے نا آشنا رہے۔ سائنس وٹیکنالوجی، علوم وفنون پر دسترس رکھنے کے بجائے لا حاصل بحثوں اور غیر ضروری کام میں مگن رہے۔ چنانچہ زوال ہمارا مقصد ٹھہرا، تاریخ بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ یہ بسنت، ویلنٹائن ڈے، اپریل فول نیوائر نائٹ اور دیوالی جیسے تہواروں پر پانی کی طرح پیسہ بہانے کو نہیں بلکہ فتوحات کو گنتی ہے۔

(تاریخ کے تراشے)

حضرت عمر فارق ﷺ کی زندگی دوران خلافت

اصحاب سیر نے ثقات راویوں سے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت ابو بکر صدیق ﷺ خلیفہ اول کا وصال ہوگیا تو آپ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب ﷺ جن کی عمر اس وقت باون سال کی تھی مسند آرائے خلافت ہوئے۔ تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آپ سے بیعت کی، اور آپ کی بیعت سے کسی شخص نے بھی خواہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا انحراف نہیں کیا۔ آپ کے زمانہ خلافت میں دشمنی، نفاق اور انشقاق تمام جاتا رہا، باطل نیست اور حق قائم ہوگیا۔ آپ کی امارت میں سلطنت قوی ہوگئی۔ شیطان کے مکر میں ضعف۔ آگیا۔ خدائی حکم حالانکہ کافروں کو شاق تھا۔ مگر ظاہر ہوگیا۔ آپ اپنے زمانہ خلافت اور امارت میں فقراء کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ عام آدمیوں اور مسلمانوں کے ساتھ تلطف سے پیش آتے تھے۔ چھوٹوں سے رحم اور بڑوں کی توقیر فرماتے تھے۔ یتیموں پر مہربانی اور مظلوموں کے ساتھ ایسا انصاف کرتے تھے کہ حق ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ

تبارک وتعالیٰ کے کسی کام میں آپ کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرتے تھے۔

آپ اپنی خلافت کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے بازاروں کے اندر اپنی گدڑی پہنے اور ہاتھ میں درہ لیے ہوئے پھرا کرتے تھے، آپ کے درہ کا خوف بادشاہوں کی تلواروں اور نیز تمہاری ان تلواروں سے زیادہ تھا۔ آپ کی غذا روزانہ جو کی روٹی اور سالن اور پسا ہوا نمک تھا۔

بسا اوقات آپ کی روٹی زہد واتقاء اور مسلمانوں پر نظر عنایت اور مہربانی کی وجہ سے بغیر نمک کے ہی رہ جاتی تھی، اور حضرت عمر فاروق ؓ کا اس سے مقصود محض اللہ تعالیٰ جل مجدہ سے ثواب تھا اور بس۔ نیز کوئی شغل آپ کو ادائے فریضہ حق اور اتباع سنت نبی برحق ﷺ سے باز نہیں رکھتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! حضرت عمر ؓ جس وقت خلیفہ ہو گئے تو آپ اپنے دونوں صاحبوں یعنی جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے قدم بہ قدم دین کے کاموں میں ہمیشہ آمادہ اور تیار رہے۔ تکبر اور غرور کو پاس تک نہیں پھٹکنے دیا تھا۔" (فتوح الشام ص:۱۵۱،۱۵۲)

فاروقیؓ دور میں اسلام کا قدم سندھ و ہند تک آچکا تھا

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی رحمہ اللہ مامور ہوئے تھے، چنانچہ ۲۳ھ میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں، مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا، اور صف آرائی کی، ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر ؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انہوں نے کہا **ارض سهلها جبل مائها وشل و ثمرها دقل وعدوها بطل و خيرها قليل و شرها طويل والكثير بها قليل** : حضرت عمر ؓ نے

فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے ۔انہوں نے کہا ''میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں''۔حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ ''فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں'' چنانچہ فتوحات فارقی کی اخیر حد یہی مکران ہے۔لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آچکا تھا۔ (الفاروق ص:۱۶۱)

دنیا کی سب سے چھوٹی ریاست میں حضرت پطرس کا مقبرہ

''ویٹی کن'' دنیا کی سب سے چھوٹی خودمختار ریاست ہے جو یورپ کی سربراہی میں ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی........ویٹی کن اگرچہ خودمختار مستقل ریاست ہے لیکن محل وقوع کے لحاظ سے وہ اب شہر روم ہی کا ایک حصہ یا ایک محلہ ہے۔ویٹی کن میں داخل ہونے کے بعد سب سے بڑی پرشکوہ عمارت ''سینٹ پیٹرس باسیلیکا'' کہلاتی ہے۔باسیلیکا انگریزی میں ایک خاص قسم کی عمارت کو کہتے ہیں، جس کے لئے اردو میں قریب ترین لفظ شاید ''حویلی'' ہی ہوسکتا ہے۔یہ ایک ایسی عمارت ہے جو کسی بڑے چوک کے گرداگرد نصف دائرہ بناتی ہوئی سہ دریوں سے جڑی ہوئی ہو۔یہ باسیلیکا دنیا کے سب سے بڑے چرچ پر مشتمل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب سے برگزیدہ حواری حضرت پطرس کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔حضرت پطرس جن کو بائبل کی زبان میں سینٹ پیٹر کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے تھے، عیسائی تاریخوں کی رو سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد ان کے دین کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف رہے، اور اس غرض کے لئے انہوں نے دور دراز کے سفر کئے، آخر میں اسی سلسلے میں وہ روم بھی تشریف لائے جہاں اس وقت بت پرستوں کی حکومت تھی، انہوں نے انہیں قید کرکے اسی مقام پر سولی پر چڑھایا تھا جہاں اس وقت سینٹ

پیٹرس باسیلیکا کی پرشکوہ عمارت کھڑی ہے۔اسی عمارت میں ان کا مقبرہ بھی بتایا جاتا ہے۔

رومن کیتھولک عقیدے کے مطابق حضرت پطرس اعظم الحوارین تھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نائب۔عیسائیوں کے خیال کے مطابق وہی رومن کیتھولک چرچ کے اصل بانی ہیں، لہٰذا عیسائیوں نے دنیا کا سب سے بڑا چرچ انہی کے مقبرے کے گرد تعمیر کیا ہے۔ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ:

''جس وقت حضرت پطرس کو ویٹی کن کی پہاڑی پر سولی دی جارہی تھی تو کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ سولی دینے والے اسی جگہ ایسی ریاست کی بنیاد رکھ رہے ہیں جو سائز کے اعتبار سے دنیا کی سب سے چھوٹی اور اپنے روحانی حلقہ اثر کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی ریاست ہوگی۔''

یہ تمام باتیں عیسائی روایات کی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حوارین کی تاریخ کا ریکارڈ قابل اعتماد طریقے سے محفوظ نہیں رہ سکا، اور جو کچھ ریکارڈ ہے وہ پولوس کے اثرات سے آلودہ ہے، اس لئے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال! اس میں کوئی شک نہیں کہ سینٹ پیٹرس باسیلیکا کی یہ عمارت اپنے رو کار کے شکوہ اور طرز تعمیر کی رعنائی اور پرکاری کے لحاظ سے ایک شاندار عمارت ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام جو بت پرستی کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے، ان کے نام پر بنی ہوئی اس عبادت گاہ میں اتنے بت اور مجسمے ہیں کہ یہ ایک بت کدہ معلوم ہوتی ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ ظاہری حسن و جمال کے باوجود اس میں عبادت گاہ کے تقدس کی بجائے ایک عجیب قسم کی ظلمت کا احساس ہوتا ہے۔اور ایسے مقامات پر بطور خاص اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کا احساس اور زیادہ نمایاں ہوتا ہے کہ

اس نے ہمیں اسلام جیسے صاف ستھرے دین حق کی ہدایت عطا فرمائی۔ وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ. (دنیا مرے آگے ص: ۳۶۰ تا ۳۶۲)

سب سے پہلے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم

حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت حسن ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، چھ ماہ کے بعد حضرت حسن ؓ حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اس سے قبل جب خوارج کو پتہ چلا کہ حضرت حسن ؓ حضرت معاویہ ؓ سے صلح کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انتہائی شور شرابہ شروع کر دیا تا کہ صلح نہ ہو۔ اس موقع پر آپ کی تقریر اور خوارج کا رویہ۔ (از مؤلف)

لوگو! تم نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی ہے کہ صلح و جنگ میں میری متابعت کرو گے۔ میں اللہ تعالیٰ برتر و توانا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو کسی سے بغض و عداوت نہیں۔ مشرق سے مغرب تک ایک شخص بھی مجھ کو ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے رنج و ملال اور نفرت و کراہت ہو۔ اتفاق و اتحاد، محبت و سلامتی اور صلح و اصلاح کو میں نا اتفاقی اور دشمنی سے بہر حال بہتر سمجھتا ہوں۔“

حسنؓ پر کفر کا فتویٰ

اس تقریر کو سن کر خوارج اور منافقین نے فوراً تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت حسن ؓ معاویہ ؓ سے صلح کرنا چاہتے ہیں، پھر ساتھ ہی حضرت حسنؓ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم منافقوں اور سبائیوں کی ایجاد کردہ رسم ہے۔ انہیں لوگوں نے حضرت علی ؓ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج ہمارے زمانے کے بڑے بڑے اعلم العلماء اور افضل الفضلاء کہلانے والے جبہ پوش مفتی، منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی اس پلید سنت کے

زندہ رکھنے اور امت محمدیہ کے شیرازہ کو اپنی تکفیر بازی وفتویٰ گری کے خنجر سے پارہ پارہ اور پریشان کرنے میں پوری مستعدی وسرگرمی کو کام میں لا رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غرض اس کفریہ فتوے کا حضرت حسن ﷺ کے لشکر پر یہ اثر ہوا کہ تمام لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ کوئی کہتا تھا کہ حسن ﷺ کافر ہو گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ کافر نہیں ہوئے۔ آخر کافر کہنے والوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے اپنے مخالف خیال کے لوگوں پر زیادتی اور مار دھاڑ شروع کردی، پھر بہت سے لوگ کافر کہتے ہوئے حضرت حسن ﷺ کے خیمے میں گھس آئے اور ہر طرف سے آپ کا لباس پکڑ پکڑ کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم پر تمام لباس پارہ پارہ ہو گیا۔ آپ کے کاندھے پر سے چادر کھینچ کر لے گئے اور ہر چیز خیمے کی لوٹ لی۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۱ص: ۴۴۳)

آدم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کے درمیان ۶۱۵۵ سال کا فاصلہ ہے

آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول "سنہ فیل" مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ہے۔

آپ ﷺ کی پیدائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا درمیانی حصہ ۵۷۱ سال ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا اور موسیٰ علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ۱۷۱۶ سال ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اور ابراہیم علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ۵۴۵ سال ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور طوفان نوح کا درمیانی زمانہ ۱۰۸۱ سال ہے، طوفان نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ۲۲۴۲ سال ہے ۔ اس حساب سے آپ ﷺ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان ۶۱۵۵ سال کی

مدت ہوتی ہے۔ (تاریخ ملت ج ا ص: ۳۴)

اسلام میں سب سے پہلے تخت کا استعمال

اسلام میں سب سے پہلے امیر معاویہ ﷛ نے تخت بنوایا اور مسلمانوں سے کہا کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہوں، عام طور سے بیٹھنے اور کھڑے ہونے میں تکلیف ہوتی ہے، اس لئے مجھے تمام لوگ تخت پر بیٹھنے کی اجازت دیں۔ مسلمانوں نے اجازت دے دی۔ امیر معاویہ ﷛ تخت بنوا کر بیٹھنے لگے۔ اس کے بعد دیگر ملوک اسلام نے بھی ان کی تقلید کی اور تخت لازمۂ سلطنت ہو گیا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص: ۲۷۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو کیوں اختیار کیا؟

ابو یعلیٰ الخلیلی نے کتاب الارشاد میں المزنی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ طحاوی (ابو جعفر احمد بن محمدؒ) المزنی کے بھانجے تھے، اور محمد بن احمد الشروطی نے بیان کیا ہے کہ میں نے طحاوی سے پوچھا، آپ نے اپنے ماموں کی مخالفت کیوں کی ہے اور ابو حنیفہؒ کے مذہب کو کیوں اختیار کیا ہے؟ آپ نے کہا اس لئے کہ میں اپنے ماموں کو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتب میں ہمیشہ غور کرتے دیکھتا تھا۔ اس لئے میں اس کی طرف آ گیا ہوں۔

(ابن خلکان ج ا ص: ۷۵)

تخلیق عالم اور آدم ؑ سے متعلق معلوماتی ذخیرہ

اہل اسلام میں جملہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خدائے عزوجل نے اشیاء کو اس طرح پیدا کیا کہ اس سے قبل ان کی کوئی مثال نہ تھی اور ان کی ابتدا غیر اصل سے کی۔ اس متفقہ رائے کے ذکر کے بعد ابن عباس ﷛ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ان علماء کی آراء کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا، اس پر اپنا عرش قائم کیا، اور جب مخلوق

پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو پانی سے دھواں اٹھایا، اور اسے آسمان موسوم کیا، پھر پانی کو منجمد کر کے اس سے زمین پیدا کی اور اسے پھاڑ کر دو دن میں یعنی پہلے اور دوسرے دن سات طبقات میں نیچے اوپر تقسیم کیا، اور اسے حوت پر ٹھہرایا، حوت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نٓ والقلم و مایسطرون کے تحت ارشاد فرمایا، اور عربی لغت کے مطابق بڑی وہ (بڑی مچھلی) ہے اور پانی میں ہے اور پانی ''صفا پر'' اور صفا پشتِ ملک پر اور ملک چٹانوں کی طرح سخت جگہ پر، اور یہ چٹانی جگہ ''ریح'' (ہوا) پر ہے اور یہ صخرہ اور ریح وہی چیزیں ہیں جن کا اللہ جل شانہ نے لقمان اور اس کے بیٹے کی حکایت میں قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے، حوت (بڑی مچھلی) جب ہلی جلی اور زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ نصب فرمادیے، جس سے زمین ساکن ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد قرآن میں فرمایا ہے کہ، ہم نے زمین کو ایسا بنایا کہ تم اس پر چلو پھرو''۔ اللہ نے اس میں پہاڑ اور ان میں رہنے والوں کے لئے روزی کے سامان پیدا کردیئے۔ اور انہیں مکمل طور پر ان کے لئے مسخر کردیا، اور یہ سب کچھ اس نے دو دن میں کیا یعنی تیسرے اور چوتھے دن، پھر زمین، آسمان، اور پہاڑوں سے پوچھا کہ آیا تم اس کے حکم سے انکار کرو گے جس نے کائنات پیدا کی؟ اگر تم بفرض محال انکار کرو بھی تو تمہیں طوعاً و کرہاً اس کا حکم بجالانا پڑے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بطور اطاعت تیرا حکم مانیں گے (یہ الفاظ قرآن کا مفہومی ترجمہ ہے) اور جو دھواں تھا وہ پانی کا تنفس تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے ملک واحد بنایا پھر اسے پھاڑ کر اس سے دو دن میں سات آسمان بنائے، اور یہ دو دن جمعرات اور جمعہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جملہ آسمانی اور ارضی مخلوق کو جمع کیا۔ آسمانی مخلوق میں اس نے ملائکہ، بحور اور سرد پہاڑ بنائے۔ اس نے فلک دنیا کو سبز زمرد سے، دوسرے آسمان کو سفید چاندی سے، تیسرے آسمان کو سرخ یاقوت سے، چوتھے آسمان کو سفید موتی سے، پانچویں آسمان کو

پیلے سونے سے، چھٹے آسمان کو آبی رنگ یاقوت سے اور ساتویں آسمان کو نور سے تخلیق کیا ۔ پھر اس نے فرشتوں کو اپنے تقریب و تعظیم کے لئے قیام کا حکم دیا، لیکن ان کے ٹخنے زمین کے ساتویں طبقے تک پہنچے ہوئے تھے، فرشتوں کے پاؤں اگر چہ ساتویں طبقہ ارضی کے نیچے تھے لیکن ان کے سر عرش اعظم کے نیچے تھے، یعنی عرش تک نہیں پہنچے تھے ، اور وہ اسی طرح پانچ سو سال تک کھڑے رہے اور کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو مالک عرش عظیم ہے کوئی معبود نہیں ۔'' اور اب وہ اسی طور سے حالت قیام میں تا قیام قیامت اللہ تعالیٰ کی انہیں الفاظ میں حمد کرتے رہیں گے ۔ اور عرش کے نیچے ایک سمندر ہے جس سے حیوانات کا رزق بتدریج ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اترتا ہوا خدا کے حکم سے وہاں پہنچتا ہے جس جگہ کو ''ابرم'' کہا گیا ہے ۔ پھر خدا نے ہوا سے تخاطب کیا کہ وہ بادلوں کو اڑائے پھرے، آسمان دنیا کے نیچے بھی ایک سمندر ہے جس میں قدرت خداوندی سے کچھ چوپائے رہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ ان تخلیقات سے فارغ ہوا تو اس نے پشت زمین کو سکون بخشا اور تخلیق آدم سے قبل جن پیدا کیے، انہیں جزائر بحور میں رکھا، ابلیس انہیں میں سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعلہ زن آگ سے پیدا کیا، اور انہیں ہدایت کی کہ وہ باہم کشت وخون اور عداوت میں مبتلا نہ ہوں، لیکن انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خون بہایا، تو اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے جو اس کی تسبیح و تہلیل میں ہمہ دم مصروف تھے وہاں بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سوں کو قتل کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا میں ابلیس کو خازن و سردار مقرر کر دیا لیکن اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا ۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا'' میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں'' (ترجمہ) فرشتوں نے عرض کیا: وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' وہ انسان ہوگا اور زمین پر اس کی ذریت ہوگی، وہ فساد کرے گی اور

ایک دوسرے سے حسد کرے گی اور ان میں سے بعض کچھ دوسروں کو قتل کریں گے"
فرشتوں نے عرض کیا، "کیا تو زمین پر اسے خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا
اور خون بہائے گا جب کہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہیں اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں،"
"القرآن، ترجمہ" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔"

(القرآن۔ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس گفتگو کے بعد جبریلؑ فرشتے کو زمین پر بھیجا تاکہ وہاں سے مٹی لائے، لیکن زمین نے اعوذ باللہ کہہ کر معذرت چاہی، تو اللہ تعالیٰ نے میکائیل فرشتے کو بھیجا لیکن جب زمین نے اس سے بھی معذرت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت عزرائیل کو بھیجا تو زمین بولی کہ خدا کی پناہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ حضرت عزرائیل نے زمین سے سیاہ، سرخ اور سفید مٹی لی اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے ۔ یہی وجہ ہے کہ نوع انسانی مختلف رنگوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ آدم کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ اس نے اسے ادیم زمین سے سونپا ہے۔ خدا نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو خمیر کے لئے اس طرح رکھا کہ اس کے سب اجزا باہم پیوست ہوگئے، اور یہ عمل چالیس سال کی مدت تک ہوتا رہا، پھر چالیس سال تک اسے اسی طرح چھوڑے رکھا تاکہ اس میں فطری طور پر جو تغیر اور تبدیلی ہونا ہو ہوجائے۔ پھر اس مٹی سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کا پتلا بنایا لیکن اس میں روح نہیں پھونکی، تاہم اسے ۱۲۰ سال تک یونہی رہنے دیا، بعض اقوال کے مطابق یہ مدت بھی چالیس سال ہی تھی، یہ پتلا سوکھی کھنکھنی (بجتی ہوئی) ٹھیکرے جیسی مٹی کا تھا جس میں ابلیس سامنے سے داخل ہوکر پشت کی طرف سے نکل جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کیا بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مِن صلصالٍ کا لفخار ارشاد فرمایا ہے۔ فرشتے اس پتلے سے کتراتے تھے جن میں پیش پیش ابلیس تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے پتلے

میں روح پھونکنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (تکبر اور انکار کیا) (القرآن۔ ترجمہ) اس نے کہا یارب، میں اس سے بہتر ہوں، تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، میں بارلیش ہوں، نور سے آراستہ اور کرامت میں ممتاز ہوں، اور میں وہ ہوں جس نے زمین آسمان ہر جگہ تیری عبادت کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہاں سے نکل جا! تجھ پر قیامت تک میری طرف سے لعنت ہوتی رہے گی۔ ابلیس نے نکلتے ہوئے خدا سے اس وقت تک کی مہلت مانگی جب مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس وقت معلوم تک (آزاد رہنے کی مہلت بخش دی۔ ابلیس چلا گیا اور اس پر اس حد تک پھٹکار رہی کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا ،جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ جہاں تک آدم کا تعلق ہے وہ اس وقت بھی اس مقام پر تھے جہاں ماموروم طیع ہوتے ہیں مگر خود مکلف بالا طاعت نہ تھے، اس لئے انہیں سجدہ کرنا تھا ۔گویا خدا کو سجدہ کرنا تھا۔

(تاریخ المسعودی ج ۱ ص: ۴۸ تا ۵۱)

عرب کا سب سے پہلا بادشاہ

سب سے پہلے عرب کا جو بادشاہ بنا وہ عاد ابن اوس ابن ارم ابن سام تھا، اس کی قوم سرزمین احقاف میں یمن، عمان اور حضر موت کے درمیان رہتی تھی، اس کی ایک ہزار بیویاں تھیں اور چار ہزار بیٹے تھے۔ بارہ سو سال عمر پائی۔ بیہقی روایت کرتا ہے کہ اس کی عمر صرف تین سو برس تھی۔ عاد ابن عوس کے بعد اس کے تین بیٹے شداد، شدید ارم یکے بعد دیگرے سلطنت وحکومت کرتے رہے۔ مسعودی کا بھی یہی خیال ہے کہ شداد ،عاد کے بعد بادشاہ بنا، اور اس نے ممالک شام، ہند اور عراق کو فتح کیا تھا۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۸)

دشمن رسول ﷺ کا عبرتناک انجام

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ''انبیاء کی سرزمین'' میں قمطراز ہیں کہ........
جناب حسین یوسف نے ہمیں اسی (اردن کے) راستے میں وہ جگہ دکھائی جہاں ابولہب کے بدنصیب بیٹے عتبہ کا عبرتناک انجام ہوا ہے۔

اس بدبخت کا واقعہ یہ ہوا کہ یہ تاجدار دوعالم سرورکونین ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتا اور گالیاں دیتا تھا، آپ کو طرح طرح سے ستاتا تھا اور دین اسلام کا بدترین دشمن تھا، یہ ایک قافلے میں شام کے سفر پر جانے لگا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یہ بددعا فرمائی:

اللھم سلط علیه کلبا من کلابک

''اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دیجئے۔''

جب یہ اردن میں ''حوران'' کے اس مقام پر پہنچا (جس کی نشاندہی اب حسن یوسف صاحب کر رہے تھے) اور رات گزارنے کے لئے ان کا قافلہ یہاں رکا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''مجھے محمد ﷺ کی بددعا سے ڈر لگ رہا ہے'' ساتھیوں نے اس کو تسلی دی، اور قافلے کا سارا سامان اس کے اردگرد جمع کر کے باڑھ سی بنادی اور خود اس کے آس پاس بیٹھ کر پہرے داری کرنے لگے، لیکن ایک شیر کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط فرما چکے تھے، وہ شیر اسی رات پورے قافلے اور ان کے سامان کو پھلانگ کر خاص اسی بدبخت پر حملہ آور ہوا، اور کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا۔

(انبیاء کی سرزمین میں ص: ۹۰۔۹۱)

عالم اور شاعر کا فرق دیکھئے

ابن اشعث کی حمایت میں جن اہل علم وقلم نے تلوار اٹھائی ان میں فقیہ عراق عامر

شعبی بھی تھے، فتح کے بعد حجاج نے اعلان کردیا تھا کہ جو شخص قتیبہ بن مسلم کے پاس ''رے'' چلا جائے گا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔''

چنانچہ یہ بھی قتیبہ کے پاس چلے گئے تھے۔ حجاج نے قتیبہؒ کے پاس حکم بھیج کر شعبی کو طلب کرلیا۔

امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وہ کوفہ پہنچے تو ان کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو عذر معذرت سے کام لینا۔ مگر ان کی جرأت عالمانہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جب حجاج کے دربار میں پیشی ہوئی اور جواب طلب کیا تو فرمایا:

''اے امیر ہم نے آپ کے خلاف سرکشی کی۔ دوسروں کو سرکشی پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی کوشش عمل میں لائے لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ خدا نے آپ کو فتح عنایت فرمائی اور کامیابی عطا فرمائی۔ اب آپ ہم پر ظلم کریں تو ہم اس کے مستحق ہیں اور درگزر کریں تو یہ آپ کے حلم کا تقاضا ہے۔''

حجاج ان کی صاف بیانی پر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔

''اے شعبی! تمہاری یہ صاف بیانی مجھے اس شخص کی معذرت سے زیادہ پسند ہے جس کی تلوار سے تو خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں اور وہ یہ کہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور مجھے کچھ خبر نہیں،'' جاؤ تم مامون ہو۔''

عربی کا شاعر شیریں بیان اعشی ہمدانی بھی اس معرکہ میں ابن اشعث کے ساتھ تھا اور اپنی شعلہ بیانی سے اہل لشکر کے دل گرما رہا تھا۔ جب ابن اشعث بجستان سے عراق کی طرف روانہ ہوا تو اعشی کا ایک قصیدہ زبان زد خاص وعام تھا، اس کا ایک شعر یہ تھا۔

کذابها الماضی و کذاب ثانی ———— امکن ربی من ثقیف همدان

(بنوثقیف میں دو کذاب ہوئے ہیں۔ کذاب سابق (مختار) اور کذاب ثانی حجاج۔ کاش مجھے خدا بنوثقیف ہمدان سے بدلہ لینے کی قوت دے۔''

حجاج نے انہیں بھی طلب کرلیا کہ اپنا ذرا قصیدہ تو سنایئے۔ اعشی نے کہا اسے چھوڑ یئے، میں اپنا تازہ کلام آپ کو سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک طویل قصیدہ حجاج کی مدح میں سنانا شروع کردیا۔ جس کا مطلع یہ تھا:

ابی اللہ الا ان یتمم نورہ ویطفی نور الفاسقین فتخمدا

"خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ نور حق کو مکمل کردے اور فاسقوں کی روشنی کو بجھادے کہ وہ ٹھنڈی ہوکر رہ جائے۔"

اعشی کا یہ وجد آفرین قصیدہ سن کر تمام درباری عش عش کر اٹھے۔ مگر حجاج نے اسے نہ بخشا اور قتل کرادیا۔

یہ ہے فرق ایک عالم اور شاعر کے کریکٹر میں۔ (تاریخ ملت ج ۱ص:۴۰۳)

حجاج بن یوسف کی کوفہ میں پہلی شعلہ بار تقریر

اہل کوفہ بہت ہی سرکش قسم کے لوگ تھے اور عدول حکمی کے عادی تھے۔ اسی بنا پر ۷۴ھ میں بشیر بن مروان والی کوفہ کے انتقال کے بعد امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے کوفہ کا والی حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرر کیا۔ حجاج نے کوفہ پہنچتے ہی جو تقریر کی وہ قابل سماعت ہے۔ (از مؤلف)

اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ بڑے سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے تھے اور ہمیشہ سے اپنے والیوں کی عدول حکمی کے عادی تھے، اس لئے اس واقعہ کے بعد عبدالملک نے حجاج ابن یوسف ثقفی کو جو بڑا سخت گیر تھا عراق کا حاکم بنا کر بھیجا، یہ کل بارہ سو سواروں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا اور سیدھا جامع کوفہ پہنچا اور تقریر کے لئے منادی کرادی، اہل کوفہ تقریر سننے کے لئے جمع ہوئے، انہیں حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا، وہ والیوں کی تحقیر کرنے کے عادی تھے، اس لئے بہت سے لوگ حسب معمول کنکریاں لے لے کر مارنے کے لئے پہنچے۔

حجاج منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا اس لئے کسی نے اس کو نہیں پہچانا۔ منبر پر چڑھنے کے بعد جب اس نے نقاب ہٹائی، اس وقت اسے دیکھ کر لوگ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ان کے ہاتھوں سے کنکریاں چھوٹ گئیں، حجاج نے انہیں مخاطب کر کے ایک شعلہ بار تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''لوگو! خدا کی قسم میں شر کو اس کی جگہ رکھتا ہوں اور اس کا پورا بدلہ دیتا ہوں، میں بہت سے سروں کو دیکھتا ہوں'' پکی ہوئی کھیتی کی طرح'' جن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے، مجھ کو تمہارے عماموں اور ڈاڑھیوں کے درمیان خون ہی خون نظر آتا ہے، اب معاملہ آخری حد کو پہنچ چکا ہے، مجھ کو آسانی کے ساتھ نہیں دبایا جاسکتا، میں حوادث سے نہیں ڈرتا، امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کا جانچا، ان میں جو سب سے زیادہ سخت اور جگر دوز تھا، وہ تمہارے سینہ کی طرف چلایا ہے، تم مدتوں سے بغاوت، مخالفت، فتنہ انگیزی اور نفاق و شقاق کے عادی چلے آرہے ہو، اب تم سیدھے ہو جاؤ اور سر اطاعت خم کردو، ورنہ خدا کی قسم میں تم کو ذلت کا پورا مزا چکھاؤں گا، تمہاری کجروی کو درست کردوں گا، تمہیں لکڑی کی طرح چھیل اور ببول کی طرح جھاڑ ڈالوں گا، تم کو سرکش اونٹ کی طرح ماروں گا کہ سرکشی بھول کر مطیع ہو جاؤ گے، تم پر اتنے مصائب نازل کروں گا کہ تم پست ہو جاؤ گے، خدا کی قسم میں جو کچھ کہتا ہوں اسے کر دکھاتا ہوں اور جو اندازہ کرتا ہوں صحیح ہوتا ہے، اب مخالف جماعتیں ہیں اور میں ہوں، خدا کی قسم اگر تم حق پر نہ آئے تو میری تلوار عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کردے گی، اس وقت تم باطل سے باز آجاؤ گے اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دو گے، نافرمانوں کی نافرمانی سے چشم پوشی کے معنی یہ ہیں کہ دشمنوں سے نہ لڑا جائے اور سرحدوں کو بیکار کردیا جائے، اگر لوگوں کو جنگ کی شرکت پر مجبور نہ کیا جائے تو وہ خوشی سے لڑنے کے لئے نہ جائیں گے۔ جس بغاوت اور سرکشی سے تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑا اس کا حال مجھے معلوم ہے۔

خدا کی قسم آج کے تیسرے دن جو شخص واپس نہ گیا اور یہاں نظر آیا، اس کا سر قلم کردوں گا۔ اور گھر لٹوادوں گا۔"

اس آتش بار تقریر کے بعد اہل کوفہ کے نام عبدالملک کا فرمان پڑھنے کا حکم دیا ابھی ابتدائی فقرہ اما بعد السلام علیکم ، پڑھا گیا تھا کہ حجاج نے روک دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا "امیر المومنین تم کو سلام کہتے ہیں اور تم اس کا جواب نہیں دیتے" خدا کی قسم میں تم کو ادب سکھا کر رہوں گا۔ اس تادیب پر حاضرین نے سلام اللہ علیٰ امیر المومنین ورحمة اللہ و برکاته کہا، اس کے بعد فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔

حجاج کی آتش بار تقریر سن کر لوگوں کے دل دہل گئے اور عراقی ساری سرکشی اور شرارت بھول گئے، یا تو وہ کسی کے روکنے سے نہ رکتے تھے اور مہلب کا ساتھ چھوڑ کر چلے آتے تھے، یا اس تقریر کے بعد ہر شخص جلد سے جلد اپنے کو مہلب کے پاس پہنچانے کے لئے بے تاب تھا اور کوفہ کے پل پر اتنا اژدہام ہو گیا کہ راستہ چلنا دشوار تھا۔

کوفہ کے بعد حجاج نے بصرہ جا کر ایسی ہی تہدید آمیز تقریر کی، یہاں کے شورش پسند بھی درست ہو گئے۔ (تاریخ اسلام ندوی ج:۲ص:۸۴،۸۵)

تاتاریوں کے عالمگیر ظلم پر مشہور مؤرخ کی قلبی کیفیت

ابن اثیر جیسا مؤرخ جس نے بڑے صبر وتحمل کے ساتھ دنیا کی تاریخ لکھی ہے۔ (تاتاریوں کے ظلم کے متعلق) اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا، وہ لکھتا ہے۔

"یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس وپیش میں رہا کہ اس کا ذکر کروں یا نہ کروں، اب بھی بڑے تردد وتکلف کے ساتھ اس کا ذکر کررہا ہوں، واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت ورسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوا ہوتا، کاش میں

اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسرا ہو جاتا، لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا، پھر بھی مجھے تردد تھا لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ وہ حادثۂ عظمیٰ اور مصیبتِ کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے، لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدمؑ تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا، اور شاید دنیا قیامت تک (یاجوج ماجوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہیں کھایا، انہوں نے عورتوں، مردوں، اور بچوں کو قتل کیا، عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا۔ **انا لله و انا الیه راجعون ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم** یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا، ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم میں پھیل گیا۔

(الکامل ج ۱۲ ص: ۱۴۷، ۱۴۸)

اکبر بادشاہ کی مذہبی اور ابتدائی زندگی کے چند پہلو

عہد اکبری اور ہندوستان کے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اکبر کی تخت نشینی اور ابتدائی عہد حکومت نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے شروع ہوا، بلکہ خوش عقیدگی اور مذہبی غلو اور تقشف کے ساتھ اس کا آغاز ہوا۔ (از مؤلف)

''منتخب التواریخ'' کے حسب ذیل بیانات ملاحظہ ہوں۔

''شہزادہ سلیم کی ولادت کے شکرانہ میں بادشاہ نے اجمیر کا پیادہ پا سفر کیا، واپسی میں دہلی میں پڑاؤ ڈالا اور اولیائے دہلی کے مزارات کی زیارت کی۔''

''اجودھن جا کر حضرت شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کی، مرزا مقیم اصفہانی کو میر یعقوب کشمیری کے ساتھ رفض کے الزام میں سزا ملی۔''

''اوائل شعبان میں بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا، سات کوس سے پیادہ پا مزار پر حاضر ہوا، نقارہ، نذر گزارنا اہل اللہ علماء اور صلحاء کے ساتھ صحبت اور مجلس سماع گرم رہی۔

عبادت خانہ میں ''یاھو'' اور ''یاہادی'' کے ذکر میں انہماک رہتا تھا۔

عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ، علماء و امراء کی طلبی ہوتی، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

اسی زمانہ میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جائے۔''

''بزرگوں سے یہ عقیدت مندی اکبر کو موروثی طریقہ پر ملی تھی، اس کے تیموری آباء واجداد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، بابر کا دادا سلطان ابوسعید پاپیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی، خود بابر بھی اپنی تزک میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے، اکبر کے خاندان کی خواتین و بیگمات کے رشتے نقشبندیہ خاندان کے بزرگوں سے ہوئے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ یحییٰ ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے ان کا بڑا اعزاز کیا، ان کے مصارف کے لئے ایک جاگیر عطا کی اور انہیں امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا، واپسی پر انہیں مستقل طور پر آگرہ میں ٹھہرالیا۔''

اکبر نے ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے، جو باری باری مقررہ دن میں نماز کی امامت کرتے تھے، بدھ کے روز کی امامت ملا عبد القادر بدایونی سے متعلق تھی۔

ہر سال ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ سے حج کے لئے بھیجتا تھا، امیر حج کے

ہاتھ شریف مکہ کے لئے تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد و جنس بھیجتا تھا، قافلہ کی روانگی کے دن حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر، سر کے بال تھوڑے سے ترشوا کر، تکبیر کہتا ہوا، ننگے سر، برہنہ پا، دور تک انہیں رخصت کرنے جاتا، اس منظر سے ایک شور برپا ہوتا، اور لوگوں پر رقت طاری ہوتی۔

جب ہندوستان میں شاہ ابوتراب حجاز سے قدم رسول لے کر تشریف لائے اور وہ آگرہ کے قریب پہونچے تو بادشاہ، امراء و علماء کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شہر سے چار کوس باہر نکل کر استقبال کے لئے گیا۔

مشہور مورخ میر عبدالرزاق خافی خاں لکھتے ہیں:

اکبر بادشاہ بہ ترغیب شیخ در اجراء احکام شرعی و امر معروف و نہی منکر فراواں جہد می فرمود و خود اذان می گفت و امامت می کرد حتیٰ بقصد ثواب بمسجد جاروب می زد۔

"اکبر بادشاہ احکام شرعیہ و امر معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں بڑی کوشش کرتا تھا، خود اذان کہتا اور امامت کرتا، حتیٰ کہ ثواب کی نیت سے مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔"

اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی

اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف کی اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، پڑھنے والے ان سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی سطحی اور عامیانہ قسم کی مذہبیت تھی، جس کی بنیاد دین کے صحیح فہم، کتاب و سنت سے واقفیت اور براہ راست علم و مطالعہ پر نہیں تھی، اور وہ بجائے علمائے راسخین کی تعلیم اور صحیح دینی صحبت و تربیت کی رہین منت ہونے کے محض مذاق زمانہ، مزاج سپاہیانہ، اور وسط ایشیاء کے دین سے ناواقف امراء و اہل حکومت کی تقلید و نقالی، اور خوش عقیدگی بلکہ ضعیف الاعتقادی پر مبنی تھی، اس دینداری کا رکن اعظم مزارات پر حاضری دینا، کوسوں پیادہ پا چل کر وہاں آنا، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ (جو اکثر بے علم، اسلاف کے کمالات سے عاری اور صحیح روحانیت سے خالی ہوتے

تھے) اپنی نیاز مندی اور فدویت کا اظہار، خانقاہوں کی جاروب کشی، مجالس ذکر وسماع میں شرکت، اور ''درباری وسرکاری'' علماء ومشائخ کی توقیر وتعظیم تھی۔

اکبر کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناخواندۂ محض تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زندگی کا دوسرا پہلو انتہائی خطرناک ہے، یہاں تک کہ اس نے ایک نیا دین ''دین الٰہی'' کے نام سے ایجاد کرلیا تھا، جس میں ہر قسم کی خرافات جائز تھیں) (ازمؤلف)

(منتخب التواریخ سے جستہ جستہ) ایضاً تاریخ دعوت وعزیمت)

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو سندھ کی طرف روانہ کرنے کی اصل وجہ

حجاج بن یوسف نے پہلی بار عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار کی فوج دیکر بھیجا، تو وہ میدان جنگ میں کام آگیا۔ دوسری مرتبہ بدیل بن طہفہ بجلی کو چھ ہزار فوج دیکر بھیجا، وہ گھوڑے سے گر کر شہید ہوگیا۔ پھر تیسری مرتبہ محمد بن قسم رحمہ اللہ کو روانہ کیا۔ (ازمؤلف)

چنانچہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بیوہ مسلمان عورت کی مظلومانہ فریاد نے ادھر متوجہ کیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جزیرہ سراندیپ میں کچھ عربوں کا جو بغرض تجارت وہاں ٹھہرے ہوئے تھے انتقال ہوگیا۔ راجہ سراندیپ ایک نیک دل اور صلح پسند شخص تھا اور مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔ اس نے حجاج اور ولید بن عبدالملک کو خوش کرنے کے لئے ان عرب تاجروں کے اہل وعیال کو ایک جہاز میں سوار کرا کر عراق روانہ کیا، اس کے علاوہ بہت سے قیمتی تحفے بھی ولید کے دربار میں پیش کرنے کے لئے روانہ کئے۔

جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز پر حملہ کر کے تمام مال ومتاع لوٹ لیا اور عرب عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا۔ عرب عورتیں اور بچے جب اس طوفان بلا میں گھرے تو ایک عورت کی زبان سے بے اختیار یہ فریاد

نکلی:

''اے حجاج! ہماری مدد کر!''

حجاج کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی اور اس مظلوم عورت کی فریاد سنائی گئی تو اس نے کہا۔

''میں ابھی مدد کو پہنچتا ہوں۔'' (تاریخ ملت ج ا ص: ۴۲۸)

چنانچہ اس کے بعد محمد بن قاسم کو بھیجا اور انہوں نے سندھ پر حملہ کیا۔ راجہ داہر کے قزاقوں کو تہہ تیغ کیا اور سندھ پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ (از مؤلف)

سب سے پہلے پیغمبر ہندوستان میں اترے

یہ شرف تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اول ہندوستان میں اترے۔ وحی نبوت سب سے پہلے ہندوستان میں آئی۔ یا یوں کہیے کہ اسلام سب سے پہلے ہندوستان میں آیا، علامہ آزاد بلگرامی نے اسی وجہ سے مآثر ہندوستان کی سب سے بڑی فضیلت یہی لکھی ہے۔

(فتوح الہند ص: ۷)

ہندوستان کے سات دانشوروں کے انسانی وجود پر مختلف اقوال

ہندوستان کے پہلے برہمن بادشاہ کی نسل کے لوگ براہمہ کہلاتے ہیں، وہ ہر قسم کے گوشت کھانے سے اجتناب کرتے ہیں، اور اپنے گلے میں تلوار کے تسمے کی طرح ایک موٹا دھاگا ڈالے رہتے ہیں، جو ان کے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے درمیان امتیازی نشان ہے۔ ان کے پسندیدہ سات دانشور گزرے ہیں، جن کا قول ہے کہ ہمارا وجود خالق کی حکمت پر مبنی ہے، لہٰذا ہمارا عدم اس کی حکمت کے زوال یا نقص کا باعث ہوگا۔ ان میں سے ایک دانشور کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو وجود عالم اور اشیاء کا کلی

طور پر ادراک کر سکے؟ دوسرا کہتا ہے کہ عقل و حکمت کسی ایک شخص تک محدود نہیں ہو سکتی۔ تیسرا کہتا ہے کہ ہمارے لئے انہیں اشیاء کا ادراک کافی ہے جو ہمارے اجسام واذہان سے قریب تر ہیں۔ چوتھا کہتا ہے کہ اشیاء کی معرفت ہمارے لئے اسی حد تک ضروری ہے جہاں تک ہمیں ان کی احتیاج ہو۔ پانچویں کا قول ہے کہ ہمیں ان حکماء کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جو حقیقت اشیاء کے ادراک پر قادر ہوں۔ چھٹا حکیم بولا: اس دنیا میں ہمارا وجود حصول سعادت نفس کے لئے وقف ہونا چاہئے کیونکہ یہاں سے ایک دن جانا ضروری ہے۔ ساتویں اور آخری دانشور نے کہا:

آپ حضرات نے جو کچھ فرمایا میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں، البتہ اتنا جانتا ہوں، ''لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے، اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے'' ہم نہ اپنی خوشی سے دنیا میں آئے ہیں نہ یہاں سے جانے پر ہمیں اختیار حاصل ہے، رہی زندگی تو اس میں پریشانیوں اور تکالیف کے سوار کھا ہی کیا ہے۔

(تاریخ المسعودی ج ۱ ص: ۹۳)

اسلام کا سب سے پہلا حکیم کون تھا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پوتا خالد بن یزید جس کی کنیت ابو ہاشم ہے، اس کو حکومت سے لگاؤ نہ تھا۔ اس نے علوم دینی حاصل کرنے میں سعی بلیغ کی۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت دحیہ رحمہ اللہ تھے۔ حضرت رجا بن حیاۃ اور امام شہاب زہری رحمہما اللہ جیسے جلیل القدر محدث اس کے شاگرد تھے۔ ابن ندیم الفہرست میں لکھتا ہے۔

''خالد بن یزید بن معاویه کان خطیبا شاعراً حازماً فارذارائی هو اول من ترجم له کتب الطب والنجوم و کتب الکیمیا۔''

ابن خلکان لکھتا ہے۔

خالد نے چند مصری علمائے طب کو بلا کر اپنے پاس رکھا، انہوں نے دمشق میں رہ

کر علمی کتابوں کے ترجمے کیئے ان علماء میں ایک پادری مریانوس تھا۔ جس نے خالد کو علم کیمیاء کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لئے منتقل کیں۔

اس نے ایک معمل (لیبارٹری) قائم کی ۔ علماء ملازم رکھے ۔ آثار الباقیہ میں ہے۔

''خالد نے معمل قائم کیا جہاں اپنے کیمیاوی تجربات کے نتائج معلوم کر کے چند رسائل میں محفوظ کر دیئے۔''

اس کو طب میں بھی دستگاہ کامل تھی ۔فن کیمسٹری کا بانی خالد کہا جاتا ہے ۔محقق البیرونی خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم (فلسفی) قرار دیتا ہے ۔صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔

اول من یکلم فی علم الکیمیا ووضع فیھا الکتب وبین صفة الا کسیر والمیزان و نظر فی کتب الفلاسفة عن اھل الاسلام خالد بن یزید بن معاویه بن ابی سفیان واول من اشتھر ھذا العلم عنه جابر بن حیان الصوفی من تلامذة خالد کماقیل ۔

خالد کا انتقال ۸۵ھ میں ہوا

یہ حقیقت ہے کہ یونانی علوم وفنون کے ترجمہ کی ابتداء بنی امیہ ہی کے دور حکومت میں ہوئی، چنانچہ ابن اثال نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یونانی زبان سے طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا، اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دور حکومت میں کیا گیا۔

(تاریخ ملت ج ۱ ص: ۵۲۷)

خلیفہ کی تلوار کے سامنے ابوداؤد رحمہ اللہ کیسے حائل ہوا

جاحظ نے بیان کیا ہے کہ معتصم جزیرہ فراتیہ کے ایک شخص پر ناراض ہوا اور تلوار اور چمڑے کا فرش منگوایا، معتصم نے اسے کہا تو نے جو کرنا تھا کرلیا ہے اور اس کے قتل

کرنے کا حکم دے دیا، ابن ابی داؤد نے اسے کہا یا امیر المومنین! تلوار ملامت سے سبقت کر گئی ہے، اس کے معاملے میں بردباری سے کام لیجئے، وہ مظلوم ہے، راوی کا بیان ہے کہ وہ کچھ ٹھنڈا ہوا، ابن ابی داؤد کا بیان ہے کہ مجھے پیشاب نے تنگ کر لیا، اور میں اسے روکنے پر قابو نہ پا سکا اور مجھے معلوم تھا کہ اگر میں اٹھا تو یہ شخص قتل ہو جائے گا۔ پس میں نے اپنے کپڑے اپنے نیچے کر لئے اور ان میں پیشاب کر دیا، حتیٰ کہ میں نے اس شخص کو بچا لیا، ابن ابی داؤد کا بیان ہے کہ جب میں اٹھا تو معتصم نے میرے کپڑوں کو تر دیکھا اور اس نے پوچھا اے عبداللہ! تیرے نیچے پانی تھا؟ میں نے کہا یا امیر المومنین! نہیں، لیکن یہ معاملہ ایسا ایسا ہے، تو معتصم ہنس پڑا اور اس نے میرے لئے دعا کی اور کہنے لگا آپ نے اچھا کیا ہے، اللہ آپ کو برکت دے، اور اس نے اسے خلعت دیا، اور اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص: ۸۸)

مسلمانوں کے داخلے سے قبل اور بعد اندلس کا نقشہ یورپی مؤرخ کی زبانی

ایک یورپین مؤرخ کی زبان سے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اندلس کی پستی اور تاریکی کا یہ حال تھا۔

اواخر صدی ہفتم اور اوائل صدی ہشتم کی تاریخ اسپین غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں سیاسی اور تمدنی مصائب سے ملک بھرے پڑے ہوئے تھے۔

(اخبار اندلس ایس پی اسکاٹ جلد اول ص: ۲۰۳ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب)

آٹھویں صدی کے شروع میں سلطنت وزیگاتھ بظاہر زوروں پر تھی اور نہایت مرفہ الحال مگر اس کی اصلی اور واقعی کمزوری اہالی کلیسا کی شان اور دربار شاہی کے

تکلفات اور رعب میں چھپی ہوئی تھی ، جنہوں نے اس سلطنت کے مصائب اور زیادتیوں پر بے بود سانقاب ڈال رکھا تھا۔ خواہشات نفسانی کے غلام بادشاہان وزیگاتھ میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہوچکی تھیں، ریکارد اور ویمیا کے جانشین ایسے کمزور مگر ظالم تھے کہ ان پر لفظ بادشاہ کا اطلاق متنازعہ فی امر ہے، ان کی نفسانیت نے نہ رسوم مہمان نوازی کو قائم رکھا نہ حقوق دوستی کو ملحوظ، نہ اپنے رتبہ کو برقرار رکھ سکے نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں سن وسال کی پرواہ کی

(اخبار الاندلس ایس، پی اسکاٹ جلد اول ص: ۲۰۶ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب)

تمام دربار شاہی ایک ہی حمام میں تھے، عیش ونشاط وشہوت رانی کا زور تھا، کلیسا کی نہایت مقدس روایات کی خلاف ورزی تو ہوتی ہی تھی، غضب تو یہ ہے کہ تعداد ازدواج اور کنیزوں کا رکھنا بھی جائز قرار دے دیا گیا تھا، دیندار لوگ ان عیش کے بندوں کی زیادتیوں سے تنگ آگئے تھے، نہ ان خرابیوں سے گرجاؤں کی قربان گاہیں محفوظ تھیں نہ اقبال گناہ کے منبر۔

(اخبار الاندلس ایس، پی اسکاٹ ج: اول ص: ۲۰۸ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب)

بادشاہ کو منہمک منہیات دیکھ کر چھوٹے بڑے تمام پادری انہی خرابیوں میں پڑے ہوئے تھے، اسقف کے محل میں ہر روز فساد وعناد کے تماشے نظر آتے تھے، اور ہر رات کو شور وشغب کی آوازیں وہاں سے بلند ہوتی تھیں، عوام الناس پہلے ہی کہاں کے معصوم تھے، (وہ تو) اس کی کیفیت کو دیکھ کر اور بھی خراب ہوتے چلے جاتے تھے، پادریوں اور مقتدایان مذہبی کے گھروں کی شرابیں ضرب المثل تھیں، ان کے مکان نہ تھے پری خانے تھے، اگر حسن وجمال کہیں ملتا تھا تو یہیں، پادریوں کا اصلی فرض تھا تو یہ کہ وہ اپنے آپ کو ایک رحم مجسم ہستی کے نائب ہو کر فیاضی اور ایثار نفسی دکھائیں، مگر وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ سازش کنندہ اور معاملات سیاست میں دخل دینے والا فرقہ بن

گئے تھے، امراء وارا کین سلطنت نے مردہ بدست زندہ بن کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اور تمام نظم ونسق سلطنت ان کے سپرد کر دیا تھا۔ اور بطریق مداہنت عابدوں کا نمونہ بن گئے تھے، اگر ان کی خانگی زندگی کو دیکھا جاتا تو کیا پادری اور کیا امراء، عیوب اور گناہوں کے ڈھیر تھے۔ (ایضاً ص:۱۹۸)

مزارعین کی حالت بالکل چوب مسجد کی سی تھی، وہ تمام عمر بلکہ اولاد در اولاد ایک ہی جاگیردار کے ہو رہتے تھے، اور کہیں اور نہ منتقل ہو سکتے تھے، ان کی حالت بالکل غلاموں کی سی ہوتی تھی، گو از روئے قانون گاتھ ان کو ان بدقسمتوں سے بہتر ہونا چاہئے تھا جو بازاروں میں عام جانوروں کی طرح فروخت ہو سکتے تھے، آخر زمانہ گاتھ میں جو قانون وضع ہوئے تھے، ان کے موافق غلاموں کی حالت اس سے بھی بدتر ہوگئی تھی جو رومیوں کے زمانہ میں تھی، آخر کے گاتھ بادشاہوں نے کچھ نرمی کر دی، اس سے لوگوں کی حالت اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی، شادی بیاہ کے متعلق قیود تھیں، اہل وعیال کو الگ رکھنا پڑتا تھا، چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں، ان اسباب سے ان کی ذلتیں اور بڑھتی جاتی تھیں۔ (ایضاً ص ۱۹۹)

پادریوں کی جاگیروں پر ہزاروں غلام تعینات تھے، نہ صرف اس لئے کہ زراعت کریں بلکہ اس واسطے کہ بہترین اشیاء پیدا کریں، جو اس زمانے میں مل سکتی تھیں، اور وہی ان جاگیروں کے تعلقات کو بڑھا سکتی تھیں، ان بدقسمت مزدوروں کی مشقت روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور آزادی کی امیدیں جس کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آتے تھے گھٹتی چلی جاتی تھی، بلکہ اب تو بالکل ہی نہ رہ گئی تھیں، اور ان کو یقین ہو گیا تھا جو ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جا چکا وہ قیامت تک ہلکا ہونے والا نہیں

(اخبار الاندلس ج: اول ص: ۲۰۱)

غلاموں کا ایک جم غفیر تھا کہ باوجود اپنے آقاؤں کے چابکوں کے ابھی تک زمانہ

آزادی کی روایت کو نہیں بھولا اور ایک ذرا سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے، اور اس دن کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کہ جس دن ان کی آزادی کامل ہو جائے۔

(ایضاً ص:۲۱۲)

مزارعین اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا جس کی تعداد دونوں سے کم تھی، لیکن از روئے اصل ونسل واز روئے قانون وہ دوامی غلام تھے، اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل وفہیم اور ہوشیاری و چالاکی میں دونوں سے بڑھے ہوئے تھے، یہ فرقہ یہودیوں کا تھا۔ سترہویں دینی کونسل کے ایک حکم ناطق کے موافق ان کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں تھیں، اوران کو با مشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔ (ایضاً ص: ۲۱۰) یہودی تھے کہ وہ دونوں فریق وامراء و مذہبی پیشوا کے ہاتھ سے تنگ تھے، کون سی سختی وتشدد تھا کہ ان پر نہ کیا جاتا ہو، وہ ہر وقت پریشانی بلکہ مصیبت میں گرفتار رہتے تھے۔ (ایضاص:۲۸۵)

مسلمانوں کے داخلے سے قبل اندلس کا یہ نقشہ تھا، ان کے داخلہ کے بعد دفعتہً حالت بدل گئی، چنانچہ یہی مؤرخ لکھتا ہے:

فاتحین (مسلمانوں) نے پرانے زمانہ کے قوانین کا احترام قائم رکھا، صرف فرق اتنا ہوا کہ اس کے دستورالعمل اپنے قوانین کے تابع کر دیئے، مفتوحین پر وہی قانون قابل نفاذ تھا، مگر اسی حد تک کہ شرعی اسلام کے خلاف نہ پڑے، اپنے عدل وانصاف، مساحت ومراسم خسروانہ سے اس نئی سلطنت نے بہت جلد دلوں میں گھر کر لیا۔ یہودی مرفہ الحال ہو گئے، عیسائی اپنے تعصبات مذہبی بھول گئے، غلاموں نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس سے ان کا داغ غلامی ہمیشہ کے لئے مٹ گیا اور وہ بادشاہوں کے مساوی ہو گئے۔

(اخبارالاندلس ص:۲۸۵)

ذمیوں کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کا ایفاء کیا گیا۔ ذات، جائداد، اور

مذہبی آزادی کا جو عہد کیا گیا تھا وہ بہر حال پورا کیا گیا، عوام الناس تو اس سے بہت ہی خوش ہوئے، اگر ناراض تھے تو وہ مذہبی دیوانے جنہوں نے ایسے فیاض اور سخاوت شعار دشمنوں کو گالیاں دیں، حالانکہ ان کی مراعات سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے اور انہی کا نمک کھاتے۔ (ایضاج اص:۲۵۷)

لیبان نے مسلمانوں کے داخلے سے پہلے اسپین کی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔
''عربوں کی فوج کشی کے زمانہ میں گاتھ اور اطالیہ کی اقوام کا باہمی میل جول امراء ہی میں ہوا تھا، اور عام خلائق غلامی کی حالت میں تھی۔

(ایضاج اول ص:۲۵۷)

اسپین میں تمدنی تفریقیں، اندرونی نااتفاقیاں، فوجی جوش کا نہ ہونا، رعایا کی بے توجہی، ان کا بندہ زراعت ہونا، یہ حالت تھی گاتھوں کی سلطنت کی کہ جس وقت عرب ملک میں پہنچے ہیں، آپس کی نااتفاقی اور رقابت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ دو بڑے امرائے اندلس یعنی کاؤنٹ جولین اور اشبیلیہ کا رئیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی میں معاون تھے۔ (تمدن عرب لیبان ص:۲۴۷)

عربوں کے داخلے کے بعد ہی یہ نقشہ ہو گیا۔
''فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد عربوں نے ترقی شروع کردی، ایک صدی کے اندر اندر غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں، اجاڑ بستیاں آباد ہو گئیں، بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے، اس کے بعد ہی عربوں نے علوم و ادب کی طرف توجہ کی، یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے، اور دار العلوم قائم کئے، جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔ (ایضا)
مسلمانوں نے اندلس کو تہذیب و ترقی کی جس معراج کمال تک پہنچایا اس سے تاریخیں ما مور ہیں، یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بنی امیہ ہی نے اسے فتح کیا اور انہی نے

اسے کمال اوج تک پہنچایا۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ۲ ص ۱۳۸ تا ۱۴۱)

آدم علیہ السلام نے بوقت وفات جنت کے پھل مانگے

ابن ضمرۃ سعدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں ایک بزرگ کو دیکھا، جو وعظ فرمارہے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا یہ ابی بن کعب ؓ ہیں تو انہوں (ابی بن کعب) نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو کہا:

اے بیٹو! جنت کے پھلوں کو کھانے کا دل چاہ رہا ہے، تو بیٹے چلے گئے، تاکہ جنت کے پھل تلاش کر کر لائیں، سامنے سے ان کو فرشتے مل گئے جن کے ساتھ کفن اور خوشبو تھی اور قبر کھودنے کے آلات بیلچے، پھاوڑے، ٹوکری وغیرہ اشیاء تھیں، تو فرشتوں نے آدم کے بیٹوں سے پوچھا: اے بنی آدم کہاں اور کس چیز کی تلاش میں جارہے ہو؟ کہا ہمارے والد مریض ہیں اور جنت کے پھل کھانے کو ان کا جی کر رہا ہے، تو فرشتوں نے کہا، واپس چلو، تمہارے والد کا وقت پورا ہوگیا ہے، تو سب واپس آگئے، حضرت حواء نے فرشتوں کو دیکھا تو پہچان (لیا کہ یہ فرشتے ہیں اور کس مقصد کے لئے آئے ہیں) تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے پناہ مانگنے لگیں، تاکہ فرشتے چھوڑ دیں، تو حضرت آدم نے حضرت حواء کو فرمایا: مجھے چھوڑ و اپنے پاس سے میں تجھ سے پہلے کا پیدا ہوا ہوں، لہٰذا میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان راستہ خالی کردو۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کرلی، اور پھر غسل دیا، کفن دیا، خوشبو لگائی۔ پھر گڑھا کھودا، قبر بنائی، اور پھر حضرت آدم پر نماز جنازہ پڑھی، پھر ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر میں رکھا، اوپر سے مٹی ڈالی، پھر کہا اے آدم کی اولاد یہ تمہاری سنت اور طریقہ ہے، اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔

حضرت ابوبکر ؓ نے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھانے میں چار تکبیریں کہیں اور حضرت صہیب ؓ نے حضرت عمر ؓ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

اور اہل علم کا ان کی قبر کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ اس پہاڑ کے پاس مدفون ہیں جہاں وہ ہند میں اس کے پاس اترے تھے، ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ میں جبل ابی قبیس کے پاس ہے، اور کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان کا وقت قریب آیا تو حضرت نوح نے اماں حواء اور ابا آدم علیہ السلام کی نعش مبارکوں کو اٹھا کر بیت المقدس میں دفن کرادیا تھا، اس کو ابن جریر نے نقل فرمایا ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۱ص: ۱۴۸۔۱۴۹)

علماء پر ظلم وستم کی داستان خونچکان

انگریز کے ظلم سے فرعون، نمرود، شداد کی سختیاں بھی کانپ اٹھتی ہیں۔ ابتدا جب انگریز نے ہندوستان کے شہروں پر قبضہ کیا تو صرف دہلی کو ۸ دن تک فوج لوٹتی رہی بعد ازاں بمبئی، لکھنؤ، کانپور، الہ آباد، آگرہ، میرٹھ، سیالکوٹ، پشاور میں فوج غنڈوں سے مسلمانوں کی بے حرمتی کرائی گئی، ہندوستان میں مذہب اسلام پر ڈاکے ڈالے گئے، اسکولوں اور کالجوں میں برسرعام عیسائیت کی تبلیغ ہونے لگی، بازاروں کے بڑے بڑے چوکوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بڑے بڑے پوسٹر لگائے گئے۔ یورپ سے پادری منگوا کر مناظروں کے جلسے کروائے گئے۔ مذہب اسلام کا تمسخر اڑایا گیا۔ پیشواؤں پر اعتراضات کئے جاتے تھے۔ ہندوؤں کو اسلام پر اعتراضات کا موقعہ بہم پہنچایا گیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ داڑھی والے شخص کو گولی ماردی جاتی تھی۔ کوئی عالم نیا مدرسہ نہ بنا

سکتا تھا کیونکہ مدارس عربیہ کو بغاوت کا اڈہ قرار دیا گیا تھا۔ دہلی کی اسلامی یونیورسٹی جس پر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس نے بڑے بڑے فضلاء میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جیسی نامور ہستیوں کو پیدا کیا تھا۔ اس کی عمارت کو توپوں سے اڑایا گیا اور زمین ایک ہندو لالہ رام کش کے ہاتھ فروخت کردی۔ مسجد اکبری جہاں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے چالیس برس درس قرآن دیا تھا، اس مسجد کو اسی خاطر گرادیا گیا کہ اس میں قرآن دانی اور آزادی وطن کے علمبردار بیشتر علماء پیدا ہوئے تھے۔ مسجد کی بے حرمتی یہاں تک ہوئی کہ یہاں کلب گھر اور شراب خانہ قائم کیا گیا۔

سی آئی ڈی اتنی سخت تھی کہ اگر کوئی شخص آزادی کا نام لیتا گرفتار کیا جاتا تھا۔ شاہی مسجد لاہور کا واقعہ ہے۔ ایک روز منٹگمری (ساہیوال)، گوجرانوالہ، ضلع شیخوپورہ سے آزادی کے مجاہدین علماء گرفتار کر کے یہاں لائے گئے اور اسی مسجد کے میدان میں تمام کو پھانسی دی گئی۔ وہ مسجد کیا تھی۔ مجاہدین آزادی کا مقتل تھا۔ اخبار ٹائمز کا ایڈیٹر لکھتا ہے کہ بغاوت ہند کے اعلان کے بعد ۴۸ گھنٹے میں پانچ سو آدمی اسی مسجد میں تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ کیا اہل اسلام یا کوئی دوسرا انسان داستان ظلم کی ان اخلاق و دل سوز حرکات پر اب بھی ظالم برطانوی سامراج کی تہذیب کو عوامی زندگی کا آخری سہارا دے گا۔ اس بدطینت قوم کے تمدن کی تعریف میں رطب اللسان ہوگا۔ آپ نے دیکھا ایک طرف ظلم اور دوسری طرف صبر و استقامت بالآخر واضح ہوگیا کہ انگریز نے ظلم کی تاریخ میں ایک عجیب اور انوکھے باب کا اضافہ کیا اور مجاہدین نے صبر و استقامت کی تاریخ کے اوراق کو اپنی بے پناہ قربانیوں سے مزین کردیا ہے۔

(تاریخ کالا پانی ص ۱۶۔۱۷)

بغداد (مدینۃ الاسلام) کا بانی خلیفہ منصور تھا

بغداد کی جگہ کا انتخاب منصور کی فطری ذہانت کا نتیجہ تھا۔ دجلہ وفرات اس کے قریب تھے، جس کی وجہ سے بصرہ، اوسط، شام، مصر، آذربائیجان دیار بکراور ہندوستان سے بآسانی تجارت ہوسکتی تھی۔

اس جگہ کی آب وہوانہایت معتدل تھی۔ ملکی مصلحتوں کی بناپر بھی یہ جگہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھی۔

منصور نے یہاں کی کل اراضی خرید لی۔ اس کے بعد تعمیر بغداد کے لئے شام، موصل کوفہ، واسط، بصرہ وغیرہ سے مشہور صناع اور کاریگر بلائے گئے۔ علماء میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حجاج بن ارطاۃ اور دیگر فقہاء ومنہدس وغیرہ مدعو کئے گئے۔ خالد برکمی، ابراہیم فرازی وعلی بن عیسیٰ نے زائچہ دیکھا۔

۱۴۵ھ میں خلیفہ منصور نے اپنے ہاتھوں سے یہ الفاظ کہتے ہوئے سنگ بنیاد رکھا۔

بسم اللہ و الحمد للہ والارض للہ یو رثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین ۔ شہر بغداد کی بنیاد ڈالی گئی، شہر پناہ عین وسط میں ایک دائرہ دیوار کا قائم کیا تھا۔ اس کے وسط میں ایوان شاہی تعمیر کئے گئے، شہر پناہ کے چار دروازے رکھے گئے، ہر دروازے کے درمیان میں ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اسی طرح اندر کے حلقہ کے چار دروازے تھے، ہر دروازے پر لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک نصب کئے گئے۔ جامع مسجد محل کے قریب بنائی گئی۔ منصور نے شہر کو چوبیس ہزار محلّوں پر تقسیم کیا۔ ہر محلّہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس حمام تھا۔ دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں مسجدوں تک پہنچائی تھیں اور نہروں پر ایک سو چھبیس پل تھے۔ نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں رکھی جاتیں۔ کل عمارت پر چار کروڑ آٹھ لاکھ تین درہم صرف ہوئے تھے۔

ابن اثیر میں ہے کہ سڑکیں چالیس چالیس ہاتھ چوڑی تھیں۔ پچاس ہزار کاریگر

اور مزدور کام میں لگے ہوئے تھے۔

بغداد دجلہ کے مغربی جانب تھا۔ ولی عہد کے لئے ۱۵۱ھ میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک اور شہر ''رصافہ'' کے نام سے آباد کیا۔

ایوان شاہی کے علاوہ قصر الخلا الذہب، قبۃ الخضرا، جامع مسجد اور بے نظیر عمارتیں تعمیر ہوئیں اور جب یہ کام ختم ہوا تو بجائے بغداد کے مدینۃ الاسلام نام رکھا گیا۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۹۷، ۹۸)

یہ اشعار میری قبر پر لکھ دینا

ابو الصلت امیہ بن عبد العزیز الاندلسی علوم الآداب میں فاضل تھے ۴۶۰ھ کی پیدائش ہے۔ شہنشاہ افضل نے آپ کو ۵۰۵ھ میں مصر سے نکال دیا تھا، ۵۰۶ھ میں آپ المہدیہ گئے، وہاں کے حکمران علی بن یحییٰ بن تمیم بن عبد العزیز بادیس تھے، ان کے ہاں آپ کو بڑا مقام حاصل ہوا۔ ۱۲ محرم ۵۴۶ھ کو بروز سوموار آپ کی وفات ہوئی۔ وفات سے قبل آپ نے چند اشعار کہے، اور وصیت کر دی کہ یہ میری قبر پر لکھیں جائیں۔ یہاں فقط اشعار کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (از مؤلف)

''اے دار فنا، میں نے تجھ میں اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے رہائش کی کہ میں دار بقا کی طرف چلا جاؤں گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں اسے کیسے ملوں گا۔ میرا زاد قلیل ہے، اور گناہ زیادہ ہیں۔ اور اگر میرے گناہوں کا بدلہ دیا گیا تو میں گنہ گاروں کے بدترین عذاب کا مستحق ہوں، اور اگر وہ مجھے معاف کرے اور مجھ پر رحم کرے تو وہاں دائمی آسودگی اور خوشی ہے۔'' (ابن خلکان ج ۱ ص: ۶۴۶)

جنگ عظیم میں مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر

عن أبی الدرداء ان رسول اللہ ﷺ قال ان فسطاط المسلمین

یوم الملحمة الکبری بالغوطة الی جانب مدینة یقال لها دمشق من خیر مدائن الشام.

(سنن ابوداؤد، ج۴ص:۱۱۱۔ مستدرک ج۴ص:۵۳۲ المغنی لابن قدامہ ج:۹ص:۱۶۹)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنگ عظیم کے وقت مسلمانوں کا خیمہ (فیلڈ ہیڈ کوارٹر) شام کے شہروں میں سب سے اچھے شہر دمشق کے قریب ''الغوطہ کے کے مقام پر ہوگا۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ: الغوطہ شام کے دارالحکومت دمشق سے مشرق میں تقریباً ساڑھے آٹھ کلومیٹر ہے۔ یہاں کا موسم عموماً گرم اور خشک رہتا ہے۔ جولائی میں کم سے کم درجہ حرارت ۱۶.۵ ڈگری سینٹی گریڈ اور زیادہ سے زیادہ ۴۰.۴ ڈگری رہتا ہے۔ جبکہ جنوری میں کم سے کم درجہ حرارت ۹.۳ ڈگری اور زیادہ سے زیادہ ۱۶.۵ ڈگری رہتا ہے۔

(تیسری جنگ عظیم....ص۸۹)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ پر ظلم و جور اور خلیفہ کی معذرت کا اظہار

منصور نے اپنے عم زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی کو تجدید بیعت کے لئے مدینہ منورہ بھیجا، جعفر نے اہل مدینہ پر ظلم وستم سے دل کی بھڑاس نکالی۔ ایک شخص نے اس سے امام مالک کے فتوئ کا ذکر کردیا۔ اس نے حکم دیا کہ مالک کو سخت ذلت کے ساتھ دار الامارہ میں حاضر کیا جائے۔

سرکاری پیادوں نے امام کی رفعت شان کو بالائے طاق رکھ کر دار الامارہ میں لا حاضر کیا۔ جعفر نے آپ کو سترہ کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ کوڑوں کی ضرب سے جسم اطہر مجروح ہوگیا، آپ افتاں وخیزاں اپنے کاشانہ زہد میں پہنچے اور الم ضرب سے مہینوں کے لئے صاحب فراش ہوگئے۔ منصور کو اس ظالمانہ واقعہ کی خبر لگی، اس کو قلق ہوا اور اس نے جعفر کو معزول کردیا۔ امام کو لکھا کہ آپ ازراہ کرم دارالخلافہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ

نے عذرات لکھ بھیجے۔ خلیفہ نے امام کو اطلاع دی کہ چند ماہ بعد میں خود حج کے لئے آرہا ہوں اور آپ سے ملوں گا۔

امام مالک موسم حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور خلیفہ سے منیٰ میں ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت اکرام سے پیش آیا اور مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے الفاظ جو منصور کے منہ سے نکلے یہ تھے۔

''میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ جعفر نے جو حرکت کی وہ نہ میرے حکم سے کی اور نہ مجھے اس کا علم تھا بلکہ اس حادثہ نے میرے دل کو بہت بری طرح سے ٹھیس لگائی۔''

امام نے فرمایا:

''امیر المومنین میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے قرابت رکھنے کی خاطر اور نیز آپ کا عزیز و یگانہ ہونے کی وجہ سے معاف کیا۔''

منصور نے حضرت امام کے استرضائے خاطر کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔ اور کہا کہ میں مہدی ولی عہد کو آپ کی خدمت میں تحصیل حدیث کے لئے بھیج دوں گا، اس نے امام کی خدمت میں زرنقد پیش کی، اور بکمال احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۹۴)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہندوستان کے راجاؤں کو سات خطوط لکھے

علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے:

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہندوستان کے راجاؤں کو سات خطوط لکھے اور ان کو اسلام اور اطاعت کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اپنی

سلطنتوں پر باقی رکھا جائے گا۔ اور ان کے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔

ان کے اخلاق و کردار کی خبریں وہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں، اس لئے انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام عربوں ہی کے نام پر رکھے۔

جب اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر مولی بنی مخزوم بلاد مغرب کے والی بنائے گئے تو انہوں نے وہاں اپنے کردار اور اخلاق کا بہت اچھا مظاہرہ کیا اور اہل بربر کو اسلام کی دعوت دی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان لوگوں کو ایک خط بھیجا اور ان کو اسلام کی دعوت دی، یہ خط اسماعیل نے مجمعوں میں پڑھ کر سنایا اور اسلام بالآخر وہاں غالب آیا، اپنی خلافت کے بعد انہوں نے ماوراء النہر کے سلاطین کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھے اور خراسان کے جو لوگ اسلام لائے ان سے خراج معاف کر دیا، لیکن جو لوگ اسلام لائے اور ساتھ ہی انہوں نے سرائیں تعمیر کیں ان کے لئے انعام اور وظیفہ مقرر کیا۔

(فتوح البلدان ص: ۴۴۶، ۴۴۷)

حدیث کے راوی سندھ کی بڑی بندرگاہ دیبل میں

بحر الہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جو اقلیم دوم میں واقع ہے، اس کا طول بلد جانب مغرب سے ۹۲ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد جانب جنوب سے ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں، اور فرمایا کہ محدثین کی فہرست میں بہت سے راوی حدیث اس شہر کی طرف سے منسوب ہیں۔ انہی میں سے ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کر لی تھی۔ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے حدیث کی روایت کرتے تھے، ان کے فرزند ابراہیم بن محمد دیبلی بھی راوی حدیث ہیں۔ موسیٰ ابن ہارون

سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(معجم البلدان حموی ص: ۴۹۵ ج ۸ بحوالہ فتوح الہند)

اہل سنت اور اہل تشیع کے مذاہب میں تفریق کا بانی کون تھا

سنیوں اور شیعوں کی جیسی تفریق اب ہے تین صدی تک نہ تھی، اس کی ابتداء خاندان دیالمہ سے پڑی۔ چنانچہ آخری حکمران معزالدولہ نے تمام مساجد بغداد کے دروازوں پر امیر معاویہ کے نام و دیگر صحابہ پر تبرا لکھنے کا حکم دیا۔ اس سے شہر میں بڑا شور وغل پیدا ہوا۔ معزالدولہ سے خلیفہ دبتا تھا اور معزالدولہ کو اپنے فعل پر اصرار تھا۔ بہر حال وزیر محمد بن مہدی کی حکمت عملی سے سوائے امیر معاویہؓ کے اور سب عبارت نکال دی گئی ۔ مجملاً لکھ دیا گیا" کہ معاویہ اور آل رسول پر ظلم کرنے والے قابل بیزاری ہیں۔" یہ تو ظاہر ہے کہ بادشاہوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ پولیٹیکل مصلحت بس عموماً یہی مذہب سلاطین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آل رسول میں ایک تو فیض رسول کا اثر نسلاً بعد نسلاً عرصہ تک قائم رہا۔ دوسرے ان کا مظلوم رہنا اور سلطنت کے لہو ولعب سے دور رہنا اور بھی کام دے گیا۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں اولاد علی کرم اللہ وجہہ نے بڑی وقعت پیدا کی، دینی امور میں بس یہی لوگ نمونہ رہ گئے ۔ پیغمبر خدا کے بعد مسلمانوں میں جو وقعت حسنین کی تھی اس سے کہیں زیادہ وقعت عام مسلمانوں کی نظر میں اولاد حسنین نے دو صدیوں کے بعد پیدا کی۔ چنانچہ بنو عباس پر تفوق حاصل کرنے کی یہ حکمت سوجھی کہ آل علی کو اپنا شیدا ظاہر کیا۔

کسی کی ذاتی عقیدت سے یہاں بحث کرنا مقصد نہیں ہے۔ محض اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلافت کے جھگڑے کو جزو ایمان قرار دینا اور اہل تشیع کے مذہب کو اہل سنت والجماعت سے الگ کر کے دکھانا، یعنی مذہب اسلام کو یوں دو مستقل حصوں میں تفریق کرنا، اس بدعت کا بانی معزالدولہ ہوا۔ اور اسی خیال کے مؤید اکثر سلاطین دیالمہ

تھے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ باتیں مسائل جزیہ کی طرح سے مافی الذہن رہتی تھیں۔ اپنے مخالف خیال والے کو کوئی مذہبی طور پر جدا نہیں سمجھتا تھا، بعد دیالمہ کے فارس کے صفوی خاندان نے بھی اس جزوی مسئلہ کو خوب رونق دی اور رفتہ رفتہ سنیوں اور شیعوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا، جو مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنا۔

(تاریخ ملت ج ۲ ص: ۳۴۱ کا حاشیہ)

کعبہ کی زیبائش پر سونے کا استعمال سب سے پہلے کس نے کیا

عبدالمطلب نے ایک سو چالیس سال عمر پائی، انہوں نے زم زم کو دوبارہ کھودا تو اس میں سے سونے کے دو ہرن اور چند تلواریں نکلیں جو ساسان شاہ ایران نے کعبہ کو بطور ہدیہ دیں تھیں۔ جب حارث بن مضاض قبیلہ جرہم کو لے کر مکہ سے نکلا تھا تو اس نے ان چیزوں کو زم زم میں دفن کر دیا تھا۔ عبدالمطلب نے ان کو نکالا۔ اور تلواروں سے کعبہ کے لئے لوہے کا دروازہ بنایا اور ہرنوں سے کعبہ کی زیب و زینت کے لئے سونے کا پترا تیار کروایا لہٰذا عبدالمطلب پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کی زیبائش پر سونے کا استعمال کیا۔ (ابن خلدون ج ۲ ص: ۵۴۲)

غلاف کعبہ سب سے پہلے کس نے پہنایا

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے تبع نے کعبہ کو غلاف پہنایا اور اس میں تالا ڈالا، حتیٰ کہ عبدالمطلب نے کعبہ کے لئے دروازہ تیار کروایا۔ پھر زم زم کے ساتھ ایک حوض بنوایا تاکہ لوگ اس سے پانی پی سکیں۔ ان کی قوم نے اس بات سے حسد کیا، چنانچہ رات کے وقت اس کو توڑ پھوڑ ڈالا۔

عبدالمطلب کو اس سے بہت غم ہوا، آخر کار انہوں نے خواب میں ایک شخص کو کہتے سنا کہ تم اس بات کا اعلان کر دو کہ یہ حوض غسل کے لئے نہیں ہے بلکہ پانی پینے

والوں کے لئے ہے، اس اعلان کے بعد تم ان کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس کے بعد جو شخص کسی غلط بات کا ارادہ کرتا تو اس کے جسم میں غیب سے آ کر تیر لگتا، جب قریش کو اس بات کا علم ہوا تو خود بخود عبدالمطلب کی مخالفت سے باز آ گئے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے بیت اللہ کو ٹاٹ، چٹائی اور چمڑے کے ٹکڑوں سے ڈھانپا وہ تبع حمیری تھا۔ ایک روایت ہے کہ جب اس نے خانہ کعبہ کو چٹائی سے ڈھانپا تو کعبہ کی عمارت پھٹ گئی اور اس کی چیزیں گر پڑیں، مگر جب اسے اپنے کپڑے کا غلاف پہنایا تو خانہ کعبہ نے اسے قبول کر لیا اور ساکن رہا، یہ روایت قاسم بن ثابت نے اپنی کتاب الدلائل میں بیان کی ہے۔

ابن اسحٰق نے کہا کہ پہلا شخص جس نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا حجاج تھا۔ مگر زبیر بن بکار یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس قسم کا غلاف چڑھایا تھا ، دارقطنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبدالمطلب کے بیٹے عباس گم ہو گئے تو ان کی ماں نُتیلہ بنت جناب نے منت مانگی کہ اگر میرا بیٹا مل جائے تو میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاؤں گی ، وہ ایک معزز اور حکمران خاندان کی تھی لہٰذا اس نے اپنی منت پوری کر دی۔

(ابن خلدون ج ۲ ص: ۵۴۳)

زمین پھٹی اور اس سے دو طشتریاں نکلیں توبہ کا عجیب واقعہ

ابو الفیض ثوبان بن ابراہیم المصری المعروف بہ " ذو النون مصری رحمہ اللہ" رجال طریقت میں سے ہیں، اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے موطاء کی روایت کی ہے، آپ نے ۲۴۵ھ یا ۲۴۶ھ یا ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بہت سے محاسن بیان کئے گئے ہیں، جن میں آپ کی توبہ کا واقعہ اس طرح ہے۔ (از مؤلف)

آپ سے آپ کی توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے کہا کہ میں مصر سے ایک بستی کی طرف گیا، تو ایک صحراء میں راستے میں مجھے نیند آ گئی، میں نے اپنی دونوں آنکھوں کو کھولا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلے سے زمین پر گر پڑی ہے۔ پس زمین پھٹ گئی اور اس سے دو طشتریاں نکلیں۔ ان میں سے ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی تھی، اور ان میں سے ایک میں تل اور دوسری میں پانی تھا، پس وہ چنڈول اس سے کھانے لگی اور اس سے پینے لگی، میں نے کہا میرے لئے یہی کافی ہے، میں نے توبہ کی، اور میں گھر میں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول کرلیا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص: ۳۱۶)

اسلام سے قبل جن ۱۵ بتوں کی سارا عرب عبادت کرتا تھا انکے نام

اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور اعتقاد سے تعلق رکھتے تھے، بعض ان میں سے بت پرست، بعض لامذہب، بعض صابی، بعض یہودی، اور بعض عیسائی تھے، بت پرستی کی رسم عرب کے پرانے باشندوں سے چلی آرہی تھی، قوم عاد ثمود جدلیس، جرہم اولیٰ اور عملیق اول وغیرہ بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن ان کے تفصیلی حالات زمانہ کی دوری کی وجہ سے نہ مل سکے، البتہ عرب عاربہ اور عرب مستعربہ کے بت دو قسم کے تھے، ایک ملائک، ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے نسبت رکھتے تھے، ان کو یہ مؤنث سمجھا کرتے تھے، اور دوسری قسم مشہور اشخاص کے تھے جنہوں نے اپنے عمدہ کاموں سے شہرت حاصل کرلی تھی۔

یہ گروپ باوجود بت پرستی کے ان کو معبود مطلق نہیں سمجھتا تھا، بلکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیاوی اختیارات ان کو سارے حاصل ہیں۔ عقبیٰ کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی معافی کروائیں گے۔

جن بتوں کی سارا عرب جاہلیت عبادت کررہا تھا ان کی تفصیل یہ ہے۔(۱) ہبل یہ بہت بڑا تھا اور خانہ کعبہ پر رکھا ہوا تھا۔(۲) ود، یہ بت قبیلہ بنوکلب کا معبود تھا۔(۳) شواع، قبیلہ بنو مذحج کا بت تھا۔(۴) یغوث، یہ بت قبیلہ بنو مراد کا تھا۔(۵) یعوق کی عبادت بنو ہمدان کیا کرتے تھے۔(۶) نسر، یمن کے قبیلہ بنو حمیر کا معبود تھا۔(۷) عزٰے، قبیلہ بنو غطفان کا بت تھا۔(۸) لات۔(۹) مناف، ان دونوں بتوں کی عبادت سارا عرب کرتا تھا۔(۱۰) دوار، یہ نوجوان عورتوں کا معبود تھا۔(۱۱) اساف، یہ کوہ صفا پر تھا۔(۱۲) نائلہ، یہ مروٰ پہاڑی پر تھا ان دونوں بتوں پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔(۱۳) عجب، اس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔(۱۴) کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی تصویر تھی، ان کے ہاتھ میں استخارے کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے، اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا، اور حضرت اسماعیل کی مورتی خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی۔(۱۵) حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی بھی تصویریں اور مورتیاں خانہ کعبہ میں موجود تھیں اور ود، یغوث، یعوق اور نسر ایام جاہلیت کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ جن کی تصویریں پتھروں پر منقش کر کے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دی گئی تھیں۔ ایک مدت کے بعد ان کو معبودین کا رتبہ دے کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

(ابن خلدون ج ۳ ص:۵۹)

دنیا کا بہترین مدرسہ مستنصر باللہ

ابن واصل نے لکھا ہے کہ مستنصر نے دجلہ کے کنارے شرقیہ پر ایک مدرسہ بنایا کہ اس سے بہتر دنیا میں نہ ہوگا۔ اس میں چاروں مذہبوں کے واسطے چار مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ سے متعلق شفاخانہ اور فقراء کے لئے باورچی خانہ بنوایا، اور ان کے استعمال کے لئے مکان، چارپائی، بستر، چراغ، تیل وغیرہ اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا، نیز حمام اور خدمت گار بھی ان کے لئے مقرر تھے، ایسا مدرسہ دنیا میں نہ تھا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت کی تعمیر ۶۲۵ھ میں شروع ہوکر ۶۳۱ھ میں ختم ہوئی۔اس مدرسہ سے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا، جس میں ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر نہایت نفیس نایاب کتابیں آئیں اور کتب خانہ میں رکھی گئیں۔دوسو اڑتالیس فقیہ طالب علم روزانہ کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔

مدرسہ میں چار مدرس حدیث،نحو،طب وفرائض کے علیحدہ علیحدہ تھے،ان کے لئے کھانے پینے کا اہتمام بھی تھا، یہاں یتیموں کے لئے بھی انتظام تھا،مستنصر نے مال کثیر اس کے لئے وقف کیا تھا جس میں کثیر التعداد گاؤں تھے۔مدرسہ کا بروز پنجشنبہ ماہ رجب ۶۲۵ھ میں افتتاح ہوا۔عمائد ملک شریک تھے ۶۲۸ھ میں ملک اشرف نے دارالحدیث اشرفیہ قائم کیا، جس کی تکمیل ۶۳۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ ملت ج ۲ ص ۴۵۶)

مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتداء

مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتداء خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ ان کا وطن تھا،اور اس کی ابتداء انھوں نے اس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ ''جغرافیہ'' سے بھی ان کو واقفیت نہ تھی،انھوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا،لیکن جغرافیۂ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا،عرب کا ایک ایک پہاڑ ،تالاب،وادی، چراگاہ،شہر،گاؤں، پڑاو،عمارت غرض ملک عرب کے ایک ایک ذرہ کو گن ڈالا اور اس کے حالات،جغرافی اور توبوغرافی طریقہ سے مدون کئے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں،ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے،دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

(تاریخ ارض القرآن ص ۲۰)

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے اپنے بیٹے کیلئے ۱۳ قیمتی جواہر

ابوعبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب،........ مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ آپ کی راست گفتاری کے باعث آپ کو صادق کا لقب دیا گیا۔ آپ کی پیدائش ۸۰ھ یا ۸۳ھ کو ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ نے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی ہے وہ ہر انسان کیلئے قابل عمل ہے۔ (از مؤلف)

الہثیم نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر کے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت امام جعفر کے پاس آیا تو موسیٰ آپ کے سامنے تھے۔ اور آپ انہیں یہ وصیت کر رہے تھے اور میں نے اسے یاد کر لیا۔

آپ نے فرمایا، اے میرے! بیٹے میری وصیت کو قبول کر، اور میری بات کو یاد رکھ، اگر تو نے اسے یاد رکھا تو تو سعادت مندی کے ساتھ جئے گا، اور قابل تعریف حالت میں مرے گا۔ اے میرے بیٹے! جو اس تقسیم پر، جو اللہ نے اس کے لئے کی ہے قناعت کر گیا، وہ غنی ہو جائے گا۔ اور جو اس چیز کی طرف آنکھیں اٹھائے گا جو اس کے غیر کے پاس ہے، وہ محتاج ہو کر مرے گا۔ اور جو اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوا، اس نے اللہ پر اس کے فیصلے میں تہمت لگائی ہے۔ اور جس نے دوسرے کی لغزش کو حقیر سمجھا، اس نے اپنے نفس کی لغزش کو بڑا سمجھا ہے، اے میرے بیٹے جس نے دوسرے کا پردہ اٹھایا، اس کے گھر کے عیوب منکشف ہو جائیں گے۔ اور جس نے بغاوت کی تلوار سونتی، وہ اسی سے قتل ہوگا۔ اور جس نے اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودا، وہ اس میں گرے گا۔ اور جو بیوقوفوں میں دخل انداز ہوگا، اس کی حقارت کی جائے گی۔

اور جو علماء سے میل جول رکھے گا۔ اس کی عزت کی جائے گی۔ اور جو بری جگہوں میں آئے گا، اس پر تہمت لگے گی۔

اے میرے بیٹے! اپنے حق میں اور اپنے خلاف بھی حق کہہ، اور چغلخوری سے بچ، بلاشبہ وہ مردوں کے دلوں میں کینہ پیدا کرتی ہے۔ اے میرے بیٹے، جب تجھ سے بخشش طلب کی جائے تو تجھ پر اس کا منبع بن جانا واجب ہے۔

(تاریخ ابن خلکان (حاشیہ) ج۱ص:۳۲۷)

عربوں کی ریاست وقیادت کے خاتمہ کا سبب

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ:۔

''خلیفہ منصور پہلا شخص ہے جس نے موالی کو بہت سے کاموں پر مامور کیا اور انہیں عربوں پر ترجیح دی۔ بعد میں تو یہ چیز اتنی عام ہوگئی کہ عربوں کی ریاست اور قیادت ہی سرے سے فنا ہوگئی۔''

علامہ مسعودی منصور کے بارے میں لکھتا ہے:

''وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے اپنے موالی اور غلاموں کو عامل بنایا، اور بڑی بڑی مہمات ان کی تفویض کیں۔ اس چیز کو بعد کے خلفاء نے جو اس کی اولاد تھے بطور آبائی سنت کے اختیار کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب تباہ ہوگئے، ان کی شان وشوکت اور عزت ومرتبہ سب ختم ہوگیا۔ بادی النظر میں یہ کہا جائے گا کہ اشک شوئی اور عام مخالفت کی وجہ سے منصور عربوں کو سلسلہ سے لگا دیا کرتا تھا۔ جس طرح مسلم بن قتیبہ الباہلی کو بصرہ کا والی بنایا، مگر اس کے ساتھ ایک مولیٰ کو بصرہ اور انبہ کے علاقے کی ولایت پر بھی مامور کیا۔''

طبری کا بیان ہے:

''خلیفہ منصور کا ایک غلام گندمی رنگ کا تھا۔ اپنے کام میں خوب ماہر تھا اور اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ ایک دن خلیفہ نے اس سے پوچھا تم کس نسل سے ہو؟ اس نے جواب دیا، حولاں سے ہوں، یمن میں قید کیا گیا۔ دشمن نے قید کرکے مجھے غلام بنا دیا۔

پہلے میں بنی امیہ کے خاندان میں آیا اور وہاں سے آپ کی خدمت میں، منصور نے کہا۔
اس میں تو شک نہیں کہ تم بہت اچھے غلام ہو لیکن میرے محل میں میری حرم کی خدمت کرنے کے لئے کوئی عربی داخل نہیں ہوسکتا، اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ خدا تمہیں معاف کرے۔''

منصور کا ہی صرف یہ عمل نہ تھا، منصور کے بعد کے خلفاء کا بھی یہی طریقہ رہا۔ مجبوری درجہ عربوں سے تعلق رکھتے تھے۔

دوسرے اسباب کے علاوہ ''دولت بنی عباس'' کے زوال کا سبب عربوں کو نظر انداز کردینا تھا۔ (تاریخ ملت ج ۲ ص: ۴۸۵)

اشعار میں ہجو کرنے والا بدزبان رافضی کا برا حال

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کے حالات میں بیان کیا ہے کہ خطیب سدید ابو محمد عبدالقاہر بن عبدالعزیز خطیب حماۃ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابوالحسین بن منیر شاعر کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا، اور میں ایک بلند باغ کی نچلی جانب تھا، میں نے اس سے اس کا حال پوچھا اور میں نے اس سے کہا ، میری طرف آؤ، تو اس نے کہا میں اپنی بو کی وجہ سے اس کی سکت نہیں رکھتا، میں نے پوچھا تو شراب پیتا ہے؟ اس نے کہا اے خطیب! شراب سے بھی بری چیز، میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ان قصائد کی وجہ سے جو میں نے لوگوں کے عیوب کے بارے میں کہے ہیں ، مجھ سے کیا سلوک ہوا ہے؟ میں نے پوچھا تمہارے ساتھ ان کی وجہ سے کیا سلوک ہوا ہے؟ اس نے کہا میری زبان لمبی اور موٹی ہوگئی ہے، حتیٰ کہ وہ حد نگاہ تک چلی گئی اور جب کبھی میں ان میں سے کوئی قصیدہ پڑھتا ہوں تو اس کے اشعار کتے بن کر میری زبان سے چمٹ جاتے ہیں، اور میں نے اسے برہنہ پا دیکھا، اس پر حد درجہ بوسیدہ کپڑے تھے۔ اور میں نے ایک قاری کو اس کے اوپر

پڑھتے سنا (لهم من فوقهم ظلل من النار) ان کے اوپر آگ کے سائبان ہیں، پھر میں خوفزدہ ہوکر بیدار ہو گیا۔

(تاریخ ابن خلکان ج۱ص:۱۶۲)

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے خوش قسمت

سب سے پہلے جو اسلام لائیں وہ حضرت خدیجہ بنت خویلد تھیں، پھر مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی ہیں۔ پھر زید بن حارثہ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے۔ پھر بلال بن حمامہ جو حضرت ابوبکرؓ کے غلام تھے۔ پھر عمر بن عنبسہ اسلمی اور خالد بن سعید بن العاص بن امیہ، پھر قریش کے چند اور لوگ ایمان لائے جن کو خداوند کریم نے اپنے رسول کی مصاحبت کے لئے چن لیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر کے لئے جنت کی گواہی دنیا ہی میں دے دی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ بڑے نرم خو اور ہر دل عزیز تھے، قریش کے معزز لوگ ان سے محبت رکھتے تھے، چنانچہ ان کی ترغیب سے مندرجہ ذیل حضرات مشرف با اسلام ہوئے۔ بنوامیہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ، بنوعمرو کے خاندان سے حضرت طلحہ بن عبیداللہ، بنو زہرہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، بنواسد میں سے حضرت زبیر بن عوامؓ، جو رسول خدا کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے تھے۔

اس کے بعد بنوالحارث میں سے حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ اسلام لائے، اور بنومخزوم میں سے حضرت ابوسلمٰی، عبدالاسدؓ اور بنوجمح میں سے حضرت عثمان بن مظعونؓ اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہؓ اور بنوعدی میں سے حضرت سعد بن زیدؓ اور ان کی زوجہ فاطمہؓ جو عمر بن الخطابؓ کی سگی بہن تھیں، ان کے والد زید بن عمرو ایام جاہلیت میں بت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ اور توحید کے قائل ہو چکے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ان کو یہ خبر دی کہ قیامت کے دن وہ

اکیلا ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔

پھر سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی عمیر ؓ مسلمان ہوئے۔ پھر عبداللہ بن مسعود ؓ، ابن مسعود عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے، ان کے قبول اسلام کا سبب یہ ہوا کہ ان کے ریوڑ سے ایک بکری کا دودھ سوکھ چکا تھا مگر جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دوہا تو دودھ کی دھاریں چھوٹ پڑیں۔

(۱) پھر جعفر بن ابی طالب ؓ مسلمان ہوئے۔ (۲) ان کی بیوی اسماء بنت عمیس ؓ (۳) السائب بن عثمان بن مظعون ؓ (۴) ابو حذیفہ بن عتبہ ؓ جن کا نام مہشم تھا (۵) عامر بن فہیرہ ازدی، ان کی والدہ فہیرہ حضرت ابو بکر ؓ کی لونڈی تھیں۔ (۶) واقدی بن عبداللہ تمیمی ؓ جو بنو عدی کے حلیفوں میں سے تھے۔ (۷) عمار بن یاسر عنسی ؓ جو قبیلہ مذحج کے تھے اور ابومخزوم کے غلام تھے (۸) صہیب بن سنان ؓ جو بنونمر قبیلہ کے تھے۔ اسلام لائے۔

جب لوگ دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے تو اسلام خوب پھیل گیا، اور مسلمان اس کی طرف منسوب ہونے لگے، وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں نکل جاتے تھے، اور وہاں چھپ چھپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص: ۶۹۔۷۰)

ابن قاسم نے ان عورتوں کو بھی بازیاب کروالیا جنہوں نے کہا تھا

یا حجاج أغثنی

جیسیہ کا وزیر سی ساگر ایک ہوشیار مآل اندیش آدمی تھا، اس نے ان عورتوں اور بچوں کو جنہوں نے بندرگاہ دیبل پر گرفتار ہوتے وقت یا حجاج اغثنی کہہ کر پکارا تھا، اور جو دارلسلطنت ''الور'' میں تھے، اپنی زیر حفاظت رکھا، اور جب قلعہ راور (روہڑی)

سے جیسیہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا۔ سی ساگر کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ اب دشوار ہے۔ اس نے جب محمد بن قاسم کے اعلان کا حال برہمن آباد میں سنا تو اپنے بعض معتمد خفیہ طور پر محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے پاس بھیجے، اور لکھا کہ وہ عورتیں اور بچے جنہوں نے حجاج کی دہائی بندر دیبل پر دی تھی، میرے قبضہ میں اب تک موجود ہیں۔ میں ان کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بشرطیکہ آپ مجھ کو جان کی امان دیں اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ محمد بن قاسم نے فوراً سی ساگر کے نام کا امان نامہ لکھ کر اس کے معتمدوں کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مقام ''دہلیلہ'' کو فتح کیا، اور بنو یہ پسر وہارن کو جو یہاں کا رئیس تھا اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا۔ پھر برہمن آباد کی طرف لشکر اسلام روانہ ہوا، جب قریب پہنچا تو وزیر سی ساگر چپکے سے مع مسلمان قیدیوں کے برہمن آباد سے نکل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جیسیہ کو جب سی ساگر کے نکل جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے دوسرے سرداروں اور امیروں کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ برہمن آباد کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا اور خود تھوڑی سی فوج لے کر اس لئے شہر سے نکل گیا کہ مسلمانوں پر باہر سے حملہ کرنے کے لئے امدادی فوجیں لے کر آئے گا۔

محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے سی ساگر کی آمد کا حال سن کر اس کے استقبال کے لئے امراء کو روانہ کیا، اور جب سامنے آیا تو نہایت عزت کے ساتھ اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ارادوں اور خاص رازوں پر اس کو مطلع کیا، اور اپنی وزارت کا منصب جلیل اس کو عطا کیا، اس وزیر نے محمد بن قاسم کے عدل وانصاف اور رحم وکرم کی بہت تعریف کی اور کہا کہ:

''آپ نے باشندگان سندھ کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے، اور مال گزاری وٹیکس کے معاملہ میں اس قدر نرمی اختیار کی ہے کہ تمام ملک آپ کا گرویدہ ہو گیا، لہٰذا بہت جلد

ملک کے باقی حصے بھی آپ کے قبضے میں آجائیں گے۔'' (فتوح الہند ص:۲۲)

جلال الدین اکبر کے دین الٰہی اور خودساختہ مذہب پر ایک نظر

جلال الدین اکبر (جسے سلطنت مغلیہ کا اصل بانی قرار دیا جاتا ہے) کی تاج پوشی کی رسم ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کو ادا کی گئی۔ بقول بعض مورخین شہنشاہ اکبر کی پرورش جن لوگوں کے پاس ہوئی انہوں نے اسے مذہب اور علم سے بے بہرہ رکھا، جس کا نتیجہ بعد میں چل کر یہ نکلا کہ اس نے سرکاری مذہب ''دین الٰہی'' کے نام سے جاری کردیا، یہاں پر اس کے متعلق مؤرخین کے چند اقوال اور اس کا ایجاد کردہ دین ''دین الٰہی'' پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ (از مؤلف)

''اکبر نے دربار میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کا غلبہ پایا، جو خدائے مطلق، کتاب وسنت اور طریقہ اصحاب کا حوالہ دے کر اسے من مانی کاروائیوں سے روکتے تھے، چنانچہ اس نے انگلستان کے ہنری ہشتم کی طرح ان کا زور توڑنے کے لئے خود مذہبی سربراہ بننے کا فیصلہ کیا۔''......لین پول

بقول ہمعصر مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی ''اکبر پیدائشی طور پر سنی مسلمان، شعائر دین کا پابند اور علماء کا معتقد تھا، مگر عبداللطیف، ملا یزدانی، شیخ مبارک، ابوالفضیل اور فیضی کے زیر اثر وہ مذہبی آزاد خیالی کی طرف راغب ہوگیا:

(۲) اپنی ہندو بیویوں کو خوش کرنے کی خاطر اکبر نے بہت سی ہندو رسومات اور تہواروں کی سرپرستی شروع کردی جو اس پر اثرانداز ہوئی۔

(۳) ہندو اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اس نے یاترا ٹیکس، جزیہ اور ہندو قیدیوں کو غلام بنانا ممنوع قرار دیئے۔

(۴) اس میں بہت سی مذہبی تحریکیں بھگتی، مہدویہ، روشنیہ اور تصوف وغیرہ نے بھی اکبر کو مذہب میں سچائی کا متلاشی بنادیا۔

(۵) مذہبی رواداری کی حکمت عملی اکبر کی سیاسی ضرورت بھی تھی تا کہ ہندو مسلم منافرت ختم کر کے سلطنت کو استحکام بھی بخشا جائے۔

(۶) خوشامدی امراء نے اکبر کو قائل کر لیا کہ اسلام ہزار سال کے بعد ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اسے مجدد بن کر اس کی احیاء نو کرنی چاہئے۔

(۷) علماء کے باہمی اختلاف رائے اور حکومتی معاملات میں دخل اندازی بھی اکبر جیسا مطلق العنان بادشاہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اقدامات

(۱) اولین قابل ذکر پہلو ہندوؤں سے ترجیحی سلوک ہے، جس کے تحت راجپوت سرداروں کو اہم عہدے دئے گئے اور مندروں کی سرپرستی شروع ہوئی۔

(۲) مذہب کو نظر انداز کر کے حکومتی پالیسی میں ''صلح کل'' کا اصول بنیاد بنا دیا گیا ،جس کے تحت تمام مذاہب کو برابر قابل تکریم گردانا گیا۔

(۳) رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان رواداری اور مساوی سلوک کو رواج دیا گیا۔

(۴) ۱۵۷۵ء میں اکبر نے مذہبی سچائی تک پہنچنے کے لئے فتح پور سیکری میں ایک عظیم الشان ''عبادت خانہ'' تعمیر کروایا، جس میں مسلمان علماء کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیشواؤں مثلاً ہندو مت کے پرشوتم داس اور دیوی، جین مت کے ہیرا وجے سوری مجوسیت کے دستور ماہیار جی رانا، اور عیسائیت کے ریڈلفو اور مونسریٹ کو بھی مذہبی بحثوں کے لئے بلایا جاتا، لیکن صدر الصدور شیخ عبدالغنی اور مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری نیز دیگر علماء اکبر کی راستی کی جانب تو کیا رہنمائی کرتے، محض ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے رہے جس سے اکبر بیزار ہو گیا۔

(۵) ستمبر ۱۵۷۹ء میں تنگ نظر علماء کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لئے درباری علماء کے دستخطوں سے ایک فتویٰ جاری کرا دیا، جس کی رو سے تسلیم کیا گیا کہ شہنشاہ اکبر

سلطان عادل ہے، جس کا مقام مجتہد سے بھی بڑا ہے اور وہ اسلام کی تشریح وتاویل کرنے نیز تمام مذہبی تنازعات میں فیصلہ کرنے میں آزاد ہے، جسے نہ ماننا گناہ بھی ہے اور جرم بھی!

(۶) اس ''اعلان معصومیت'' کے خلاف شدید رد عمل ہوا، جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی، قاضی بنگال میر یعقوب، قاضی صدر الدین لاہوری، ملا عبدالشکور، ملا محمد معصوم، شیخ منور، میر معز الملک، قطب الدین کوکا، شہباز خان کمبوہ، بابا خان جیاری اور دیگر بہت سے علماء وامراء نے اکبر کو مرتد قرار دے کر بغاوتیں کیں لیکن شاہی فوجی قوت کے سامنے نہ گئے۔

(۷) ۱۵۸۱ء تک مخالفین پر قابو پالینے کے بعد اکبر کی مذہبی پالیسی نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا اور اس نے توحید الٰہی یا دین الٰہی کے نام سے ایک سرکاری مذہب جاری کردیا۔ امراء وعلماء سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ جب وہ سیاسی طور پر ایک بادشاہ کے ماتحت ہیں، تو انہیں مذہبی لحاظ سے بھی ایک ہوجانا چاہئے اور ایسے نظریے کو ماننا چاہئے جو تمام خوبیوں سے مزین ہو!

دین الٰہی کے نمایاں نکات حسب ذیل ہیں:

(ا) صلح کل، یا کامل رواداری دین الٰہی کا بنیادی اصول قرار پایا۔

(ب) اسلام سے خدا کی وحدانیت، مجوسیت سے سورج اور روشنی کی پرستش ،جین مت سے گوشت خوری سے پرہیز، اور ہندومت سے گئور کھشا کے اصول اخذ کئے گئے۔

(ج) اس مذہب کا بنیادی نقطہ بادشاہ کی ذات سے مکمل عقیدت اور وفاداری تھا۔

(د) دین الٰہی قبول کرنے والے ہر فرد کے لئے لازم تھا کہ وہ ''تلک'' لگائے، یوم ولادت منائے، اور ہر اتوار کو بادشاہ کی خدمت میں حاضری دے۔

(ہ) گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور حکم تھا کہ مرنے سے قبل ہی اپنا چالیسواں کیا جائے اور تمام رشتہ دار احباب کو دعوت دی جائے۔

(و) بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ پگڑی اتار کر سر جھکا دیا جاتا، شہنشاہ سر پر ہاتھ پھیر کر پگڑی واپس رکھ دیتا اور ایک تمغہ دیتا جس پر ''اللہ اکبر'' لکھا ہوتا۔

(ز) دین الٰہی کے اراکین جب آپس میں ملتے تو سلام کی بجائے ''اللہ اکبر'' اور ''جل جلالہ'' کہہ کر ایک دوسرے کا استقبال کرتے۔

(ح) سر مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی طرف کر کے سونے کا حکم تھا، نیز کمسن، بوڑھی، حاملہ، بانجھ عورتوں کے ساتھ شادی ممنوع قرار دی گئی۔

(ط) مردے کے گلے میں اناج اور اینٹ باندھ کر دریا میں ڈالا جاتا اور گناہ دھل جانے پر نکال کر جلایا یا دفن کیا جاتا۔

لیکن شدید ردعمل سے جھنجلا کر اکبر نے بہت سے خلاف شرع احکامات نافذ کر دیئے، مثلاً رسول پاک کے نام مبارک کا استعمال ممنوع قرار دیا، بہت سی مساجد گرادی گئیں اور اذان بند کر دی گئی۔ نماز، روزے، اور حج پر پابندی، مردوں کے لئے ریشمی لباس، اور سونے کا استعمال جائز قرار دیا ''گاؤ کشی'' گائے کا گوشت کھانے، نیز لہسن اور پیاز کے استعمال پر پابندی لگادی گئی، علوم اسلامیہ اور عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ شکنی کی گئی، عیدین کے بجائے نوروز منایا جانے لگا، بارہ سال کی عمر سے قبل ختنہ یا شادی ممنوع قرار دیئے گئے، سولہ سال سے قبل لڑکے اور چودہ سال سے قبل لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی، نہ ہی قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے کی اجازت تھی، بھینس اور اونٹ کا گوشت بھی ممنوع قرار دیا گیا، بعض دنوں میں جانور ذبح کرنے پر مکمل پابندی لگادی گئی۔

''دین الٰہی'' اکبر کی آزاد خیالی کا مظہر تھا، جس کی تہہ میں رعایا کے مذہبی

اختلافات ختم کر کے متحد کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، تاہم رواداارانہ حکمت عملی کے باوجود سیاست کے ساتھ ساتھ مذہب کے میدان میں بھی وہ کسی حریف کو برداشت کرنے کے لے تیار نہ تھا، نیز اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان پڑھ شہنشاہ، درباری خوشامدیوں، جاہ پرستوں، اور ''مبارک اینڈ سنز'' جیسے ذہین اور چرب زبان مشیروں کے ہتھے چڑھ گیا اور اس کی ہندو بیویوں نے بھی اس میں کردار ادا کیا۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ:

بقول ملا عبدالقادر بدایونی دین الٰہی کا نفاذ کر کے اکبر مذہب اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے بہت سے خلاف شرع احکامات نافذ کئے۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں مسلمان اسلامی احکام کے اظہار سے اتنے عاجز تھے کہ اظہار کرتے تو قتل کر دئے جاتے۔''

بقول ونسنٹ، دین الٰہی اکبر کی فہم وفراست کا ثبوت نہیں بلکہ حماقت کی یادگار ہے، یہ مضحکہ خیز شاہی غرور اور بے لگام مطلق العنانی کا نتیجہ تھا!

عالمگیر: ''حد ما اکعذ بود'' شرما اسے مذہب نہیں بلکہ صرف ایک شاہی حکم قرار دیتا ہے۔

سری وستوا دین الٰہی کو سیاسی مقصد کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ ڈاکٹر تری پاٹھی ہندو ہونے کے باوجود بڑی ثقہ رائے رکھتا ہے، اکبر کی اس مذہبی پالیسی کے اعلان سے ہندوستان کے مسلمانوں کو خاص کر اور مسلمانان عالم کو عام طور پر سخت صدمہ اور رنج ہوا، کیونکہ یہ ضابطہ مذہب اور قرآن وحدیث کے منافی تھا، درحقیقت اکبر کی مذہبی پالیسی چنگیز خان کی پالیسی کی آئینہ دار تھی۔ جو کسی مذہب کا پیروکار نہ تھا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اس پالیسی کا اطلاق ہندو عوام پر بھی تھا۔ درحقیقت یہ اکبر کی اپنی اختراع تھی۔

(محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک ص: ۲۸۹ تا ۲۹۳)

دولت عثمانیہ کا بانی بیٹے کو یوں وصیت کرتا ہے

امیر عثمان ابن ارطغرل کی پیدائش ۲۵۶ھ کی ہے۔ عثمان خود شجاع اور بہادر تھا نیز اسلامی فضاء نے اس میں چار چاند لگا دیئے تھے، اپنے باپ ارطغرل کے بعد امیر بنا تھا۔ امیر عثمان خان نے ۲۱ رمضان ۷۲۷ھ میں وفات پائی۔ وفات سے کچھ قبل بیٹے اورخاں کو یوں وصیت کرتا ہے۔　　(از مؤلف)

اورخاں کو اپنے پاس بٹھا کر یہ وصیت کی کہ:

بیٹا! اب میں موت کی آغوش میں جا رہا ہوں، مجھ کو اب کسی بات کا غم نہیں ہے کیونکہ تم سا لائق بیٹا اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں، جو میری قائم مقامی اس دولت کی مجھ سے بہتر کر سکے گا۔''

بیٹا یہ وصیت یاد رہے کہ:

''ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف رکھنا اور عدل گستری کو اپنا شیوہ بنانا، کہ اسی سے سلطنت کی بنیاد مضبوط رہتی ہے، رعایا پر رحم کرنا کیونکہ ہمارے رب کی صفت رحم ہے، حقوق کے معاملے میں قوی اور ضعیف کو یکساں سمجھنا، شریعت حقہ کو رائج کرنا اور کتاب و سنت کے مطابق عمل رکھنا، اگر میری اس وصیت پر عمل کرو گے تو تم ان اولیاء میں سے ہو جاؤ گے جو رضائے الٰہی سے کامیاب ہوئے ہیں، اور بیٹا آخری بات یہ ہے کہ بروصہ کو پایہ تخت بنانا اور وہیں مجھ کو دفن کرنا۔''　　(تاریخ ملت ج ۳ ص: ۳۵)

دجال سے تمیم داری ﷛ کی ملاقات

حضرت فاطمہ بنت قیس ﷝ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ایک منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا کہ الصلوٰۃ جامعتہ (یعنی نماز تیار ہے۔ راقم) چنانچہ میں مسجد گئی اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں عورتوں کی اس صف میں تھی جو مردوں

کے بالکل پیچھے تھی۔ جب حضور ﷺ نے نماز مکمل کی تو مسکراتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور فرمایا، ہر شخص اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے۔ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا ڈرانے کے لئے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لئے جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ واقعہ سناؤں۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک نصرانی شخص تھے وہ میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی جو اس خبر کے مطابق ہے جو میں تمہیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، چنانچہ انہوں نے مجھے خبر دی کہ وہ بنو لخم اور بنو جذام کے ۳۰ آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے۔ انہیں ایک مہینے تک سمندر کی موجیں دھکیلتی رہیں۔ (یعنی سمندری طوفان) پھر وہ سمندر میں ایک جزیرے تک پہنچے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر بیٹھ کر جزیرے کے اندر داخل ہوئے ، تو انہیں وہاں ایک عجیب سی مخلوق ملی جو موٹے اور گھنے بالوں والی تھی۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے اگلے اور پچھلے حصے کو وہ نہیں پہچان سکے، تو انہوں نے کہا کہ تو ہلاک ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں جساسہ ہوں، ہم نے کہا کہ جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تم لوگ گرجے میں اس شخص کے پاس چلو جو تمہاری خبر کے بارے میں بہت بے چین ہے۔ جب اس نے ہمارا نام لیا تو ہم گھبرا گئے، کہیں وہ شخص شیطان نہ ہو، ہم جلدی جلدی گرجے تک پہنچے، وہاں اندر ایک بہت بڑا انسان دیکھا، ایسا خوف ناک انسان ہماری نظروں سے نہیں گزرا تھا، وہ بہت مضبوط بندھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ کندھوں تک اور گھٹنے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے، ہم نے پوچھا تو ہلاک ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے مجھے پا لیا ہے اور تمہیں معلوم ہو گیا ہے، تو تم مجھے بتاؤ تم لوگ کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں، (اس کے بعد تمیم داری نے

اپنے بحری سفر، طوفان، جزیرہ میں داخل ہونے اور جساسہ سے ملنے کی تفصیل دہرائی)
اس نے پوچھا کیا بیسان کی کھجوروں کے درختوں پر پھل آتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں، اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جب ان درختوں پر پھل نہیں آئیں گے۔ پھر اس نے پوچھا بُحیرہ طبریہ میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے، اس نے کہا کہ عنقریب اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ پھر اس نے پوچھا، زغر کے چشمے کا کیا حال ہے، اس چشمے میں پانی ہے اور کیا اس کے قریب کے لوگ اس پانی سے کاشت کاری کرتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا امیوں (ناخواندہ لوگوں) کے نبی کے بارے میں بتاؤ کہ اس نے کیا کیا؟

ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس نے پوچھا کہ کیا عربوں نے اس سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا انہوں نے عربوں سے کیا معاملہ کیا؟

ہم نے اس کو تمام واقعات بتائے۔ جو لوگ عربوں میں عزیز تھے ان پر آپ نے غلبہ حاصل کر لیا اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس نے کہا کہ ان کے حق میں اطاعت کرنا ہی بہتر ہے۔ اب تمہیں میں اپنا حال بتاتا ہوں، میں مسیح ہوں، عنقریب مجھ کو نکلنے کا حکم دیا جائے گا، میں باہر نکلوں گا اور زمین پر سفر کروں گا، یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہ چھوڑوں گا جہاں میں داخل نہ ہوں۔ چالیس راتیں برابر گشت میں رہوں گا۔ لیکن مکہ اور مدینہ میں نہ جاؤں گا، وہاں جانے سے مجھ کو منع کیا گیا ہے۔ جب میں ان میں سے کسی میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک فرشتہ تلوار لئے ہوئے مجھے روکے گا ان کے شہروں کے ہر راستے پر فرشتے مقرر ہوں گے۔

(یہ واقعہ سنانے کے بعد)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا عصا منبر پر مار کر فرمایا۔ یہ ہے طیبہ۔ یہ ہے طیبہ یعنی المدینہ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو! میں تم کو یہی نہیں بتایا

کرتا تھا۔ ہوشیار رہو کہ دجال دریائے شام میں ہے، یا دریائے یمن میں ہے، نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف ہے۔ وہ مشرق کی طرف ہے۔ وہ مشرق کی طرف ہے۔

(تیسری جنگ عظیم ص: ۱۶۹ تا ۱۷۱)

سب سے پہلا مال غنیمت کب حاصل ہوا

مؤرخ ابن خلدون کے مطابق حضور ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ کرز بن جابر کے تعاقب میں بھیجا تھا جس نے اہل مدینہ کے اونٹوں پر غارت گری کی تھی، راستہ میں جو کچھ ہوا اور مال غنیمت کیسے حاصل ہوا، مندرجہ ذیل مضمون اسی سے متعلق ہے۔ (از مؤلف)

سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے اونٹ راستہ میں گم ہو گئے اور ان کے تعاقب کی وجہ سے وہ دونوں حضرات پیچھے رہ گئے، مگر باقی لوگ سفر کر کے نخلہ پہنچ گئے وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں عمرو بن حزری، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل اور ان کا غلام حکم بن کیسان شامل تھے، یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا، اس لئے مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بعض نے حرمت والے مہینے کی وجہ سے تردد کا اظہار کیا، لیکن انہوں نے اتفاق رائے سے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرت واقد بن عبداللہ نے تیر مار کر عمرو بن حزرمی کو قتل کر دیا، اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو اسیر کر لیا، مگر نوفل بھاگ گیا، یہ لوگ قافلہ کے مال تجارت اور دونوں قیدیوں کو لیکر مدینہ آئے اور مال غنیمت میں سے خمس نکال کر علیحدہ رکھ لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا، کیونکہ یہ واقعہ ایک مقدس مہینہ میں ہوا تھا، اس لئے وہ مسلمان جنہوں نے مہم میں حصہ لیا تھا ان کو سخت افسوس اور پشیمانی ہوئی، مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی جس سے ان کی پریشانی دور ہوگئی۔

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصدعن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام و اِخراج اھلہٖ منہ اکبر عنداللہ والفتنۃ اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردو کم عن دینکم ان استطاعوا. (سورۃ بقرہ)

(تجھ سے کافر لوگ پوچھتے ہیں کہ مقدس مہینے میں جنگ وقتال کیسا ہے، اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ اس ماہ میں لڑائی کرنا ایک گناہ کبیرہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کا انکار کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں سے نکلنا، خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فتنہ وفساد تو قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے، اے نبی کافر لوگ تجھ سے لڑتے رہیں گے تاکہ تجھے اپنے دین سے پھیر دیں اگر ان کے بس کی بات ہو)۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول کریم ﷺ نے خمس لے لیا اور باقی مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیا، اور دو قیدیوں کے فدیہ کی رقم بھی وصول کی، ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہوگیا، حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ سہی وسالم مدینہ واپس پہنچ گئے یہ پہلا مال غنیمت ہے، جو عہد اسلام میں حاصل ہوا، اور جس میں سے خمس نکالا گیا، بہر حال عمرو بن الحضرمی کے قتل سے جنگ بدر کی تمہید بڑھ گئی۔

(ابن خلدون ج ۳ ص: ۹۵)

خلیفۂ وقت کی ایمانی غیرت، سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ اور اتاترک کی ملت فروشی

خلاف عثمانیہ کے آخری خلیفہ عبدالمجید خاں ثانی بن عبدالعزیز خان تھے، (مدت حکومت ۱۳۴۱ھ سے صرف چھ ماہ) چونکہ سلطنت عثمانیہ مقروض ہوچکی تھی، اس لئے

یہودیوں نے سلطان کو پیشکش کی کہ اگر وہ فلسطین کا علاقہ ان کے حوالے کردیں تو وہ نہ صرف یہ کہ سلطنت پر چڑھا ہوا سارا قرض چکا دیں گے بلکہ اس کے علاوہ بھی کثیر مقدار میں سونا پیش کریں گے۔ سلطان نے یہودیوں کو سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم اپنا سارا مال ودولت لاکر میرے قدموں میں ڈھیر کردو تو پھر بھی میں فلسطین کی اتنی مٹی نہ دوں گا۔"

یہودی اور دشمنان اسلام نے اس جواب سے مایوس ہوکر مصطفیٰ کمال اتاترک ،عصمت انونو، صدر رفیق سادام اور جمعیۃ الاتحاد والترقی کے ارکان کو استعمال کر کے صرف چھ ماہ کے اندر سلطان عبدالحمید خان کا تختہ الٹ دیا۔ یوں چھ سو اکتالیس سالہ عثمانی سلطنت کا تابناک دور اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء میں عثمانی سلطنت کے خاتمہ کے بعد لوازن کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی، کانفرنس میں یہ طے پایا کہ چار شرائط کے تحت اتحادی فوجیں ترکی سے نکل جائیں گی اور ترک حکومت مصطفیٰ کمال اتاترک وغیرہ کے سپرد کردی جائے گی۔ شرائط حسب ذیل ہیں۔ (الف) ترکوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی موجودہ خلافت کو ختم کر کے موجودہ خلیفہ کو ملک بدر کریں اور ان کے تمام اموال بحق سرکار ضبط کرلیں۔ (ب) ہر اس کوشش اور تحریک کو جو موجودہ خلافت کو برقرار رکھنے یا آئندہ ترکی کے اندر نظام خلافت قائم کرنے کے لئے برپا کی جائے اسے بزور طاقت وشمشیر ختم کردیں۔

(ج) ترک پر ضروری ہے کہ وہ اسلام سے اپنے ہر طرح کے تعلقات کا خاتمہ کرتے ہوئے اسلام کو اپنے ہاں سے نکال دیں۔ (د) احکام اسلامیہ کی اساس پر تیار شدہ دستور کو منسوخ کردیں اور اس کی جگہ پر اپنے ہاں ایسا دستور رائج کریں جو مغربی دستوروں کے نمونے اور طرز پر ہو اور غیر شرعی مصادر سے اخذ کیا گیا ہو۔

مصطفیٰ کمال اتاترک نے ان شرائط پر دستخط کئے، بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی

مکمل یقین دہانی بھی کرائی، اس لئے حکومت کی صدارتی کرسی اسے مل گئی، یوں وہ موجودہ جدید ترکی کا بانی اور ہیرو قرار پایا، اس لوازن کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کرزن نے کہا کہ ہم نے مسلم ترکی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ڈاکٹر شیخ عبداللہ ناصح علوانؒ رقم طراز ہیں کہ جو لوگ بڑی سازش اور دشمنوں کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے ذمہ دار بنے، وہ کمال اتاترک، عصمت انونو، اور جمعیۃ الاتحاد والترقی کے ارکان ہیں۔ جنہوں نے ۱۹۲۴ء میں ترکی کی پارلیمنٹ میں خلافت اسلامیہ کو ختم کرنے کی قرارداد پاس کی۔ اور یہ اعلان کیا کہ حکومت لامذہب ہوگی۔ اور شریعت اسلامیہ کو مکمل طور پر معاشرے سے دور کر دیا جائے گا، چنانچہ ۱۹۲۸ء تک ترکی سے اسلام کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حتیٰ یعلم الشاب/مسلمان نوجوان صفحہ ۱۰۷ (بحوالہ تاریخ العرب والقدس)

راجاؤں کی بغاوت کو محمود غزنوی رحمہ اللہ نے کیسے کچلا؟

ہندوستان سے سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد کالنجر کے راجہ نندا نے قنوج متھرا، مہابن، میرٹھ، برن (بلند شہر) وغیرہ کے راجاؤں کو ملامت آمیز خطوط لکھے اور غیرتیں دلائیں۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اس قول وقرار پر جو اس نے سلطان محمود سے کیا تھا قائم رہا۔ لیکن باقی راجاؤں نے نندا کی بلند ہمتی وعالی حوصلگی کا اقرار کر کے آئندہ کے لئے مستعد رہنے اور نندا کی رہبری میں کام کرنے کا وعدہ کیا، نندا نے ان راجاؤں کو اپنے موافق ومستعد دیکھ کر قنوج پر چڑھائی کی۔ اور ساتھ ہی پنجاب کے راجہ جے پال ثانی ابن انند پال کو لعنت ملامت کا خط لکھ کر محمود کے مقابلے پر مستعد ہونے کی ترغیب دی۔ قنوج کے راجہ نے اپنے آپ کو خطرہ میں مبتلا دیکھ کر غزنی کی جانب قاصد روانہ کیا اور سلطان سے امداد طلب کی۔ سلطان محمود اس حادثہ سے مطلع ہو کر ۴۱۰ھ میں خود قنوج

کی طرف روانہ ہوئے۔ جے پال ثانی چونکہ بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا، اس نے سلطان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر روکنا چاہا۔ مگر سلطانی لشکر نے ایک ہی حملہ میں پنجابی لشکر کو بھگا دیا۔ اور ان کا تعاقب کئے بغیر قنوج کی طرف تیز رفتاری سے سفر کو جاری رکھا تاکہ قنوج کے راجہ کنور رائے کو جلد از جلد امداد پہنچائی جا سکے۔ مگر سلطان کے پہنچنے سے پہلے قنوج کا راجہ نندا کے مقابلے میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان جب قنوج پہنچا ہے تو نندا قنوج سے کالنجر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ سلطان نے اس کو حدود کالنجر میں جا لیا۔

نندا اپنے چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لے کر مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ سلطان کے ساتھ بہت تھوڑی سی فوج تھی۔ نندا کے مقابل سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا اور سلطان نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر دشمن کی فوج کا معائنہ کیا، تو اس کی کثرت وشوکت دیکھ کر اس دور دراز مقام پر اتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ آنے سے پشیمان ہوا۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شام ہو چکی تھی۔ صبح کو میدان کارزار گرم ہونا تھا۔ مگر نندا پر خدا تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ وہ راتوں رات میدان اور اپنا تمام سامان وہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے حالات اور موقع کی تفتیش وتحقیق کرنے کے بعد اپنی فوج کو تعاقب اور مال غنیمت فراہم کرنے کی اجازت دی۔ اسی تعاقب میں پانچ سو اسی جنگی ہاتھی اور بہت سا سامان اور خزانہ جو نندا فوج سے لایا تھا سب سلطان کے قبضہ میں آگیا، مگر نندا جان بچا کر نکل گیا اور سلطان اس کا تعاقب چھوڑ کر غزنی واپس آئے، کیونکہ اب ان کو جے پال ثانی کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

۴۱۲ھ میں سلطان نے پنجاب ولاہور کا قصد کیا۔ جے پال ثانی تاب مقاومت نہ لا کر لاہور سے اجمیر کی جانب فرار ہوا، کیونکہ اب وہ کشمیر کی جانب پناہ گزیں نہیں

ہوسکتا تھا، جہاں کا راجہ پہلے ہی سلطان کا حلقہ بگوش بن چکا تھا۔

۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے پھر ایک زبردست لشکر لے کر نندا راجہ کالنجر کی سرکوبی کے لئے غزنی سے کوچ کیا۔ راستہ میں گوالیار کے راجہ نے محمود کے لشکر کو روکا اور مقابلہ پر مستعد ہوا، لیکن اس کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ محمود کی اطاعت ہی باعث فلاح و بہبود ہے۔

چنانچہ اس نے پینتیس ہاتھی سلطان کی خدمت میں بطور نذرانہ بھیج کر امان طلب کی اور آئندہ مطیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا۔" (آئینہ ص:۱۹۸)

گوالیار سے سلطان کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ نندا راجہ کالنجر قلعہ میں بند ہو بیٹھا سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد راجہ نے عاجز ہو کر درخواست بھیجی کہ:

"تین سو ہاتھی مجھ سے بطور نذرانہ قبول کئے جائیں اور میری جان بخشی اور تاج بخشی فرمائی جاوے۔"

سلطان نے اس کی درخواست منظور کی۔ اگلے دن راجہ نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ ہندی زبان میں لکھ کر بھیجا۔ سلطان کے ہمراہیوں میں جو لوگ ہندی زبان کو جاننے والے تھے انہوں نے سلطان کو اس کا ترجمہ سنایا اور نندا کی شاعری کی تعریف کی۔

سلطان نے خوش ہو کر اس قصیدہ کے صلہ میں پندرہ قلعے ریاست کالنجر میں اپنی طرف سے شامل کر دیئے۔ نندا نے اس انعام سے متاثر ہو کر بہت سے قیمتی تحائف و نذرانے سلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ ہندو مؤرخ سبحان رائے لکھتا ہے۔

"راجا نندا شعر ہندی بصارت متین واستعارات رنگین کہ پسندیدہ شعر فہمان خرد گزین و گزیدہ سخندان دانش آئین بودہ باشد در مدح سلطانی نوشتہ ارسال داشت زبان دانان ہند مضمون آنرا بعرض رسائیدند، سلطان مسرت اندوز گشتہ تحسین نمود و مجلد و تے

آں منشور حکومت با نشر قلعہ ضمیمہ کالنجر نمودہ با تحائف دیگر مرحمت فرمودہ راجہ نندا نیز مال بسیار و جواہر بے شمار در عوض آں بخدمت سلطان مرسل نمودہ و سلطان بعد صلح بغزنی معاودت کرد۔"

(فتوح الہند ص: ۴۵ تا ۴۸)

سلطان التمش کی ابتدائی زندگی کا اہم واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخار میں انگور خریدنے مجھ کو بازار بھیجا۔ میں بچہ تھا، نقدی کہیں گر گئی۔ مالک کے خوف سے زار و زار رونے لگا۔ ایک درویش آ پہنچا، سبب گریہ دریافت کی۔ التمش نے نقدی کھو جانے کا واقعہ بیان کیا، درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا اور درویشوں کو بھول نہ جانا، ان کی عزت اور تعظیم کرنا، التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ و عنایت سے ملتی ہے۔

(تاریخ ملت ج ۳ ص: ۳۳۰)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو "طیار" کا لقب کیسے ملا

عمرہ سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ھ تک مدینہ میں ٹھیرے رہے، پھر آپ علیہ السلام نے امت کے سرداروں کو شام کی مہم پر بھیجا، جہاں جنگ موتہ کا معرکہ لڑا گیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز اسی میں ملا ہے۔ (از مؤلف)

اس معرکہ کی خبر پہنچنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو تمام امیروں کی شہادت کی خبر مل چکی تھی، ان امیروں کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے مجاہدین نے بھی شہادت پائی جن کی تعداد دس سے زیادہ تھی، جب یہ لشکر واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ اس سے مدینہ کے

باہر آکر ملے، آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کو جو اس وقت محض بچے تھے اپنی سواری پر بٹھا رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ کو جعفر کی شہادت پر خاص طور پر بہت افسوس ہوا۔ آپ ﷺ نے ان پر دکھ اور افسوس کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی ،اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے انہیں دو پر عطا کیئے ہیں، جن کی مدد سے وہ جنت میں اڑ رہے ہیں، اس وقت سے حضرت جعفر کا لقب ذوالجناحین دو پروں والا (اور طیار) قرار پایا ہے۔ (ابن خلدون ج ۳ ص: ۱۵۳)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف من سیوف اللہ کا لقب کب ملا

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جس دن مجاہدین اسلام پر مقام موتہ میں یہ حادثہ پیش آیا، اس وقت آپ کو بالہام الٰہی سارے واقعات کی اطلاع ہوگئی۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع فرمایا اور منبر پر تشریف لے گئے۔ فرمایا تمہارے لشکر کی یہ خبر ہے کہ مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ کیا، پس زید شہید ہوا۔ (اللہ نے اس کو بخش دیا) اس کے بعد جعفر نے اسلام کا جھنڈا اٹھایا، دشمنان اسلام نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، یہ بھی شہید ہوگئے۔ (اللہ نے ان کو بھی بخش دیا) پھر عبداللہ بن رواحہ نے لواء اسلام اٹھایا، یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر تک خاموش رہے، اس پر انصار کے چہروں کا رنگ بدل گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی مخالفوں سے لڑے اور شہید ہوگئے۔ یہ سب کے سب جنت میں داخل کردیئے گئے۔ یہ سب تخت زریں پر بیٹھے ہیں، لیکن عبداللہ کا تخت ان دونوں کے تخت سے ذرا کم درجہ کا ہے، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کا جھنڈا لینے کے وقت کچھ پس وپیش سے کام لیا تھا، پھر فرمایا کہ ان کے بعد جھنڈے کو سیف من سیوف اللہ خالد بن ولید نے اٹھالیا، لڑائی کی بگڑی ہوئی حالت سنبھل گئی، پس اسی دن سے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

(حوالہ بالا)

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے سیاہ لباس کیوں ناپسند فرمایا

خلفائے عباسیہ میں منصور حد درجہ خود رائے، جابر اور متشدد واقع ہوا تھا۔ اسی نے عہدۂ قضا قبول نہ کرنے پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کوڑے لگوائے اور قید کر دیا تھا۔ اسی نے طلاق مکرہ میں اس کی مرضی کے خلاف فتویٰ دینے پر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو سر بازار رسوا کیا اور ان کا ایک ہاتھ بازو سمیت اکھڑوا دیا تھا۔ اسی نے سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے برگزیدہ بزرگ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ یہ سب واقعات امام اوزاعی کے سامنے تھے مگر اس کے باوجود وہ حق گوئی و بیباکی سے باز نہیں رہتے تھے۔

منصور اپنی خود رائی اور جبر و استنداد کے باوجود غالباً اپنی سیہ کاری کو چھپانے کے لئے اس بات کا خواہش مند رہتا تھا کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ اس کے دربار میں آ کر نیک مشورے دیں۔

مگر امام اوزاعی رحمہ اللہ بغیر طلب کے نہ کبھی دربار میں آئے اور نہ بغیر کسی شدید ملی ضرورت کے کوئی تحریر لکھی۔

پہلی بار منصور جب شام آیا اور امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ جب واپس ہونے لگے تو انہوں نے منصور سے کہا کہ مجھے سیاہ لباس پہننے سے معاف رکھا جائے۔ اس نے اجازت دے دی۔ جب وہ دربار سے رخصت ہوئے تو اپنے ندیم خاص ربیع کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ میرا نام ظاہر نہ کرنا بلکہ اپنی طرف سے دریافت کرنا کہ سیاہ لباس وہ کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ ربیع کے دریافت کرنے پر فرمایا، سیاہ لباس نہ تو احرام میں استعمال کیا جاتا ہے، نہ تجہیز و تکفین میں اور نہ شادی کے موقع پر، تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔

ایک بار منصور نے ان کو ایک خط لکھا اور یہ آرزو کی کہ کوئی خیر خواہانہ مشورہ دیجئے اس کے جواب میں انہوں نے نہایت مختصر اور بلیغ خط لکھا۔ اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اما بعد فعلیک یا امیر المؤمنین بتقوی اللہ عزو جل و تواضع یرفعک اللہ تعالیٰ یوم یضع المتکبرین فی الارض بغیر الحق و اعلم ان قرابتک من رسول اللہ ﷺ ولن تزید حق اللہ الا وجوباً

''امیر المومنین آپ اپنے اوپر خدا کا تقویٰ لازم کر لیجئے اور تواضع اختیار کیجئے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس دن بلند کرے گا جس دن ان متکبرین کو جو ناحق زمین پر بڑے بنتے ہیں ذلیل کرائے گا۔ اور اچھی طرح غور کر لیجئے کہ آنحضرت ﷺ سے آپ کی قرابت خدا کے یہاں حق سے زیادہ آپ کو کچھ نہ دلائے گی۔''

اس خط میں امام اوزاعی رحمہ اللہ نے منصور کی تین کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، جنہوں نے اس کو حد درجہ مستبد بنا دیا تھا، یعنی خوف خدا کی کمی، حکومت کا غرور، اور نسلی شرف۔ (سیر الصحابہؓ ج ۸ ص: ۲۰۶، ۲۰۷)

چنگیز خان کی معیت میں تاتاری طوفان

سر ڈی منگیزی داس یورپی مصنف ''اپنی تاریخ داس'' میں لکھتا ہے کہ ملک روس پر فرقہ پلافسٹی صاحب اقتدار تھا، اس فرقہ نے ۶۶۱ھ میں مستسلاف حاکم کلیشیا کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قومی دشمن یعنی تاتار نے تاخت کی ہے۔ جنوبی سے بھی اور شمال سے بھی۔ یہ لوگ دیکھنے میں عجیب نظر آتے ہیں، گندم رنگ، کوچک چشم، موٹے موٹے ہونٹ، چوڑے چوڑے شانے، کالے کالے بال ...... ان سفیران نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ملک پر ہے کل تمہارے ملک پر ہوگا۔ مستسلاف جانتا ہے پلافسٹی ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے ہیں، لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو مساوی اندیشہ ہے، لہٰذا مدد پر آمادہ ہو گیا اور گرد و نواح کے امیروں کو بھی ہمراہ کر لیا۔ مقابلہ ہونے پر سب نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ تاتاریوں نے پولینڈ، ہنگری، سرویا تک کے ممالک کو برباد و غارت کر کے دریائے والگا کے جنوبی

ملکوں میں آ کر اس کے امراء کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خاندان کی خدمت میں آ کر حاضری دو۔ روسیوں کو اول معلوم نہ تھا کہ یہ قوی دشمن کون ہے؟ کہاں سے یہ لوگ آئے ہیں اور کیا مذہب رکھتے ہیں۔ نہ صرف کشور روس میں انہوں نے استیلاء پایا بلکہ ان کی وجہ سے مغربی یورپ اور انگلستان میں خوف سے لرزہ پیدا ہو گیا۔ یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیا میں پھیلا ہوا تھا، اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا تھا۔ دراصل چین کے شمال پہاڑوں میں دریائے آمو کے منبع کے قریب رہتا تھا۔ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) کے اختتام پر ان میں ایک آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا۔ یہ دیو ہیکل آدمی چنگیز خاں تھا۔ گردونواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں شامل کر کے شمالی چین کے بڑے ملک پر قابض ہو گیا اور اپنا ایک سردار روس کی فتح کے لئے نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا۔ چنگیز خاں نہ صرف ظالم و سفاک تھا بلکہ ایک عظیم الشان ناظم و مقنن بھی تھا۔ چنگیز خاں کے پوتوں میں سے ایک نے سرحد روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور پر اس کا نام جماعت طلائی مشہور تھا۔ والگا کی جانب جنوب میں ایک دار السطنت آباد کیا جس کا نام سرائی تھا۔ اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔ (تاریخ داس، بحوالہ آئینہ حقیقت نما ص:۲۹۲)

نسل انسانی کی تین جنسیں ہیں

علمائے تاریخ نے نسل انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) جنس ابیض: یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان، مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔

(۲) جنس اصفر: یہ وہ قوم ہے جو چین میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان، مغربی ایشیا تک پہنچی۔

(۳) جنس اسود: یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

نسل انسانی کی ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب اس درمیانی جنس سے ہیں جو جنس ابیض اور جنس اسود کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی اور جسے "جنس اسمر" بھی کہا جاتا ہے۔ (دروس التاریخ)

صحابہ کرام ﷺ پر تبرا کی منافقانہ رسم اور شیعہ سنی فساد

بنی بویہ کے سب سے بڑے حریف بنی حمدان تھے۔ بنی حمدان نسلاً عرب اور مذہباً سنی تھے، جبکہ بنی بویہ عجمی اور شیعہ تھے، خاندان بنی بویہ کا اصل بانی علی بن بویہ الملقب بہ عمادالدولہ والی فارس تھا۔ دونوں خاندانوں کی دین اور خلافت کے بارے میں کافی کشمکش چل رہی تھی۔ بنی بویہ نہایت ہی متعصب شیعہ تھے۔ تعصب کی ایک جھلک دیکھئے۔ (از مؤلف)

بنی بویہ نہایت متعصب شیعہ تھے، چند دنوں تک وہ خاموش رہے، پھر ان کا تعصب ظاہر ہونے لگا، دولت عباسیہ کے بہت سے وزراء متوسل عجمی اور شیعہ تھے، لیکن ان میں سے کسی نے اعلانیہ شیعیت کی ترویج واشاعت کی جرات نہ کی تھی۔ معزالدولہ نے خلفاء کی قوت ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں شیعیت کی تبلیغ شروع کر دی اور ۳۵۱ھ میں بغداد میں جامع اعظم کے پھاٹک پر لکھوایا، معاویہ بن ابی سفیان ﷺ غاصبین فدک، امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ نبی میں دفن کرنے سے روکنے والوں، ابوذر ﷺ کو جلاوطن کرنے والوں، عباس ﷺ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں پر لعنت ہو.......... خلیفہ میں اس بدعت کو روکنے کی طاقت نہ تھی، کسی سنی نے رات کو یہ عبارت مٹادی، معزالدولہ نے پھر لکھوانے کا ارادہ کیا لیکن اس کے وزیر نے مشورہ دیا کہ صرف معاویہ کے نام کی تصریح کی جائے اور ان کے نام کے بعد " والظلمین لآل محمد" یعنی آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کا فقرہ بڑھا دیا جائے، معزالدولہ نے یہ مشورہ قبول کرلیا، غالباً تبرا کی اس منافقانہ شکل کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔

معزالدولہ نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ بغداد میں شیعوں کے تمام مراسم جاری کر دیئے، عید غدیر کے دن عام عید اور جشن مسرت منانے کا حکم دیا، محرم کے لئے حکم جاری کر دیا کہ عاشورہ کے دن تمام دکانیں بند اور کاروبار بند رکھے جائیں، کل مسلمان خاص قسم کی ٹوپیاں پہن کر نوحہ و ماتم کریں، عورتیں چہرہ پر بھبوت مل کر، پریشان ہو کر، گریبان چاک اور سینہ کوبی کرتی ہوئی شہر میں ماتمی جلوس نکالیں، سنیوں پر یہ احکام بہت شاق گزرے، لیکن شیعوں کی قوت اور حکومت کے مقابلے میں بے بس تھے، اس لئے ان احکام کو منسوخ تو نہ کرا سکے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محرم ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا اور بغداد میں بڑی بدامنی پھیل گئی۔

(تاریخ اسلام ندوی ج ۴ ص ۲۵۔۲۶)

امیر معاویہ ؓ وابن عامر کا ایک دوسرے سے تین تین چیزوں کا دلچسپ مطالبہ

۴۴ھ میں امیر معاویہ ؓ نے ابن عامر کو بعض وجوہات کی بنا پر بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور اپنے پاس بلایا، ابن عامر حاضر ہوئے اور امیر معاویہ ؓ کے پاس خاصی مدت رہے۔ رخصت ہونے کے وقت جو واقعہ پیش آیا وہ اس طرح ہے۔

(از مؤلف)

اس (معزولی والے) واقعہ کے بعد معاویہ ؓ نے ابن عامر کو بلا بھیجا، چنانچہ وہ حاضر ہوئے اور ایک مدت تک قیام پذیر رہے، رخصت ہونے کے وقت امیر معاویہ ؓ نے کہا میں تم سے تین چیزیں مانگتا ہوں، تم یہ کہہ دو کہ میں نے وہ تم کو دے دیں۔ ابن عامر نے کہا کہ اچھا میں نے دے دیں، امیر معاویہ ؓ نے فرمایا (۱) تم گورنری سے دست بردار ہو جاؤ، شرط یہ ہے کہ ناراض نہ ہونا (۲) تم اپنا مال جو "عرفہ" میں ہے

اور اپنا مکان جو مکہ میں ہے مجھے ہبہ کر دو (۳) رشتہ داری اور محبت ترک نہ کرنا۔

ابن عامر نے کہا یہ سب میں نے منظور کر لیا، لیکن امیر المؤمنین آپ بھی تین چیزیں جو میں آپ سے مانگوں مجھے عطا فرمائیے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں دل کی خوشی سے منظور کرتا ہوں، چنانچہ ابن عامر نے عرض کیا (۱) میرا مال جو آپ نے ضبط کیا ہے وہ مجھے واپس کیجئے (۲) میرے کسی عامل سے حساب و کتاب نہ لیجئے اور نہ میری برائی ڈھونڈنے کی کوشش کیجئے (۳) آپ اپنی صاحبزادی ہند سے میرا نکاح کر دیجئے ،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سب کر دیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۵۴۳)

بلوائیوں کے وار کو روکتے ہوئے حضرت نائلہؓ کی انگلیاں کٹ گئیں

سب سے پہلے جو شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا

اس آدمی کا نام کنانہ بن بشر بن عتاب التجیبی تھا۔ یہ مصر کے چار فسادی گروہوں میں سے ایک کا سردار تھا۔ سب سے پہلے یہی تیل سے جلتی ہوئی مشعل لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھسا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی انگلیاں کاٹی تھیں۔ یہ شخص مصر میں ۳۸ھ میں ذلیل و رسوا ہوا تھا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔

(الکامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۰۹۔۴۱۴)

محمود غزنوی رحمہ اللہ نے آٹھ راجاؤں پر بآسانی فتح پالی

سلطان محمود غزنویؒ نے ۳۹۹ھ میں انند پال کو مقام پشاور میں شکست دی اور ۴۰۰ھ کے شروع میں نگر کوٹ فتح کیا۔ اس کے بعد آٹھ راجاؤں کو بآسانی شکست دی۔

(از مؤلف)

(۱) انند پال اس شکست کے بعد پھر سلطان غزنی کا باجگذار بن چکا تھا، لیکن سلطان کو معلوم ہوا کہ اس کو بار بار بغاوت پر آمادہ کرنے والے، راجہ تھانیسر، راجہ قنوج و مہابن و دہلی ہیں، اور تھانیسر کا مندر ''سوم جگ یا جگ سوم'' ان کی سازش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لیے سلطان نے اب ان پر حملہ کا قصد کر کے انند پال کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ اب انند پال کے سر سے سلطان کی مخالفت کا سودا نکل چکا تھا۔ اس نے فوراً دو ہزار سواروں کا لشکر اپنے بھائی کی سرداری میں پشاور کے مقام پر بھیج دیا کہ سلطان محمود کے ہمراہ اس سفر میں رہے۔ راجہ تھانیسر نے سلطان کے حملہ کی خبر پا کر اپنی مدد کے لئے میرٹھ، مہابن، برن (بلند شہر) اور قنوج کے راجاؤں کو بلایا لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے سلطان محمود وہاں پہنچ گئے۔ راجہ تھانیسر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے مندر کو توڑ ڈالا اور سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اس مندر میں جو سب سے بڑا بت مانا جاتا تھا اس کو بعض روایات کے موافق توڑ دیا گیا اور بعض کے موافق غزنی بھیج دیا گیا۔

(۲) ۴۰۹ھ میں سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ پنجاب کی ریاستیں جو بار بار بغاوت کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو پناہ دیتی ہیں، ان کا مکمل انتظام کیا جاوے، اس لئے اول کشمیر پر حملہ کیا۔

''راجہ کشمیر نے اطاعت و فرمانبرداری کی درخواست بھیج کر امان طلب کی اور اپنی خدمت گزاری اور خراج گزاری کا وعدہ کر کے سلطان کے غصہ کو فرو کیا۔ سلطان نے کشمیر کے راجہ کی درخواست منظور کر کے اس کے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ اور اس کو حکم دیا کہ تم اپنی مناسب فوج لے کر بطور مقدمۃ الجیش ہمارے لشکر کے آگے چلو۔

(آئینہ ص ۱۹۰)

(۳) سلطان محمود نے راجہ کشمیر کو بطور مقدمۃ الجیش اس لئے ساتھ لیا تھا کہ وہ پہاڑی راستوں سے لشکر سلطانی کو قنوج پر پہنچا دے اور راجہ قنوج اس فوج کشی پر قبل از وقت مطلع

نہ ہو۔ چنانچہ اس کشمیری ہراول کی رہبری سے لشکر سلطانی برف پوش پہاڑی دروں اور ندی نالوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا رام گنگا کے دہانے پر پہنچ گیا۔ قنوج جو وادی گنگا میں واقع ہے، اس پر حملہ کی تیاری ہوئی۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اگر چہ قدیم سے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اسی نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنا طبیب بھیجا تھا۔ مگر جے پال اور انند پال کی سازشوں سے یہ بھی سلطان محمود کے خلاف میدانِ جلال آباد و پشاور کی جنگ میں سلطان سے برسر پیکار ہو گیا تھا۔ تاہم اس کو مسلمانوں کے اخلاق وصفت خطا بخشی کا پورا علم تھا، اس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا یہ امتیازی نشان ہے کہ وہ ہر معافی مانگنے والے کو ضرور معاف کر دیتے ہیں، اور پھر جو عہد کر لیتے ہیں اس کو ضرور پورا کرتے ہیں، اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ۔

"اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور اپنے ہاتھ رومال سے بندھوا کر مع اپنے بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کے سلطان محمود کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سلطان محمود نے یہ دیکھ کر فوراً اس کے ہاتھ کھولے، گلے سے لگایا اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور ہر طرح تسلی وتشفی دے کر رخصت کیا۔ راجہ کنور رائے والی قنوج نے سلطان محمود اور ان کے لشکر کی ضیافت کی۔ سلطان مع لشکر کے تین روز یا آٹھ روز تک راجہ کا مہمان رہا۔ اور جس ملک کے لئے اتنا بڑا عظیم الشان سفر اور اس کی بے حد صعوبتیں برداشت کی تھیں وہ اسی راجہ کے سپرد کر کے بدون کسی قسم کا مالی وجانی نقصان پہنچائے ہوئے یہاں سے رخصت ہوا۔

ایک ہندو مؤرخ لالہ اجودھیا پرشاد اپنی تاریخ "مختصر سیر گلشن" میں لکھتا ہے۔

"محمود اس مرتبہ اپنا لشکر اچانک سامنے قنوج کے لے آیا۔ مہاراجہ قنوج سے کچھ نہ ہو سکا۔ فوراً مع عیال واطفال کے دربار سلطانی میں حاضر ہوا اور اطاعت بادشاہ کی قبول کر لی۔ محمود نے راجہ قنوج کی بڑی عزت وتوقیر کی اور تین روز تک قنوج میں مقیم رہ کر راجہ قنوج کا مہمان رہا۔ وقت رخصت کے راجہ سے بادشاہ نے اقرار کیا کہ اگر تم اور

تمہارے وارث ہم سے سرکش نہ ہوں گے تو جب تم یا تمہارے وارث مدد سلطانی چاہیں گے فوراً غزنی سے ملے گی۔" (آئینہ ص ۱۹۳)

(۴) تاریخ فرشتہ کی روایت کے موافق سلطان محمود قنوج سے رخصت ہو کر اول میرٹھ پھر مہابن اور اس کے بعد متھرا گئے۔ اور طبقات اکبری میں قنوج سے برن (بلند شہر) وہاں سے مہابن اور متھرا جانا ذکر کیا ہے۔ بہر حال قنوج کی طرف سے مطمئن ہو کر سلطان محمود نے قریب قریب کے تمام سرکشوں کو ٹھیک بنایا اور مرعوب کرنا ضروری سمجھا۔

(۵) میرٹھ کے راجہ ہردت پر حملہ آور ہوئے تو وہ اپنے سرداروں کو مع فوج کے قلعہ میں چھوڑ کر خود فرار ہو گیا اور جنگل میں جا چھپا۔ ہردت کے سرداروں نے تیس ہاتھی اور بہت سا روپیہ بطور نذرانہ سلطان کی خدمت میں پیش کر کے امان طلب کی۔ سلطان نے نذرانہ قبول کیا اور ان کو اقرار اطاعت و خراج گزاری لے کر امان دی۔

(۶) سلطان نے میرٹھ سے مہابن کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے راجہ کلچندر نے اول مقابلہ کیا، پھر شکست کھا کر بھاگا۔ سلطانی لشکر نے اس کو گرفتار کر لیا۔ یہ اسی حالت میں خودکشی کر کے مر گیا۔ (آئینہ ص ۱۹۳)

(۷) مہابن کے بعد متھرا پر حملہ کیا۔ یہاں جو بت خانے، سازش خانے بنے ہوئے تھے ان کو توڑا۔ سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اور فتح کے بعد چند روز یہاں قیام کیا۔

(۸) متھرا سے اسونی (فتح پور) کی طرف چلے، اس کے راجہ چنڈیل بھور یا چندر پال نے طاقت مقابلہ نہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور جنگلوں میں جا چھپا، لیکن سلطان کے پاس تحف و ہدایا اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نامہ بھیج دیا۔

(آئینہ ص ۱۹۴)

یہ سات آٹھ راجا جن پر اس سفر میں سلطان نے حملہ کیا اور فتح پائی، وہی تھے جو جے پال اور انند پال کے ساتھ میدان جلال آباد و پشاور میں سلطان کے سامنے برسر

پکار آچکے تھے۔مگر سلطان کا معاملہ ان سب کے ساتھ یہی رہا کہ ان کے اقرار اطاعت وخراج گزاری پر ان کی خطائیں معاف کردی گئیں اور کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم الشان سفر اور بڑے بڑے متمول رجواڑوں کی فتح کے باوجود غزنی واپس ہوکر یہاں کے غنائم اور نذرانوں کی کل مقدار جو شمار کی گئی وہ ہندو مؤرخ سبحان رائے کے الفاظ میں یہ ہے۔

''چوں بغزنی رسید وغنائم سفر قنوج بشمار در آمد پنج لک و بست ہزار درم وسی صدو پنجا، فیل بقلم در آمد۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۹۴ بحوالہ فتوح الہند)

نومسلم گھگڑ کی دعوت پر کئی لاکھ گھگڑ دائرۂ اسلام میں داخل

شہاب الدین غوری کے عہد میں ملاحدہ کا فتنہ اٹھا جو شاہ الموت کے زیر ہدایت جا بجا مسلمانوں کے لباس میں پھیلے ہوئے موقع کے منتظر تھے، انہوں نے ۶۰۰ھ کے اواخر اور ان ۶۰ھ کے شروع میں ملتان، اور پنجاب کے اندر ایک اودھم مچادی اور امن وامان برباد کردیا۔

سلطان شہاب الدین کی ساری عمر زیادہ تر انہی کے فتنہ کے استیصال میں گزری تھی۔ اب پھر سندھ وملتان اور مغربی پنجاب میں ان کا زور دیکھ کر اس طرف آنا پڑا۔ ادھر دہلی کے قطب الدین ایبک پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو اور جو ان کی حمایت کرتے تھے ان کو سزائیں دیں اور ان کے بلاد کا امن وامان بحال کیا۔

ان کی حمایت کرنے والوں میں ایک قوم گھگڑ یا کھوکر کے نام سے موسوم غیر مسلم زناردار تھی، ان کا پیشہ رہزنی تھا، اور مسلمانوں کے قتل کو ثواب جانتے تھے۔ اس لیے ان ملاحدہ کو ان کے اندر خوب رسوخ حاصل تھا، ایک مسلمان اتفاقاً ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوا، جس کو انہوں نے بجائے قتل کرنے کے قید کردیا۔ اس مسلمان قیدی کے اوضاع و اطوار اور حرکات وسکنات اس شخص کو بہت پسند آئے، جس کے ہاتھ میں یہ مسلمان قید

تھا، قیدی نے موقع پا کر اسلام کی تبلیغ و تلقین شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھگڑ نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ قیدی نے سلطان کے پاس یہ خبر بھجوائی۔ سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اس نو مسلم گھگڑ کو اس علاقہ کا حاکم بنا دیا تا کہ وہ خود اپنی قوم کا بندوبست کر سکے۔ اور قتل و غارت سے یہ قوم باز آئے۔ اس نو مسلم گھگڑ کی کوشش سے کئی لاکھ گھگڑ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر بہت شائستہ زندگی بسر کرنے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے ان میں ایک عورت کو متعدد شوہر کرنے اور دختر کشی وغیرہ کا عام رواج تھا۔

(فتوح الہندص ۵۹۔۶۰)

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اسلاف کے دل ہلا دینے والے اقوال

حضرت سمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک بہت بڑے مضبوط قلعہ میں تھا، مگر قاتلان عثمانؓ نے اس میں رخنہ ڈال دیا، جو قیامت تک کبھی بند نہ ہوگا، اور اہل مدینہ سے خلافت بھی قاتلان (حضرت) عثمانؓ نے ایسی نکالی کہ پھر قیامت تک مدینہ میں کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی۔

محمد بن سیریں رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنگ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد مدد کرنی چھوڑ دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک چاند دیکھنے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد آسمان پر شفق نظر آنے لگی۔

عبدالرزاق اپنی تصنیف میں حمید ابن ہلال سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس محاصرہ میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کر رکھا تھا تشریف لائے اور فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی قتل نہ کرے، واللہ جو کوئی آپ کو قتل کرے گا وہ کوڑھی ہو کر مرے گا، خدا کی تلوار اب تک میان میں ہے، واللہ اگر تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے رخنہ ڈال دیا تو پھر ایسی میان سے نکلے گی کہ قیامت تک کبھی میان میں نہ جائے

گی، یادرکھو! کہ ایک نبی کے عوض میں ستر ہزار اور ایک خلیفہ کے بدلے میں پینتیس ہزار جانیں لی جایا کرتی ہیں، تب کہیں اس قوم میں پھر اتفاق پیدا ہوتا ہے۔

ابن عساکر، عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اندر دو خصلتیں ایسی تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں نہیں تھیں۔ اول شہادت کے وقت تک صبر کرنا۔ (۲) ایک قرآن مجید کی ایک قرأت پر تمام مسلمانوں کو جمع کرنا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۷)

المستنصر باللہ کے کتب خانوں کی فہرست ۴۴ جلدوں میں تھی

خلیفہ المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں پچاس ورق تھے۔ ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ، بقول بعض کے چھ لاکھ تھی اور تمام کتابوں کو الحکم نے خود پڑھا تھا۔ ان میں سے اکثر پر حواشی الحکم نے نہایت محنت سے لکھے تھے۔ ادبیات عرب یعنی فن رجال اخبار وانساب میں خلیفہ الحکم اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔

(عبرت نامہ اندلس ص ۸۸)

انسان کے دین کے لئے چار احادیث کافی ہیں

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کے دین کے لئے یہ چار احادیث کافی ہیں۔ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انما الاعمال بالنیات، یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، دوسرا یہ کہ من حسن الاسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ، یعنی آدمی کے حسن اسلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اس بات کو ترک کردے، جس سے اسے کوئی سروکار نہیں، تیسرا یہ کہ لا یکون مومن مومنا حتی یرضیٰ لاخیہ مایرضاہ لنفسہ، یعنی مومن اسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا،

جب تک وہ اپنے بھائی کے لیئے وہ چیز پسند نہ کرے، جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
چوتھا یہ کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۳۳۷)

خلیفۂ اوّل کے کارنامہ ہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جولازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مؤرخ طبرانی کا بیان ہے کہ قریش وثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیانِ نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغِ سحری بن جانے کا خطرہ تھا، لیکن جانشین رسول ﷺ نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، مہمات امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم وایران کے دفتر الٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبر ﷛ ہی کا

نام نامی لیا جاسکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں۔

(سیر الصحابہؓ ج ۱ص ۱۵)

صحابہ کرام ﷺ پر مصائب کے طوفان

اسلام کے فرزند ہر دور میں طوفان سے ٹکراتے رہے۔ سیاسیات کی خار دار وادی میں قدم رکھا تو سلطنتوں کے فاتح ہوگئے۔ انہوں نے شاہوں کے تکبر خاک میں ملا دیئے۔ صحابہ کرام ﷺ کی جرأت کی داستانوں سے احادیث وروایات بھری پڑی ہیں۔ امیر حمزہ کے ٹکڑے کے گئے، آنکھیں نکالی گئیں۔ جگر چبایا گیا، بند بند کاٹا گیا۔ صرف اور صرف اسلام کی سربلندی کے لئے، ادھر سمیہ رضی اللہ کا الم انگیز واقعہ بھی آپ نے سن لیا ہوگا۔ یہ لوگ حق کے ساتھ ایسے وابستہ ہوگئے گویا ان کے نزدیک جان ومال کی قربانی دائیں ہاتھ کا کھیل تھا، کیا آپ نے سیدنا عثمان غنی ﷺ کے محاصرہ کے واقعات نہیں پڑھے۔ چالیس روز کھانا اندر پہنچ سکتا تھا نہ پانی بھیجنے کی اجازت تھی۔ امام مظلوم آنحضرت ﷺ کی وصیت پر عمل کرنے کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال چکے تھے، آخر تلاوت پاک کی حالت میں امامؓ کو شہید کردیا گیا۔ تین روز تک لاش کوڑا کرکٹ پر پڑی رہی۔ جنازہ ام حبیبہ کی مزاحمت پر اٹھا تو بلوائیوں نے میت پر سنگباری کی، یہ سب ظلم برداشت، مگر حق کا دامن چھوٹے یہ ممکن ہی نہیں، جان جاناں کے سپرد ہوگئی۔ خون بہہ گیا مگر امام مظلوم کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات پورے ہوکر رہے۔

کیا حسین ﷺ بن علی ﷺ نے اس کی سختیوں سے خائف ہوکر حق کا دامن چھوڑ دیا تھا، کیا وہ ظلم سے ڈر کر اپنے موقوف سے دست بردار ہوگئے تھے۔ نہیں اور ہرگز نہیں، آخر دنیا نے دیکھ لیا جس چیز کو نواسہ رسولؐ نے صحیح اور حق جانا اس پر ڈٹ گئے کہ میدان کربلا میں کرب وبلا کے نظارے تو ہوئے، مخالفین کی چمکتی ہوئی تیز دھار تلواروں سے معصوم بچوں کا خون تو بہا۔ تمام اہل بیت پر قیامت خیز مظالم تو ڈھائے گئے بربریت کی

انتہا ہوگئی، مگر ان کے پائے استقلال میں کیا فرق آیا، کیا فرق آسکتا تھا، ان کا نام استقلال کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا ہوا ہے۔ وہ جانتے تھے موت وحیات کا مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ رزق وعطا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ کیا ہوگا جو حق کی خاطر خون بہہ جائے گا لیکن خدا اور رسول ﷺ راضی ہوگا۔ آنے والی نسلوں کے لئے ایک لائحہ عمل تیار ہو جائے گا، یوں ناموس اسلام پر جان دینے والے قیامت تک شجر اسلام کی آبیاری کرتے رہیں گے۔ (تاریخ کالا پانی ص:۹۔ ۱۰)

ابن ابی عامر المنصور کی زندگی کے دو اہم واقعے

واقعہ (۱)

منصور سرحدی علاقہ کے نصاریٰ کی شورش کو دفع کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جب سرحد کے قریب فروکش ہوا تو ایک معتبر سوار کو درہ طلیارش کی طرف روانہ کیا کہ وہاں پہرہ دے، اور جو پہلا آدمی درے سے گزرے اس کو میرے سامنے لایا جائے۔

تمام رات برف باری اور بارش میں گزری۔ صبح لشکر گاہ سے ایک بوڑھا آدمی گدھے پر سوار درے کی سمت آرہا تھا۔ صورت لکڑ ہارے کی سی تھی۔ سوار نے اس سے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ اس نے کہا جنگل سے لکڑیاں کاٹنے۔ مگر سوار نے کہا تم منصور کے پاس تک چلو۔ چنانچہ اس کو زبردستی لے آئے۔ ادھر منصور رات بھر سویا نہ تھا۔ جب لکڑ ہارا سامنے لایا گیا تو منصور نے صقلبی غلاموں سے کہا، اس بوڑھے کی تلاشی لو۔ مگر لباس میں کچھ نہ نکلا، تو منصور نے حکم دیا کہ گدھے کا پالان دیکھو۔ اس کی تلاشی لی تو ایک خط نصرانیوں کی طرف سے بادشاہ لیون کے نام تھا، جس میں لکھا تھا کہ اسلامی لشکر گاہ کا ایک رخ کمزور ہے اس پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔

اس خط سے منصور کو سازش کا پتہ چلا۔ اس نے عیسائیوں اور اس بوڑھے کو کیفر

کردار تک پہنچایا۔ یہ تدبیر بہت موثر ہوئی۔ پھر کسی عیسائی کو سازش کی جرأت نہ ہوئی۔

واقعہ (۲)۔ منصور کا ایک سفیر نبرہ کے عیسائی بادشاہ غرسیہ کے پاس گیا۔ اس نے بہت کچھ انعام واکرام دیا۔ وہ سفیر دورہ کرتا ہوا اتفاق سے ایک گرجا میں گیا۔ وہاں ایک مسلمان ضعیفہ ملی، جو بچپن سے عیسائیوں کی قید میں لونڈی کی حیثیت سے تھی اور گرجا میں رہتی تھی۔ سفیر سے کل حال بڑھیا نے کہا۔ جب وہ قرطبہ آیا۔ منصور سے عام حالات بیان کئے۔ جب منصور سن چکا تو پوچھا کوئی ناگوار واقعہ تو نہیں گزرا۔ سفیر کو بڑھیا کا خیال آیا اور اس نے پورا واقعہ سنا دیا۔ منصور نے کہا۔ یہ واقعہ پہلے کہنا تھا۔ چنانچہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ غرسیہ بادشاہ کانپ اٹھا اور اس نے خط لکھا کہ ''مجھ سے کیا خطا ہوئی جو عتاب نازل ہو رہا ہے۔''

جو پیامبر شاہ غرسیہ کا خط لائے تھے ان سے کہا۔ ''مجھ سے قسمیہ کہا گیا تھا کہ اب کوئی مسلمان مرد عورت میری قید میں نہیں ہے اور نہ رکھوں گا مگر گرجا میں مسلمان عورت قید ہے۔

وہ پیامبر لوٹ گیا۔ شاہ غرسیہ نے اس بڑھیا اور دو عورتیں مزید تلاش کرا کر منصور کی خدمت میں بھیج دیں اور بقسم کہا کہ ان عورتوں کا مجھ کو مطلق علم نہ تھا اور میں نے اس گرجا کو مسمار کر دیا ہے جس میں بڑھیا کو قید رکھا تھا۔

ڈوزی لکھتا ہے کہ:۔

''دشمن اس کے نام سے تھراتے تھے، فوج اس پر جان دیتی تھی۔ یہ المنصوری کی تربیت دی ہوئی قواعد دان فوج تھی جس نے اسپین کی سطوت و اقبال کو اس بلندی پر پہنچایا جو کبھی پہلے اس کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ یہ عروج اس کو خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا تھا۔

منصور کا صرف یہی ایک کارنامہ نہ تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے صرف ملک ہی کو

نہیں بلکہ تہذیب وتمدن کو بھی اپنا ممنون احسان کیا تھا۔ اہل ملک کی علمی وذہنی قابلیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ ان کی عزت افزائی کی۔

(عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۱۹۴)

بنو عباس کا آٹھواں تاجدار اور آٹھ کا دلچسپ عدد

معتصم خلفاء بنو عباس کا آٹھواں تاجدار اور عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا آٹھواں ممبر اور رشید کی اولاد میں آٹھواں شخص تھا۔ آٹھ برس اور آٹھ مہینے حکومت کی۔ آٹھ لڑکے، آٹھ لڑکیاں چھوڑیں، آٹھ فتوحات حاصل کیں، آٹھ محل سرائے بنوائیں، آٹھ دشمنوں بابک، باطش، مازیار، افشین، عجیف، قارن، قائد رافضیہ اور رئیس زنادقہ کو تہ تیغ کیا، آٹھ لاکھ دینار سرخ، اسی قدر درہم سفید، آٹھ ہزار گھوڑے، آٹھ ہزار غلام اور آٹھ ہزار لونڈیاں متروکہ چھوڑ گیا۔

(ابن اثیر ج ۶ ص ۲۱۵)

قابل رشک محبت رسول ﷺ

حضرت ابو معاویہ ضریرؒ (نابینا عالم) کہتے ہیں کہ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک ہارون کے سامنے لیا جاتا تو وہ کہا کرتا تھا "صلی اللہ علی سیدی" میں نے ایک مرتبہ اس کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل ہو جاؤں، یہ سن کر ہارون رشید بے اختیار رو پڑا اور اس کی چیخ نکل گئی۔

ایک روز میں نے اس کو یہ حدیث سنائی کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بحث ہوئی، ہارون رشید کے پاس اتفاق سے ایک معزز قریشی بھی بیٹھا ہوا تھا، اس نے یہ سن کر کہا کہ ان دونوں پیغمبروں میں ملاقات کہاں ہو گئی تھی۔ ہارون رشید کو

اس پر اتنا غصہ آیا کہ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کی سزا تلوار ہے بددین (معاذ اللہ منہ) حدیث نبوی ﷺ پر طعنہ کرتا ہے۔ میں نے یہ کہہ کر کہ امیرالمومنین اس سے نادانستگی میں ایسا ہو گیا، ہارون کے غصہ کو بمشکل تمام ٹھنڈا کیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۸۴)

میدان کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اپنی بہن کو نصیحت

نو محرم کی شام کا واقعہ ہے کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو حقیقت کا علم ہوا تو آپ نے ایک رات کی مہلت چاہی۔ ابن سعد نے مہلت دے دی، حضرت امام کو اب یقین ہو گیا کہ راہ حق میں ان کو اپنے سر کی قربانی پیش کرنی پڑے گی۔ دشمن ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائے بغیر نہ مانیں گے۔ آپ نے اپنے تمام رفیقوں اور عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا۔

''میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے اور اپنے اہل خاندان سے زیادہ صالح اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے والے کسی کے عزیز نہیں پائے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلہ کا ہے۔ انہیں صرف میری ضرورت ہے، اس لئے میں تم سب کو بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے رفیق میرے اہل خاندان کو لے کر رات کے اندھیرے میں نکل جائیں اور اپنے اپنے شہروں میں پہنچ کر بہتر زمانے کا انتظار کریں۔''

مگر آپ کے فدا کار ساتھیوں اور جانثار عزیزوں نے بیک زبان کہا

''ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے۔''

یہ جواب سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ دیر تک نقشہ جنگ کے متعلق ہدایات دیتے رہے اور اپنے اہل بیت کو وصیتیں کرتے رہے۔ آپ کی بہن زینب بنت علیؓ نے زیادہ

بے چینی کا اظہار کیا تو فرمایا۔

''اے بہن صبر کرو۔ دیکھو اہل زمین اور اہل آسمان سب کے لئے فنا ہے، خدا کی ذات کے سوا کسی کی بقا نہیں۔ ہمیں اور ہر مسلمان کو جناب رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہئے۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے اگر میں راہ حق میں سرخرو ہوں تو تم میرے ماتم میں گریبان چاک نہ کرنا، چہرہ کو نہ نوچنا، وائے ویلا نہ کرنا۔''

(ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴)

قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کا عبرت ناک انجام

عبدالرحمٰن بن مخنف علم لیکر لڑتے ہوئے آگے بڑھا، جب یہ بھی تیغ اجل کی نظر ہو گیا تو اہل یمن نہایت ابتری کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وادی عیین سے پانچ سو آدمی گرفتار کر کے لائے گئے، مختار نے ان میں سے آدھے آدمیوں کو جو امام حسینؓ بن علیؓ کے واقعہ شہادت میں شریک تھے قتل کر دیا اور باقی کو رہا کر دیا۔ جنگ کے بعد مختار نے اعلان کروادیا کہ ہر شخص کے لئے جو لڑائی سے اپنے آپ کو روک لے گا امن ہے سوائے اس کے جو اہل بیت کی خون ریزی میں شریک ہوا تھا۔

عمر بن حجاج زبیدی یہ سن کر بھاگ نکلا، پھر اس کا حال کچھ معلوم نہ ہوا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مختار کے ساتھیوں میں سے کسی نے گرفتار کر کے اس کا سر کاٹ لیا تھا، شمر بن ذی الجوشن کے تعاقب میں مختار کا ایک غلام گیا ہوا تھا، جب یہ اس کے قریب پہنچا تو شمر بن ذی الجوشن اس کو قتل کر کے کلبانیہ نامی ایک گاؤں میں چلا گیا اور یہ سمجھ کر کہ اب میں بچ گیا ہوں، وہیں قیام کر لیا۔

اس کے سامنے ایک دوسرے گاؤں میں ابو عمرہ (مختار کا ہم نشین) ٹھہرا ہوا تھا جس کو مختار نے اہل بصرہ کی روک تھام کی غرض سے مقرر کیا تھا، اتفاقاً اس کو شمر کی خبر لگ گئی۔ تو وہ فوراً سوار ہو کر آیا اور پھر خوب لڑائی ہوئی، سات سو اسی آدمی مارے گئے جن

میں اکثر یمن کے تھے، اس نے شمر کو قتل کر کے اس کی لاش کتوں اور مردار خور جانوروں کے آگے ڈال دی یہ واقعہ ۶۶ھ کے آخر کا ہے۔

اس واقعہ کے بعد شرفاء کوفہ خوفزدہ ہو کر بصرہ کی جانب نکل کھڑے ہوئے، اور مختار امام حسینؓ بن علیؓ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کرنے لگا۔ عبید اللہ بن اسد جہنی، مالک بن نسیر کندی، حمل بن مالک محاربی کو قادسیہ سے گرفتار کر کے قتل کیا، اس کے بعد زیاد بن مالک ضبعی، عمران بن خالد بن عثری، عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ بجلی اور عبداللہ بن قیس خولانی، جنھوں نے واقعہ کربلا میں امام حسین بن علی کا سامان لوٹا تھا، زنجیر سے جکڑ کر حاضر کیے گئے، مختار نے ان سب کے قتل کا حکم دیدیا، پھر عبداللہ یا عبدالرحمٰن بن طلحہ، عبداللہ بن وہب ہمدانی (اَعشیٰ کا چچازاد بھائی) پیش کیا گیا اور اسی وقت قتل کر ڈالا گیا، اور عثمان بن خالد جہنی، ابواسماء بشر بن سمیط قابسی کو (جنہوں نے عبدالرحمٰن بن عقیل کو شہید کر کے ان کا مال واسباب لوٹ لیا تھا) قتل کر کے آگ میں جلا دیا گیا۔

خولی بن یزید اصبحی جس نے امام حسین کا سر کاٹا تھا جان کے خوف سے چھپ گیا۔ لیکن لوگوں نے اسے تلاش کر لیا اور اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس لائے۔ مختار نے اس کو جلوا دیا۔

ان لوگوں کے قتل ہونے کے بعد عمر بن سعد بن ابی وقاص کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ اگر چہ اس نے عبداللہ بن ابی جعدہ کی معرفت مختار سے امن حاصل کر لیا تھا، لیکن ابو عمرہ مختار کے حکم کے مطابق اس کا سر کاٹ لایا، اتفاق یہ ہوا کہ مختار کے پاس اس وقت عمر بن سعد کا بیٹا حفص بیٹھا ہوا تھا، مختار نے پوچھا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ '' حفص نے جواب دیا'' ہاں! لیکن اسکے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہے''۔ مختار نے اس کے قتل کا حکم دے کر کہا اس (یعنی عمر بن سعد) کا قتل خون حسینؓ کا بدلہ تھا اور یہ یعنی (حفص بن عمر) علیؓ بن حسینؓ کے خون کا بدلہ ہے، اور ان دونوں کے سروں کو محمد بن الحنفیہ کے پاس

بھیج دیا اور یہ لکھا کہ ''قاتلین حسینؓ بن علیؓ میں سے جن لوگوں پر میرا داؤ چلا تھا ان کو تو میں نے قتل کر دیا ہے اور باقی لوگوں کی گرفتاری اور قتل کی فکر میں ہوں۔

عمر بن سعد کے بعد حکیم بن طفیل طائی بھی پیش کیا گیا جس نے حضرت حسینؓ بن علیؓ پر تیر چلایا تھا اور واپس کامیاب لوٹ لیا تھا۔ حضرت عدی بن حاتم سے حاضر ہو کر سفارش کی لیکن اس سے پہلے ہی عدی بن حاتم کی سفارش کے ڈر سے اس کو ابن کامل نے قتل کر ڈالا تھا۔

مرہ بن منقذ بن عبدالقیس یعنی علی بن حسینؓ کے قاتل کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا لوگوں نے پہنچ کر اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا، مرہ گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور نیزہ بازی کے جوہر دکھاتا ہوا مصعب بن زبیر کے پاس بھاگ کر چلا گیا، لیکن اس بھاگ دوڑ میں اس کا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۶۵۰-۶۵۱)

دنیائے سیاست کے دو فرمانرواؤں کا اختلاف کیسے دور ہوا

دنیائے سیاست میں ایک ہی درجہ کے دو فرمانرواؤں کا دوسرے کے ماتحت رہنا ممکن نہیں، اس لئے مصر میں صلاح الدین کے استقلال کے بعد ہی نورالدین اور صلاح الدین میں اختلافات کی صورت پیدا ہو گئی، لیکن صلاح الدین کے باپ نجم الدین کی دانشمندی سے بڑھنے نہ پائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶۷ھ میں نورالدین نے فرنگیوں کے قلعہ کرک پر جو مصر کے سرحدی سمت میں تھا، فوج کشی کا ارادہ کیا اور صلاح الدین کو بھی مصری فوجوں کے ساتھ کرک پہنچنے کا حکم دیا، صلاح الدین اس کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گیا اور نورالدین کو اس کی اطلاع دے دی، لیکن اس کے بعض ناعاقبت اندیش ساتھیوں نے اس کو نورالدین سے ڈرایا کہ اگر مصر و شام کے درمیانی علاقے سے فرنگی ہٹ گئے تو پھر کوئی روک نہ رہ جائے گی اور نورالدین مصر پر قبضہ کر لے گا، یہ بات ایسی تھی کہ صلاح الدین کی بھی سمجھ میں آ گئی، اس نے کرک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور

نورالدین کو لکھ بھیجا کہ اس وقت وہ مصر کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہاں سے ہٹنے سے معذور ہے، نورالدین پر اس کی یہ عدول حکمی سخت شاق گذری، اس نے یہ عذر قابل قبول نہ سمجھا اور خود مصر پر فوج کشی کا عزم کرلیا، صلاح الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے اعزہ اور امراء سے مشورہ کیا، اس کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے کہا اگر سلطان نے مصر کا قصد کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اعزہ نے بھی اس کی تائید کی، لیکن صلاح کے کہن سال اور تجربہ کار باپ نجم الدین نے تقی الدین کو ڈانٹ کر خاموش کردیا اور صلاح الدین سے کہا کہ میں تمہارا باپ ہوں اور یہ شہاب الدین تمہارا ماموں ہے، کیا ہم دونوں کے برابر تمہارا کوئی خیر خواہ ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، نجم الدین نے کہا تو پھر سن لو میں تمہارا باپ اور شہاب الدین ماموں ہوکر بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے کہ سلطان کو دیکھ کر زمین بوس نہ ہوں، اگر وہ ہم کو تمہاری گردن مارنے کا حکم بھی دے گا تو اس کی تعمیل کریں گے، جب ہمارا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے، اس وقت جو امراء تمہارے سامنے موجود ہیں ان میں سے ایک بھی سلطان پر نظر پڑنے کے بعد گھوڑے کی زین پر قائم نہیں رہ سکتا، سب سواری سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہونگے، یہ سارا ملک سلطان کا ہے، اس نے اپنی طرف سے تم کو صرف اس کا حاکم بنایا ہے، اگر وہ تم کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے فوج کشی کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، اس کی تحریر کافی ہے، اور امراء سے کہا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، ہم سب سلطان کے غلام ہیں۔ ہمارے بارہ میں اس کو پورا اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے۔

امراء کے ہٹنے کے بعد صلاح الدین سے کہا تم ابھی ناواقف ہو اور نا تجربہ کار ہو مجمع عام میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہو، اگر نورالدین کو اس کی خبر ہوجائے تو وہ تمہارے مقابلہ کو خاص مقصد بنالے گا، اور ان امراء میں سے ایک بھی تمہارے ساتھ نہ

دے گا، بلکہ یہی لوگ تم کو پکڑ کر اس کے حوالہ کر دیں گے، میں نے ان کے سامنے جو باتیں کہی ہیں، اس کی خبر وہ ضرور نورالدین کو دیں گے، تم بھی اس کو لکھو کہ میرے معزول کرنے کے لئے حضور کو زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے، ایک ادنی خادم کو بھیج دیجئے، وہ میری گردن میں رسہ ڈال کر مجھے حاضر کر دے، صلاح الدین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، نجم الدین کا خیال صحیح نکلا، امراء نے نورالدین کو اس کی باتوں کی خبر کر دی، اس لئے وہ مطمئن ہو گیا اور مصر پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔

(دولت اتابیکہ موصل ص ۲۸۶ تا ۲۸۸ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی)

قاضی یحیٰ کی علمی گفتگو کے بعد خلیفہ مامون نے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی، وہ اہل کمال کا عموماً احترام کرتا تھا، اور اس کی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے عام تھیں۔

اس کے عہد کے علماء میں بعض کمزور تھے اور بعض نڈر، مامون کا اتالیق جعفر برمکی تھا، وہ مذہباً شیعہ تھا۔ مگر عموماً تقیہ کئے رہتا۔ اس کی صحبت نے مامون کو شیعیت پر کچھ مائل کر دیا تھا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

"بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی کو شیخین سے افضل مانتا تھا۔"

جعفر برمکی کو کثرت سے کنیزیں رکھنے کا شوق تھا۔ اس نے مامون کو بھی اس کا چسکا ڈال دیا۔ اور وہ متعہ کے جواز کا قائل ہو گیا۔ اس نے اس کی عام منادی کرادی۔ اہل سنت پر یہ امر شاق گزرا۔ درباریوں نے قاضی یحیٰ بن اکثم کو آمادہ کیا کہ وہ متعہ کے بارے میں مامون الرشید سے گفتگو کریں۔ چنانچہ قاضی یحیٰ دوسرے دن دربار میں

پہنچے، اس وقت مامون برہمی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ۔

''رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو متعہ تھے میں ان کو روکتا ہوں۔''

نقل کر کے کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی رسول اللہ اور ابو بکر کے زمانہ میں اجازت تھی اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟

قاضی صاحب بیٹھ گئے، ان کا چہرہ متغیر تھا۔ مامون نے پوچھا یحییٰ آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے؟ انہوں نے کہا امیر المومنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا۔ اس سے پوچھا وہ کیا؟ یحییٰ نے کہا زنا کی حلت کا اعلان۔ مامون نے تعجب سے پوچھا۔ زنا؟ یحییٰ نے کہا، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے اور کلام الٰہی کی یہ آیت '' الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم.'' تمتع صرف دو طرح کی عورتوں سے جائز ہے، بیوی سے یا لونڈی سے، پڑھ کر پوچھا کیا ممنوعہ عورت لونڈی ہے؟ مامون بولا نہیں۔ یحییٰ نے پوچھا تو پھر کیا وہ بیوی ہے؟ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے، اور اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں؟ مامون نے کہا نہیں۔ یحییٰ نے کہا جب ممنوعہ ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے تو پھر یہ قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے، اس استدلال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت یحییٰ نے سنائی کہ۔

''مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں متعہ کی حرمت کی جس کی پہلے آپ نے اجازت دی تھی منادی کر دوں۔''

اس گفتگوں کے بعد مامون نے اپنے فعل سے استغفار کیا اور متعہ کی حرمت کی منادی کرادی۔

(تاریخ خطیب ج ۱۲ ص ۱۹۹۔۲۰۰)

بقول مؤرخین نحوست میں بے مثال شخص طویس المغنی تھا

ابوالفرج اصبہانی نے ''الاغانی'' میں آپ کا نام عیسےٰ بن عبیداللہ اور کنیت ابو عبدالمنعم بیان کی ہے۔ اور دیگر نے عبدالنعیم بیان کی ہے، اور آپ بنی مخزوم کے غلام تھے، اور طویس آپ کا لقب ہے۔

ابوالفرج نے اپنی کتاب ''الاغانی'' میں آپ کے سوانح بیان کیے ہیں، اور آپ کے متعلق گفتگو کو طول دیا ہے، اور نحوست میں آپ ہی کی مثل بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں أشام من طویس، آپ کو یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ جس روز پیدا ہوئے، اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اور جس روز حضرت ابو بکر ؓ فوت ہوئے اس روز آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ اور جس روز حضرت عمر ؓ قتل ہوئے، اس روز آپ کا ختنہ ہوا۔ اور بعض کا قول ہے، اس روز آپ بالغ ہوئے اور جس روز حضرت عثمان ؓ قتل ہوئے، اس روز آپ نے نکاح کیا۔ اور جس روز حضرت علی ؓ قتل ہوئے اس روز آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ جس روز حضرت حسن ؓ فوت ہوئے، اس روز بیٹا پیدا ہوا۔ اس لیے لوگوں نے آپ سے بدشگونی لی، اور یہ بات عجیب اتفاقات میں سے ہے۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۳ ص ۴۰۸)

دلیری اک باغی کی

۶۹۹ھ میں تھمبور فتح ہونے کے بعد سلطان نے محمد شاہ باغی کو مقتولین کے اندر زخمی پڑا ہوا دیکھا اور کہا کہ اگر ہم تیری مرہم پٹی کریں اور تو اچھا ہو جاوے تو کیا احسان مانے گا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کو جواب دیا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو تجھے قتل کروں، اور تیری جگہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ علاؤالدین نے

یہ سن کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور سابق وفاداری کا خیال آیا تو بڑی عزت واحترام کے ساتھ اس کے جنازہ کو دفن کرایا۔

(فتوح الہند ۷۹)

اسلام میں خلافت کی حیثیت ومقام

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں دعوت اسلامی اور دین محمدیؐ کے قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے والوں کا تصور ایک منتظم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے، ان کے لئے ''امت''، ''ملت''، ''جماعت'' کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب وسنت کی لغت واصطلاح میں محض تعداد کی کثرت اور انسانوں کے انبوہ کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لئے استعمال نہیں کئے گئے، جن کا ادیان وملل کی تاریخ میں بھی، اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں بھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے، بلکہ سارا قرآن مجید کہیں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں اور کہیں قوت وضعف اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے میں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوہ کی بے وزنی اور صالح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبہ، انسانوں کی مظلومیت اور دین حق کی مغلوبیت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان عدل اور میزان عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زائد ہو) کوئی بڑی اہمیت وافادیت نہیں۔

اسلام کے پیش نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان میں عبد ومعبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم، پھر اس کی ترویج وتوسیع، انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افراد جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواری بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب پرسکون اور پرامن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے، جن میں خالق کے فرائض، مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقع، اور ان کمالات وارتقائی

منازل تک پہنچنے کا پورا امکان پایا جائے، جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس نے کوشش کی ہے کہ اس کی قوت عمل اور ذہانت، ان خطرات کا مقابلہ کرنے، ان نقصانات سے بچنے اور ان مفاسد کے دور کرنے میں ضائع نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، کبھی خود ساختہ قوانین سے، کبھی مطلق العنانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے، اس کے لئے ایک منزل من اللہ قانون، آسمانی شریعت، اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظامِ خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعت الٰہی کا تعلق ہے، اس کے منزل من اللہ، معصوم عن الخطاء، اغراض و مفادات، تعصبات اور جنبہ داریوں سے بلند و بالاتر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے، اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حمایت و عصبیت، مداہنت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتداء ہی سے صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے احکام و ہدایت صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان ایک ایسی منظم اور مربوط جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو ایک ایسے صاحب امر فرد کے حکام و انتظام کی تابع ہے، جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصالح مفادات اور ضروریات کا نگراں ہے، اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و لچکدار رہنما اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، یا امام کہیں گے، اور اگر وہ اس کا نائب نامزد کیا ہوا ہے یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصل خصومات، اور منظم دینی زندگی گذارنے کے لئے مسلمانوں نے اس کو (جزوی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے، تو اس کو امیر کہیں گے۔

خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسولؐ اور جان نثار رفیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عشاق و جان نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معہ اہل بیت عظام کے) اس مسئلہ کا تصفیہ، اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسد اطہر وانور کی تدفین پر مقدم رکھا، اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر رہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتخاب ۱۰ھ سے لے کر خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفہ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا، صرف خلیفہ مسترشد باللہ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے سات دن سے تجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفہ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لئے ایک ایسا انوکھا تجربہ اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار، اور بغداد زیروزبر ہو گیا، ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں کہ۔

"بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آ گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئی، اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے۔ اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم وبیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے، ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجہ کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا، اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی۔

خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدی رحمہ اللہ نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے، دل دوز وجگر سوز مرثیہ کہا ہے، اور جس کا مطلع ہے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں   بر زوالِ امر مستعصم امیر المومنیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اور عالم اسلام کی ان سے محروی پر کن جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۲۵۸ تا ۲۶۱)

امتِ محمدیہ سے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے سات سوال

قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے براہِ راست گفتگو ہوتی رہتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آخری امت کی کئی فضیلتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے، اور اللہ تعالیٰ نے سب کے جواب دیئے۔ سوال وجواب مندرجہ ذیل ہیں۔ (از مؤلف)

۱۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک ایسی امت آئے گی جو بہترین امت ہوگی، لوگوں کے نفع رسانی کے لئے نکالی گئی ہوگی، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے گی۔ پس اے میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے، اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا، پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو مخلوق میں سب سے آخر میں آئے گی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی۔ تو اے پروردگار انکو میری امت بنا دیجئے۔ اللہ نے فرمایا۔

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

۳۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جن کی کتاب (قرآن مجید) انکے سینوں میں محفوظ ہوگی اور اسکو وہ (بغیر دیکھے) پڑھیں گے۔

اور پہلے لوگ اپنی اپنی کتاب کو دیکھ کر ہی پڑھ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ جب وہ کتاب اٹھا کر رکھ دیتے تو کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس قدر حافظہ عطا فرمایا ہوگا جو کسی امت کو نہیں ملے گا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، میرے پروردگار اس امت کو میری امت بنا دیجئے۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا۔

وہ تو احمد کی امت ہے۔ ﷺ

۴۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو پہلی کتابوں پر ایمان لائیں گے اور آخری کتاب (یعنی سب کتابوں پر) ایمان لائیں گے۔ اور وہ گمراہی و بدعت کے فضول لوگوں سے قتل وقتال کریں گے، حتیٰ کہ آخر میں کانے کذاب (دجال) سے قتال کریں گے، پس آپ اس امت کو تو میری امت بنا دیجئے۔ اللہ نے فرمایا۔

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ

۵۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے صدقات وزکوٰۃ اپنے گھروں میں کھائیں گے اور پھر بھی اسپر اجر پائیں گے۔

اور پہلے لوگ جو قربانی کرتے اور وہ قبول بھی ہو جاتی تو آسمان سے آگ آتی، اسکو راکھ کر جاتی، اور اگر قبول نہ ہوتی تو آگ اسکو نہ جلاتی بلکہ پرندے درندے اسکو کھا جاتے۔ جبکہ اس امت کے غنی مالدار لوگوں سے صدقات لے کر ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا، تو پس اے پروردگار اس امت کو تو میری امت بنا دیجئے، تو اللہ عزوجل نے فرمایا۔

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ

۶۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار...... میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو کسی نیکی کا ارادہ کرلیں گے اور ابھی عمل بھی نہ کریں گے کہ انکو اسکے بدلے دس نیکیاں ملیں گی، جو سات سو تک دگنا ہوسکتی ہیں۔ تو پروردگار اسکو تو میری امت بنا دیجئے اللہ عزوجل نے فرمایا

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ

۷۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار...... میں (تورات کی) تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو سفارش کریں گے اور پھر انکی سفارش قبول کی جائے گی، پس آپ اسکو تو میری امت بنا دیجئے، اللہ عزّ وجل نے فرمایا۔

وہ تو احمد کی امت ہے ﷺ

آگے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذکر کیا گیا ہے کہ پھر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور عرض کیا۔

الھم اجعلنی من امت احمد

''اے اللہ تو مجھے ہی احمد کی امت سے بنا دیجئے۔''

(تاریخ ابن کثیر حصہ اول ۵۰۳۔۵۰۴)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قابل رشک خاتمہ بالخیر

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بعض لوگوں نے عرض کیا، آپ مدینہ منتقل ہو جاتے اور روضہ نبوی ﷺ میں جو چوتھی جگہ خالی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہوتے۔ یہ سن کر فرمایا، ''خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خدا مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں انھیں بخوشی منظور کرلوں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں۔''

اس کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لئے زمین خریدی۔ اس نے قیمت لینے میں

عذر کیا، اور کہا یہ میرے لئے خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری مملوکہ زمین میں دفن ہوں۔ لیکن آپ نے اسے منظور نہ کیا اور بہ اصرار قیمت حوالہ کی۔ پھر کفن اور دفن کے متعلق ضروری وصیتیں کیں اور آنحضرت ﷺ کے ناخن اور موئے مبارک منگا کر انہیں کفن میں رکھنے کی ہدایت کی۔

دمِ آخر زبان پر یہ آیت تھی۔

" تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین."

''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں نہ تو برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔''

یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یہ رجب کا مہینہ اور ۱۰ھ تھا۔ تاریخوں میں اختلاف ہے۔ وفات کے وقت انتالیس یا چالیس سال عمر تھی، دیر سمعان میں دفن کئے گئے۔

(سیر الصحابہؓ ج ۷ ص ۲۸۴۔۲۸۵)

پہلا اور آخری فتنہ

حضرت حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت ہے، اور سب سے آخری فتنہ ظہور دجال ہوگا، واللہ باللہ جو شخص حضرت عثمان ؓ کی شہادت پر ایک ذرہ برابر خوش ہوگا، تو وہ اگر دجال کا زمانہ پائے گا تو اس پر ضرور ایمان لے آئے گا اور اگر دجال کا زمانہ نہیں ملے گا تو اپنی قبر میں اس کا تابعدار ہوگا۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عثمان ؓ کے خون کا مطالبہ نہ کیا جاتا تو آسمان سے پتھر برستے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۶)

سمرقند میں بتوں کو پگھلانے سے ۵۰ ہزار مثقال سونا نکلا

سمرقند میں دشمن کو شکست فاش ہوئی جب بہادرانِ اسلام قلعہ کی منہدم فصیل تک پہنچ گئے تو غوزک نے مندرجہ ذیل شرائط پر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ (از مؤلف)

۱۔ سمرقند ۲۲ لاکھ سالانہ خراج ادا کریں گے۔

۲۔ تین دن تک مسلمانوں کی دعوت کریں گے۔

۳۔ بت خانوں اور آتش کدوں پر مسلمانوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ مسلمان مسجد تعمیر کر کے نماز ادا کیا کریں گے۔

چنانچہ مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ شرائط صلح کے مطابق قتیبہ نے بتوں کو جلانے کا حکم دیا۔ غوزک نے کہا میں تمہیں خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ انہیں نہ جلاؤ، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

قتیبہ نے کہا۔ اگر یہ خیال ہے تو میں انہیں اپنے ہاتھ سے نذر آتش کروں گا۔ چنانچہ بتوں کو پگھلایا گیا تو ان میں سے ۵۰ ہزار مثقال سونا نکلا۔ اپنے معبودوں کی اس بے چارگی کو دیکھ کر صغد (اہل سمرقند) کی تعداد کثیر اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

قتیبہ نے سمرقند میں مسجد تعمیر کی اور مجاہدین کے ساتھ نماز ادا کی اور خطبہ دیا۔

اس کامیابی کے بعد قتیبہ نے عبداللہ بن مسلم کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا اور کچھ فوج اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر مرو لوٹ آیا۔ (فتوح البلدان ص ۴۱۰)

اعلان فاروقیؓ پر ہر وہ گرجا گرا دیا گیا جو ہجرت کے بعد بنا

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ہر وہ گرجا گرا دیا جائے جو ہجرت کے بعد بنایا گیا تھا۔ صرف ان گرجوں کو باقی چھوڑا گیا تھا جو اسلام سے پہلے سے بنے ہوئے تھے۔

عروۃ بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد یمن کے علاقے صنعاء کے تمام گرجے گرادیئے گئے۔ قبطیوں نے بعض گرجوں کو گرادیا اور بعض کے بارے میں صلح کر لی اور ہجرت سے پہلے کے گرجوں کے علاوہ باقی سب گرجوں کو گرادیا گیا۔

(ابن خلدون ج ۷ ص ۱۳۳)

دوسو سال میں پانچ نسلیں اور ایک لاکھ افراد تیار ہوتے ہیں

بغداد میں شیخ حسن کے پوتے احمد بن اویس کی حکومت تھی لیکن اسی دوران ماوراء النہر، ترکستان اور بخارا میں ایک نئے زبردست بادشاہ کی خبر سننے میں آئی، جس کا نام تیمور تھا، اس کے پاس مغلوں کا زبردست لشکر موجود تھا اور اس کا تعلق چغتائی گھرانے سے تھا، البتہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ چغتائی وہی جو چنگیز خان کا بیٹا تھا یا کوئی اور چغتائی ہے، جس کا مغلوں سے تعلق ہے۔ بہر حال پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی حکومت ماوراء النہر کے علاقے میں قائم تھی۔ البتہ یہاں یہ شبہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیمور کے پاس تو تاتاریوں کا بہت بڑا لشکر تھا جبکہ اس کے ظہور کی قلیل مدت میں چغتائی گھرانے کی تعداد میں اتنا اضافہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب چنگیز خان کو فتوحات حاصل ہو رہی تھیں تو اس وقت چغتائی کی عمر چالیس سال تھی، لہذا دوسو سال کے اس عرصے میں اس کی پانچ نسلیں ہوسکتی ہیں، کیونکہ ہر نسل چالیس کی ہوتی ہے جبکہ چالیس سال کے اندر ہر آدمی کے دس بچے بھی ہوسکتے ہیں، لہذا اس طرح پانچ مرتبہ ضرب دینے سے دوسو سال میں ایک لاکھ افراد تیار ہو جاتے ہیں۔

پھر اگر دس کے بجائے نو بیٹے ہر آدمی کے فرض کئے جائیں تو پانچ نسلوں کے بعد ان کی تعداد ستر ہزار تک جا پہنچتی ہے، اور اگر فی آدمی نو نہ ہوں، سات ہوں تو بھی یہ تعداد سولہ (۱۶۰۰۰) ہزار بنتی ہے۔ اور دیہاتی معاشرے میں فی آدمی کم سے کم بچوں کی تعداد سات ہی ہوتی ہے اور فوج کی سولہ ہزار تعداد حکومت کے لئے تو کافی ہوتی ہے۔

کیونکہ یہ تعداد آخر حد ہے۔ (ابن خلدون ج ۷ ص ۲۶۸)

چانداور سورج کی لڑائی

قضاۃ کے انتخاب میں ذکاوت وذہانت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ایک قاضی نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

''میں نے دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑ رہے ہیں اور دونوں کے ساتھ ستاروں کا ایک لشکر ہے۔''

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ پھر تم کس کے ساتھ ہوئے؟ قاضی نے کہا میں نے چاند کی طرفداری کی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا۔تم نے غلطی کی۔قرآن کہتا ہے:۔

''وجعلنا الليل والنهار ايتين فمحونا اية الليل وجعلنا اية النهار مبصرة''

''اوراسے معزول کردیا''۔ (اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۴۳۶)

نیک سے بداور بد سے نیک پیدا ہونے کی وجہ

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس دن تک خمیر بنا کر رکھا، پھر اس کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جمع کیا، اوراس کے پاکیزہ حصہ کو دائیں ہاتھ میں اور خبیث حصہ کو بائیں ہاتھ میں الگ الگ کردیا۔پھر دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے مس کیا اوراس مٹی کو آپس میں خلط ملط کردیا، اسی وجہ سے بدانسان سے نیک اور نیک سے بد پیدا ہوتا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۹۴)

حضرت خالدؓ کا زہر پینا کہ ''خدا چاہے بغیر کچھ نہیں ہوتا''

حضرت خالدؓ نے اس کے خادم کے ہاتھ سے تھیلی لے کر کھول کر زہر کو اپنے

ہاتھ پر ڈال لیا اور اس سے پوچھا تم زہر اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟ عمرو بن عبدالمسیح نے جواب دیا ''میں اس کو اپنے ساتھ اس خیال سے لے کر آیا ہوں کہ شاید میں تمھیں اس خیال کے خلاف پاؤں جو میرا تمھارے بارے میں ہے، تو اس صورت میں میرے نزدیک مجھے موت اس بات سے زیادہ عزیز ہوگی کہ میں اپنی قوم میں کوئی ناگوار خبر لے کر جاؤں۔

حضرت خالد ﷺ بولے ''جب تک موت نہیں آتی اس وقت تک کوئی شخص مر نہیں سکتا، **بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی**. پڑھ کر زہر کھالیا، تھوڑی دیر تک بے ہوش پڑے رہے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے، جیسا کہ کوئی شخص بند ہوا ہو اور کھول دیا جائے۔ ابن عبدالمسیح نے کہا ''واللہ جب تک تم میں ایسے لوگ موجود رہیں گے اس وقت تک تم لوگ جو چاہو حاصل کرلو گے۔''

پھر ابن عبدالمسیح نے ایک لاکھ نوے ہزار یا دو لاکھ نوے ہزار درہم اور کرامت بنت عبدالمسیح دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ صلح کے بعد کرامت حضرت شریک کو دے دی گئی۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۱۲ھ کا ہے۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۲۴۲)

قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ نے ترکوں کے بتوں کو آگ لگا دی

قتیبہ بن مسلمؒ خلیفہ اموی ولید بن عبدالملک کے عہد ۸۶ھ میں تھے۔ جن کی فتوحات کا سلسلہ خاصا وسیع تھا۔ علاقہ بیقند، بخارا، سمرقند، خیوا، فرغانہ اور کاشغر فتح کر لئے اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ آپ کا بت خانوں کو آگ لگانے کا واقعہ یوں ہے۔

(از مؤلف)

مسٹر آرنلڈ نے ان کی ترک بت پرستی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ۔

''قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ نے بت خانے تباہ کرا دیئے، ترکوں میں یہ خیال جا گزین تھا کہ جو بتوں سے بے ادبی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، مگر قتیبہ نے بت

خانوں میں آگ لگوادی اور اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا، اس واقعہ سے ترکوں پر اثر پڑا اور وہ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے۔

(تاریخ ملت ج ۳ ص ۲۷)

حاتم الاصم بلخی رحمہ اللہ کی ناصحانہ گفتگو

حاتم بن عنوان الاصم بلخ کے باشندے تھے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے۔ آپ نے شقیق بلخی رحمہ اللہ اور شداد بن کلیم بلخی رحمہ اللہ سے حدیث روایت کی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں تھے۔ ابو بکر الوراق نے آپ کو اس امت کا لقمان کہا ہے۔ آپ کی زندگی ناصحانہ گفتگو سے عبارت ہے، مؤرخ ابن خلکان کی ذکر کردہ چند نصیحتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ (از مؤلف)

ابو عبداللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں حاتم بغداد آئے اور آپ سے ملاقات کی، بیان کیا گیا ہے کہ جب ابو عبداللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں حاتم بغداد آئے تو اہلِ بغداد آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے ابو عبدالرحمٰن آپ عجمی آدمی ہیں، اور جو شخص آپ سے بات کرے گا آپ کس مفہوم میں اسے خاموش کرائیں گے؟ حاتم نے کہا میں تین باتوں سے اپنے مخالف پر غالب آتا ہوں، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جب میرا مخالف درست بات کہتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں، اور جب غلطی کرتا ہے تو اس کے لئے غم کرتا ہوں، اور اپنے نفس کو اس پر سخت کلامی کرنے سے نیچے رکھتا ہوں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو فرمایا، سبحان اللہ، کس قدر عقلمند شخص ہے۔

ابو جعفر ہروی نے بیان کیا ہے کہ میں ایک دفعہ حاتم کے ساتھ تھا اور آپ کا ارادہ حج کا تھا، جب آپ بغداد پہنچے تو فرمایا، اے ابو جعفر! میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ملنا چاہتا ہوں، پس ہم نے آپ کے گھر کے متعلق دریافت کیا اور اس کی طرف روانہ ہو

گئے، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اور جب آپ باہر نکلے، تو میں نے کہا، اے ابوعبداللہ آپ کا بھائی حاتم ہے، آپ نے انہیں سلام کیا اور خوش آمدید کہا، اور آپ کو دیکھنے کے بعد خوش ہو کر فرمایا اے حاتم مجھے بتائیے کہ میں کن باتوں میں لوگوں سے بچاؤ کروں؟ آپ نے فرمایا، اے ابوعبداللہ، تین باتوں میں، آپ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، آپ انہیں اپنا مال دیں اور ان کے مال سے کچھ نہ لیں، اور ان کے حقوق ادا کریں اور ان سے اپنے حقوق کا تقاضا نہ کریں، اور ان کی ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کریں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی کسی چیز پر مجبور نہ کریں۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت امام احمد سر جھکا کر زمین کو اپنی انگلی سے کریدنے لگے، پھر آپ نے سر اٹھا کر کہا اے حاتم! یہ سخت باتیں ہیں، حاتم نے آپ سے کہا، کاش آپ بچ جائیں، کاش آپ بچ جائیں، کاش آپ بچ جائیں۔

ایک شخص نے حاتم سے کہا، آپ نے اپنے امر کی بنیاد کس چیز پر رکھی ہے؟ آپ نے فرمایا چار چیزوں پر، اس پر کہ میں دنیا سے اپنا رزق پورا کئے بغیر نہیں نکلوں گا، اور اس پر کہ میرے رزق کو کوئی دوسرا نہیں کھائے گا، اور اس پر کہ مجھے معلوم نہیں کہ میری موت کب ہوگی، اور اس پر کہ میں ایک لحہ بھی اپنے رب سے اوجھل نہیں ہوں گا۔

اور فرمایا کہ اگر مخبر، تیری گفتگو لکھنے کے لئے تیرے پاس بیٹھے گا تو تو اس سے احتراز کریگا اور تیری گفتگو اللہ کے سامنے پیش ہوگی، پس اس سے احتراز نہ کر۔

ایک شخص نے حاتم الاصم سے کہا، مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ زاد کے بغیر جنگلات کو طے کرتے ہیں، حاتم نے کہا بلکہ میں انہیں زاد کے ساتھ طے کرتا ہوں اور میرے زاد میں چار چیزیں ہیں، اس نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا میں نے ساری دنیا کو اللہ کا ملک پایا ہے، اور سب مخلوق کو اللہ کے بندے اور عیال پایا ہے، اور اسباب و رزق اللہ کے قبضے میں ہیں، اور میں نے ساری زمین میں اللہ کے فیصلے کو نافذ پایا ہے، اس شخص

نے آپ سے کہا اے حاتم! آپ کا زاد کیا ہی اچھا زاد ہے، آپ اس سے آخرت کے جنگلات کو بھی طے کر جائیں گے۔

حاتم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے اوپر یہ شرط مقرر کی کہ اگر میں مکہ آیا تو میں درماندہ ہو کر گر جانے تک طواف کروں گا، اور درماندہ ہو کر گر جانے تک نماز پڑھوں گا، اور جو کچھ میرے پاس ہے سب کو صدقہ کر دوں گا، اور جب میں مکہ آیا تو میں نے نماز پڑھی، حتیٰ کہ درماندہ ہو کر گر پڑا اور اسی طرح طواف بھی کیا، اور میں نے ان دو باتوں کی طاقت پائی اور دوسری بات کی قوت نہ پاسکا۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۳۱۔۳۲)

حجاج کا پیغام ابن قاسم کے نام سلطنت کے چار ارکان

فتح سیوستان کے بعد حجاج نے محمد بن قاسم کے نام خط لکھا:۔

''جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو نا امید نہ کرو اور التجاؤں کو قبول کرو۔ امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں، اوّل مدارات و درگزر و محبت۔ دوم سخاوت و انعام، سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شہامت۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگزاری دینے کا اقرار کر لیں تو ہر طرح ان کی اعانت و امداد کرو۔ جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو تو اس کی عقل و امانت کو جانچ لو۔ اور جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے، اس کے تمام مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو اسلام قبول نہ کرے، اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔ جو شخص بغاوت و سرکشی اختیار کرے، اس سے تم لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شریف اور رذیل میں امتیاز کرو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہاری صلح جوئی کو دشمن تمہاری کمزوری محسوس کریں۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۴)

تاریخ کے ممتاز ترین چار افراد

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل تھا، اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کار عظیم (تدوین حدیث، تدوین فقہ، فن اسماء الرجال، صحاح ستہ وغیرہ) کے لئے ایسے لوگ میدان میں آئے جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ جو فقہ کے چار دبستانِ فکر کے امام ہیں، اور جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں زندہ اور مقبول ہے، اپنے تعلق باللہ، للّٰہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبۂ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند قصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں، انھوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت سے سروکار نہیں رکھا تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دو بار عہدۂ قضا پیش کیا گیا، اور انھوں نے انکار کیا یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا، امام مالک رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے، امام شافعی رحمہ اللہ نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گذارا، اور اپنی صحت قربان کر دی، امام احمد رحمہ اللہ نے تن تنہا حکومت وقت کے رجحان اور اس کے "سرکاری مسلک" کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تن تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا، جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہ پیدا کر سکتے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تراسی ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے، جن میں سے اڑتیس ہزار عبادت سے تعلق رکھتے ہیں، اور پینتالیس ہزار معاملات سے۔ شمس الائمہ کردری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد چھ لاکھ ہے۔ المدونہ

میں جو امام مالک رحمہ اللہ کے فتاوی کا مجموعہ ہے چھتیس ہزار مسائل ہیں، کتاب الأم جو امام شافعی کے افادات کا مجموعہ ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے، ابوبکر خلال رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) نے امام احمد رحمہ اللہ کے مسائل چالیس جلدوں میں جمع کیے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۸۱۔۸۲)

خلافت بنو امیہؒ کے ایک سپہ سالار کی بہترین نصیحتیں

جب مہلب کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی اولا کو جمع کر کے کہا۔ میں اپنے بعد یزید کو خاندان کا سرپرست بناتا ہوں۔ تم سب اس کی تابعداری کرنا۔ پھر اس نے کچھ تیر منگائے اور انہیں رسی سے باندھ دیا اور اپنی اولاد سے پوچھا کیا تم انہیں توڑ سکتے ہو؟ آل مہلب نے جواب دیا۔ ''نہیں۔'' مہلب نے کہا اگر انہیں الگ کر دیا جائے تو توڑ سکتے ہو؟ آل مہلب نے جواب دیا۔ ''ہاں توڑ سکتے ہیں۔''

مہلب نے کہا بس اتحاد و اختلاف میں یہی فرق ہے۔ تم سب کو مل جل کر رہنا چاہیئے۔ پھر مہلب نے حسب ذیل وصیتیں کیں۔

''میں تمہیں خوف خدا اور صلہ رحمی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال میں زیادتی ہوتی ہے اور قوت بڑھتی ہے۔ بے رحمی اور ظلم سے منع کرتا ہوں کہ اس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ اور دنیا میں قلت و ذلت ہے۔ ایک دوسرے کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتحاد و اتفاق کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ دیکھو جو کچھ کہو اس سے زیادہ کر دکھاؤ۔ زبان سے بات نکالتے وقت خوب سوچ لو اور زبان کی لغزش کے نتائج سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی کا قدم لڑکھڑائے تو وہ سنبھل سکتا ہے اور زبان لڑکھڑائے تو ہلاک ہو سکتا ہے۔

اپنے پاس آنے جانے والوں کے حقوق کا خیال رکھو۔ ان کی صبح و شام کی آمد و رفت تمہاری یاد دہانی کے لئے کافی ہے۔ سخاوت کو بخل پر ترجیح دو۔ بھلائی کو عزیز

رکھواور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تم کسی عربی سے بھلائی کا وعدہ بھی کرو گے تو وہ تمہارے لئے اپنی جان قربان کر دے گا۔ لڑائی کے موقع پر تدبر اور چالاکی سے کام لو، کیونکہ یہ بہادری سے زیادہ مفید ہے۔ جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو تقدیر الٰہی ہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تدبر سے کام لے اور کامیاب ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اپنا فرض صحیح طور پر انجام دیا اور کامیاب ہوا، اور ناکام ہو تو کہا جاتا ہے کہ کوشش میں کسر نہیں چھوڑی۔ مگر تقدیر میں کامیابی نہ تھی۔ تم قرآن کریم کی تلاوت کو ضروری سمجھو۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم حاصل کرو اور بزرگان دین کے طور طریقوں پر کاربند رہو۔ دیکھو اپنی مجلسوں میں فضول گفتگو نہ کیا کرو۔''

مہلب کی یہ وصیتیں ہر نوجوان کے لئے بہترین نصیحتیں ہیں، زندگی کی کٹھن منزل میں مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ (تاریخ ملت ج ا ص ۴۱۶۔۴۱۷)

قیصر کا دستور ''الوداع اے شام''

قیصر روم ''ہرقل'' انطاکیہ میں مقیم تھا کہ اسے ان مسلسل شکستوں کی خبر پہنچی۔ وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہو گیا اور قسطنطنیہ کا عزم کیا۔

قیصر کا دستور تھا کہ جب وہ حج بیت المقدس سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ واپس جاتا تو وہ ملک شام کی سرحد کو پار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتا۔

''اے شام مسافر کا سلام قبول ہو۔ جس کا جی تجھ سے نہیں بھرا ہے اور جو پھر تیری طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔''

لیکن اس مرتبہ جب وہ مقام شمشاط پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا اور کہا۔

''اے شام رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں۔''

قیصر جب قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہاں ایک رومی مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر آیا۔
قیصر نے اس رومی سے کہا۔ مجھے کچھ حالات مسلمانوں کے سناؤ۔ رومی نے کہا۔
''اے بادشاہ، وہ لوگ دن کو شہسوار ہیں اور رات کو عابد شب زندہ دار۔ وہ اپنے مفتوحین کا مال قیمت ادا کئے بغیر استعمال نہیں کرتے اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں امن وسلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے۔''
قیصر نے کہا۔
''اگر مسلمان ایسے ہی ہیں تو وہ میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کر لیں گے۔''
(تاریخ ملت ج۱ص ۱۹۷)

محمد بن قاسمؒ پر راجہ داہر کی بیٹیوں کا الزام موت کا سبب بنا

محمد بن قاسم نے دیبل کا تمام ملک عربی امراء میں تقسیم کر دیا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ملتان بھی راجہ داہر کے قبضے میں تھا تو اس نے اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے ملتان کو پائیہ تخت بنایا اور یہاں کے تمام مندروں کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجد یں تعمیر کیں۔

حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کی دونوں بیٹیوں کو خلیفہ کے پاس دمشق روانہ کر دیا اور یہ لڑکیاں خلیفہ کے محل میں رہنے لگیں، ایک عرصے بعد خلیفہ ولید کو ان لڑکیوں کا خیال آیا اور اس نے انھیں اپنے پاس بلایا۔ خلیفہ کے پوچھنے پر ان لڑکیوں نے اپنے نام بتائے، بڑی کا نام سرلا دیوی تھا اور چھوٹی کا نام پرمل دیوی۔ سرلا دیوی ولید کو بہت پسند آئی اور اسے اپنے محل میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ سرلا کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا۔''میں آپ کے محل میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوں، کیونکہ محمد بن قاسم تین راتیں میرے ساتھ گزار چکا ہے۔ کیا مسلمانوں میں یہی رواج ہے کہ عورت پر پہلے تو

ملازم اپنے ہاتھ صاف کریں اور بعد میں اپنے خلیفہ کے پاس بطور تحفہ روانہ کر دیں۔

یہ سن کر خلیفہ ولید سخت طیش میں آ گیا اور اس نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے یہ فرمان لکھا ''محمد بن قاسم جہاں کہیں بھی ہو فوراً اپنے آپ کو گائے کی کھال میں بند کر کے پایہ تخت پہنچ جائے۔'' محمد بن قاسم کو جب یہ فرمان ملا تو اس بے چارے نے مجبوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی، اس نے اپنے آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''مجھے ایک صندوق میں بند کر کے خلیفہ کے پاس پہنچا دو۔'' ایسا ہی کیا گیا، اور بے بس و بے باک محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو دمشق پہنچا دیا گیا۔

صندوق میں بند (مرا ہوا) محمد بن قاسم رحمہ اللہ جب خلیفہ کے سامنے پہنچا تو ولید نے سرلا دیوی کو بلا کر کہا ''دیکھو میں مجرموں کو ایسی عبرتناک سزا دیتا ہوں۔'' اس پر سرلا نے ولید سے کہا۔ آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ بغیر تحقیق کے کسی کی بات کا یقین کریں۔ ہر بات کو آپ پہلے میزانِ عقل پر تولا کریں اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا کریں۔ آپ نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عقل سے بے بہرہ ہیں، اور محض خدا کے سہارے پر حکومت کر رہے ہیں، محمد بن قاسم نے میری طرف کبھی دستِ تصرف نہیں بڑھایا اور ہمیشہ مجھے اپنی بہن کی طرح اپنے ساتھ رکھا ہے، چونکہ اس نے ہماری قوم کو تباہ و برباد کیا تھا، اس لئے میں نے انتقامی جذبے کے تحت اس پر الزام تراشی کی، مجھے خوشی ہے کہ میں محمد بن قاسم سے انتقام لینے میں کامیاب ہوئی ہوں۔'' ولید سرلا دیوی کی زبان سے یہ کلمات سن کر بہت شرمندہ ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر ہی رہا۔

(تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۸۹۰۔۸۹۱)

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہیں تھی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ دونوں صحابی فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷻ نے فرمایا اللہ (قیامت کے روز) انسانوں کو جمع فرمائیں گے۔ پھر جب مومنین کے لئے جنت آراستہ کی جائیگی تو تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔ اے ہمارے (سب کے) والد (محترم) ہمارے لئے جنت کھلوا دیجئے، تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، تم کو جنت سے میری لغزشوں ہی نے تو نکلوایا ہے۔

اور یہ حدیث بڑی قوی دلیل ہے اس بات پر کہ یہ جنت جنت الماوی تھی (اور یہ نظر سے خالی نہیں ہے)

اور دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سکونت ملی وہ دائمی جنت نہیں تھی، اسلئے کہ اسمیں ایک درخت کے پھل کو کھانے سے منع کیا گیا (جبکہ اصل جنت میں کسی چیز کی روک ٹوک نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سوئے تھے جبکہ جنت میں نیند نہیں، اسلئے بھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پھر اس جنت سے نکالا گیا (جبکہ اصل جنت میں جب کوئی داخل ہو گیا تو اس کیلئے وہاں سے نکلنا نہیں)

اور اسلئے بھی کہ ابلیس لعین اس جگہ میں داخل ہو گیا تھا (جبکہ جنت میں شیطان ابلیس کا داخلہ ممنوع ہے) تو یہ سب باتیں اس بات کو منع کرتی ہیں کہ وہ جنت جنت الماوی تھی۔ اور یہی قول حضرت ابی ابن کعب ﷺ، عبداللہ بن عباس ﷺ، وھب ابن منبہ رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔

اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے بھی المعارف میں اسکو اختیار کیا ہے، اور قاضی منذر بن سعید بلوطی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی ذکر کیا، اور اس مسئلہ میں جداگانہ ایک تصنیف بھی فرمائی اور اسکو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور انکے اصحاب سے بھی نقل کیا ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ج اص ۱۰۷)

ہر نئے فتنہ اور نئے خطرے کے لئے نئی شخصیت وطاقت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی اس طویل اور پرآشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہوگئی ہو، حقیقتِ اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلامیہ کا ضمیر بالکل بے حس ہوگیا ہو، اور تمام عالم اسلام پر اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے کوئی فتنہ نمودار ہوا، اس کی تحریف اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا، کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا، اور اس کو میدان سے ہٹا دیا، بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں، جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے، کتنے آدمی ہیں، جو قدریت، جہمیت، اعتزال، خلقِ قرآن، وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الٰہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں، حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے، ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں، اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے، لیکن بالآخر حقیقتِ اسلام نے ان پر فتح پائی، اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور سرکاری مذہب علمی مباحث بن کر رہ گئے، جو صرف علم کلام اور تاریخ عقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد، تجدید وانقلاب کی کوشش اور دعوت واصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی اسلام کی تاریخ، اور ایسا ہی مسلسل ہے جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج۱ص ۲۷۔۲۸)

امت میں سب سے زیادہ رحم دل

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ابوبکر صدیق ﷺ ہیں، اور اللہ کے معاملہ میں عمر ﷺ سب سے زیادہ سخت ہیں، اور سخت حیادار عثمان ﷺ ہیں، اور حرام وحلال کے جاننے والے سب سے زیادہ معاذ بن جبل ﷺ ہیں، اور سب سے زیادہ فرائض جاننے والے حضرت زید بن ثابت ﷺ ہیں، اور سب سے اچھے قاری ابی بن کعب ﷺ ہیں، اور ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ﷺ ہیں۔

(احمد، ترمذی)

حضرت ابن عمر ﷺ اتنا اور زیادہ کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ فیصلہ کو جاننے والے حضرت علی المرتضیٰ ﷺ ہیں۔ (ابویعلی)

شداد بن اوس اتنا اور بھی زیادہ لکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ زاہد حضرت ابوذر ﷺ ہیں، اور سب سے زیادہ عابد اور متقی حضرت ابوالدرداء ﷺ ہیں اور سب سے زیادہ حلیم الطبع اور بردبار حضرت معاویہ ﷺ ہیں۔ (دیلمی) میرے سوال کرنے پر حضرت شیخ علامہ کانجی نے فرمایا کہ ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۹۴)

واقعہ ایک اندھی بوڑھی کی خدمت کا

ابن عسار کر رحمہ اللہ ابوصالح غفاری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ﷺ ایک بوڑھیا اور اندھی اپاہج کی جو مدینہ کے اطراف میں رہتی تھی، خبر گیری کیا کرتے تھے۔ اس کو روٹی پانی اور اس کے دوسرے کام کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز جو اس کے پاس آپ تشریف لے گئے تو بلاتوقع اس کا تمام کاروبار ہوا پایا، اور اب ہمیشہ ہی کوئی

آپ سے پہلے کر جانے لگا۔ آپ کو بہت حیرت ہوئی۔ آپ نے اس کی جستجو کی تو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نکلے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اس زمانہ میں خلیفہ تھے۔ آپ کو دیکھ کر حضرت عمر ﷺ نے فرمایا، واللہ! آپ کے سوا اور کون ہوسکتا تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۹۳)

علماء حق کی جرأت اور انداز تبلیغ

مشہور واقعہ ہے کہ دہلی کی بہت بڑی دولت مند اور ممتاز ترین ''موتی'' کے یہاں کسی تقریب میں تمام دہلی کی طوائف کا اجتماع تھا، شاہ صاحب کو علم ہوا تو آپ نے جامع مسجد میں نماز عشاء پڑھی اور فقیروں کے کپڑے پہن کر بازار خانم میں اس طوائف کے مکان پر تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر دستک دی۔ اندر سے ایک لڑکی نکل کر آئی۔ دریافت کیا کون ہے۔ آپ نے فرمایا، ایک فقیر ہے۔ لڑکی اندر گئی۔ اپنی آقا ''موتی'' کو خبر کی۔ موتی نے کچھ پیسے بھیج دیئے۔ لڑکی نے آکر پیسے دینے چاہے۔ آپ نے فرمایا اپنی بی سے کہو، فقیر کہتا ہے کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں۔ بغیر صدا کہے کچھ لینے کی عادت نہیں۔ تم پہلے میری صدا سن لو۔ لڑکی نے جا کر کہا۔ موتی کو خیال ہوا کہ فقیر کی صدا کی اس بزم نشاط میں سرمستی پیدا کرے گی۔ اس نے فقیر کو اجازت دے دی۔ فقیر اندر داخل ہوا۔ سارا مجمع فقیر کے گرد اکٹھا ہو گیا، فقیر نے آنکھیں بند کر کے صدا کہنی شروع کی۔ یہ صدا کیا تھی۔ سورۂ والتین کی رقت انگیز تفسیر تھی۔ جو درد بھرے دل سے پُر درد لہجہ میں نکل رہی تھی، اور دلوں میں درد پیدا کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کی تقریر نے جادو کا اثر کیا۔ دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری، توبہ استغفار کی صدا بلند ہونے لگی۔ موتی اور اس کی بہت سی سہیلیوں نے آوارہ زندگی سے توبہ کی اور نکاح کر کے ساری عمر پاک دامنی اور شرافت کے ساتھ گزار دی۔

ایک مرتبہ کچھ بدمعاشوں نے حضرت شاہ صاحب کی اصلاحی کوششوں پر

آوازیں کسے۔ شاہ صاحب کے ایک دوست کو بدمعاشوں کی یہ حرکت ناگوار گذری اور ان کو صدمہ ہوا کہ یہ بدمعاش شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھتیجے کے منہ آرہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کو شاہ صاحب پر بھی غصہ آیا کہ وہ کیوں ان بدمعاشوں کو منہ لگاتے ہیں کہ ایسے جواب سننے کی نوبت آتی ہے۔ دوست نے شاہ صاحب کو ملامت شروع کی کہ آپ ایسے معزز خاندان کے معزز رکن ہیں یہ آپ کیا حرکت کرتے ہیں کہ ان بدمعاشوں کے مجمع میں کھڑے ہوکر ان سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں، شاہ صاحب نے فرمایا، کیا یہ انسان نہیں ہیں۔ کیا یہ اصلاح کے مستحق نہیں ہیں۔ کیا یہ طائف کے اوباشوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر سرور کائنات ﷺ مکہ اور طائف کے بدمعاشوں سے سرباز ار پتھر کھاتے ہیں جس سے جسم مبارک لہولہان ہوجاتا ہے تو اسمٰعیل کے لئے یہ ذلت نہیں بلکہ فخر ہے کہ میری طرف سے ہمدردی اور خیر خواہی ہو، اور ان کی طرف سے توہین وایذارسانی۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی، حصہ دوم ص:۵۹۱)

بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ کل کائنات کا مالک (اللہ) کتاب ھذا کو کل کائنات میں مقبول بنادے۔ اور بندۂ عاجز کیلئے ذریعہ نجات بنادے (آمین)

(ازمؤلف)

مراجع

۱۔ تاریخ ابن خلدون.......................علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ

۲۔ تاریخ ابن خلکان.......................احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکانؒ

۳۔ تاریخ الخلفاء.......................امام جلال الدین سیوطیؒ

۴۔ تاریخ ابن کثیر.......................علامہ ابن کثیرؒ

۵۔ تاریخ طبری.......................علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبریؒ

۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت.......................مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

۷۔ تاریخ فرشتہ.......................ملا محمد قاسم فرشتہؒ

۸۔ تاریخ اسلام.......................مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ

۹۔ تاریخ اسلام.......................شاہ معین الدین ندویؒ

۱۰۔ تاریخ اسلام.......................مولانا عبیدالحقؒ

۱۱۔ تاریخ اسلام.......................مولانا سید محمد میاںؒ

۱۲۔ تاریخ ملت.....مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی ومفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادیؒ

۱۳۔ تاریخ المسعودی.......................امام ابوالحسن بن حسین المسعودی

۱۴۔ تاریخ فقہ اسلامی.......................علامی شیخ محمد خضری بکؒ

۱۵۔ تاریخ ہند پاکستان.......................ڈاکٹر سید معین الحقؒ

۱۶۔ تاریخ جنگ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء.......................سید خورشید مصطفیٰ رضویؒ

۱۷۔ تاریخ ارض القرآن.......................علامہ سید سلیمان ندویؒ

۱۸۔ تاریخ کالا پانی.......................مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ

۱۹۔ تاریخ حریت اسلام کے ناقابل فراموش واقعات.......................محمد دین فوق

۲۰۔ تاریخ العرب والقدس.......................مولانا حافظ محمد صدیق ارکانی

۲۱۔ طبقات ابن سعد..........علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری ؒ
۲۲۔ الکامل..........علامہ ابن اثیر ؒ
۲۳۔ فتوح البلدان..........علامہ بلاذری ؒ
۲۴۔ اشہر مشاہیر الاسلام..........رفیق بک مصری ؒ
۲۵۔ دروس التاریخ..........علامہ محی الدین الخیاط مصری ؒ
۲۶۔ منتخب التواریخ..........مولانا عبدالقادر بدایونی ؒ
۲۷۔ آئینہ حقیقت نما..........مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ؒ
۲۸۔ عبرت نامہ اندلس..........پروفیسر رائس ہارٹ ڈوزی
۲۹۔ سو تاریخی واقعات..........ولیم اے۔ڈیوٹ
۰۳۔ الفاروق..........علامہ شبلی نعمانی ؒ
۳۱۔ فتوح الہند..........مفتی محمد شفیع ؒ (مفتی اعظم پاکستان)
۳۲۔ فتوح الشام..........علامہ واقدی ؒ
۳۳۔ علماء ہند کا شاندار ماضی..........مولانا سید محمد میاں ؒ
۳۴۔ عروج وزوال کا اثر..........مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ
۳۵۔ برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا..........مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ
۳۶۔ جہانِ دیدہ..........شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی
۳۷۔ دنیا مرے آگے..........شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی
۳۸۔ خلفائے راشدین ؓ..........پروفیسر علامہ ڈاکٹر خالد محمود
۳۹۔ انبیاء کی سرزمین میں..........مفتی محمد رفیع عثمانی
۳۰۔ سیر الصحابہ ؓ..........رفقاء دار المصنفین
۴۱۔ تیسری جنگ عظیم اور دجال..........مولانا عاصم عمر

تاریخ کے بکھرے موتی

مؤلف

مولانا محمد اصغر کرنالوی

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
ناظم اعلیٰ معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل موسیٰ صاحب

مہتمم الجامعۃ المحمودیۃ ساؤتھ افریقہ

زمزم پبلشرز